خیالات

عالی جناب نواب غلام احمد خاں صاحب احمدی مرحوم رئیس کنجپورہ، ضلع کرنال،

سابق ممبر کونسل آف ریجنسی ریاست گوالیار

جو کہ جناب ممدوح نے وقتاً فوقتاً مختلف مجلسوں میں ارشاد فرمائے

موسوم بہ

صبح نور

حسب الارشاد

صاحبزادہ سلطان احمد خاں صاحب و آفتاب احمد خاں صاحب

پسرانِ جناب ممدوح

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء طبع ہوئی

فہرست مضامین

نواب غلام احمد خاں صاحب احمدي مرحوم
۱۸۸۶ع

The Indian Press, Ltd., Allahabad.

قابلِ توجّہ ناظرینِ کرام

اس کتاب میں والد مرحوم مغفور کے چوبیس لیکچر ہیں جو وقتاً فوقتاً مختلف مواقع اور مجالس میں انھوں نے بیان فرمائے۔ آخری چار لیکچر کتاب کے اس اڈیشن میں سب سے پہلی مرتبہ طبع ہوئے ہیں۔

ان لیکچروں کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اُن میں جن مضامین پر بحث کی گئی ہی وہ حسب ذیل ہیں :-

ثبوت باری، توحید، نوعِ انسان کی پیدائش کی غرض (اُس کی ذمہ داریاں اور کمزوریاں اور اُس کے لئے صراطِ مستقیم) صداقت اور دیانت کا ثواب، وقت کی قدر، خود داری اور ہمت کے ثمرات، محتاجوں اور بیکسوں کی دستگیری کے انعامات، منکوحہ بیبیوں کے ساتھ وفاداری۔ غرض کہ ایک مسلم کے علم و عمل یعنی عقیدہ اور اخلاق کا جوہر اور لب لباب ہونا چاہیئے وہ نظم اور نثر میں بیان کیا گیا ہی۔ ناظرین کی سہولت کے لئے ذیل میں ہر ایک لیکچر کے مضمون کا خلاصہ درج کیا جاتا ہی:-

(۱) **دور و تسلسل** (صفحہ ۱) اس میں ثبوت باری پر بحث اور منکرین

الوہیت جو دلائل اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں اُن کی تردید بوجوہ کی گئی ہی۔ اس لیکچر کا زیادہ حصّہ نثر میں ہی لیکن تین نظمیں بھی ہیں جو توحید میں ڈوبی ہوئی ہیں۔

(۲) **صدقِ نیت** (صفحہ ۱۲) اس لیکچر میں اس حقیقت پر زور دیا ہی کہ خدا کا تصور ممدِ اخلاقِ حسنہ ہی۔ اس لیکچر میں خدا کی عظمت اور شان کی نسبت نہایت موثر الفاظ میں ذکر ہی۔ اس کے آخر میں بھی نظم ہی۔

(۳) **خوابِ احمدی** (صفحہ ۱۶) اس نظم میں اس عالم کا خاکہ نہایت عمدہ الفاظ میں کھینچا گیا ہی۔ نیکی اور عمدہ اخلاق کے طرف رغبت، ثبوت باری تعالیٰ، انسانی صفات اور قوی کا ذکر، عطیاتِ الٰہی کا بیان، اس مضمون کا جوہر ہیں۔

(۴) **قدرِ وقت** (صفحہ ۲۳) وقت کی قدر اور اُس کا عملی طریقہ تبلایا گیا ہی۔ مختلف قسم کے انسانوں کی تعریف کی گئی ہی۔ تقدیر اور تدبیر کے مسائل پر بحث اور ان سے متعلق غلط خیالات کے نتائج دکھلائے گئے ہیں۔

(۵) **سیرِ باغ** (صفحہ ۴۰) مرحوم کی یہ نہایت مشہور نظم ہی۔ انسانی زندگی کو "سیرِ باغ" سے مثال دی ہی۔ انسان کی غفلتوں اور عیش پرستیوں کو جتا کر اُس کی ذمہ داریوں کو یاد دلایا ہی اور آئندہ کے لئے متنبہ کیا ہے۔ خداوندِ جلیل کی قدرتوں کے بیان کے سلسلے میں نیچر کا خاکہ کھینچا ہے۔ جائزہ

لطف اور عیش کی طرف اشارہ کرکے سب سے بڑا کار خیر دستگیری نیم جاناں کو قرار دیا ہے۔

(۶) **اصلاح خیالات** (صفحہ ۳۷) یہ مضمون دہریوں اور منکرین الوہیت کے رد میں ہے۔

(۷) **بزم خیال** (صفحہ ۴۳) اس نظم میں انسانی ہستی کا خاکہ کھینچا ہے۔ گویا تمام مخلوق خدا کی مہمان ہے۔ جہاں کہ عرض بگی نے ہر ایک کو بتا یا ہے کہ اس کو کیا کرنا چاہیئے۔ لیکن باوجود اس تنبیہ کے ہر ایک جُدا جُدا رنگ لایا۔ پھر محفل سے لوگ چلنے شروع ہوئے۔ آخر میں پھر توحید اور اخلاق کی تعلیم ہے۔

(۸) **عصائے ہمت** (صفحہ ۴۸) یہ مضمون نثر میں ہے۔ اس میں ہمت اور اولوالعزمی کا سبق ہے۔ کاہلی اور بے جا صرف کے خراب نتائج کا ذکر، اپنی کمائی میں ضعیفوں کا حصہ رکھنا، لیکن غیر مستحق سائلوں کو نہ دینے کی ہدایت۔ آخر میں توحید کا بیان نہایت پُر اثر نثر میں ہے۔

(۹) **اثر قوت** (صفحہ ۵۴) اس میں اس مسئلہ پر بحث ہے کہ انسان طبعی طور پر حالتوں کا متبع ہے۔ قوت اور ضعف کے وقت اُس کی حالت مختلف ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکالا ہے کہ احتیاط اور ضبط کا وقت قوت کا زمانہ ہے۔ اس کے آخر میں ایک نہایت ہی پُر اثر نظم ہے۔

(۱۰) **پاسخ** (صفحہ ۵۹) اس مضمون میں ایک منکر خدا کا جواب دیا گیا۔

ہے۔ ثبوت باری میں عقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

(۱۱) **پیکر انسانی** (صفحہ ۷۰) اس میں دکھایا گیا ہے کہ کائنات میں جس قدر مخلوق ہے اُس میں انسان کا درجہ سب سے افضل ہے اور اُس کو سب سے زیادہ نعما حاصل ہیں۔ اس لئے اُس کو سب سے زیادہ خالق کا مشکور اور مطیع ہونا چاہئے۔

(۱۲) **پیمانۂ سعی** (صفحہ ۸۲) اس نظم میں اُن احسانات کا ذکر ہے جو اللہ جلّ جلالہٗ کے انسان پر ہیں۔ خالقِ ذوالجلال کی ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت کا بیان اور اُس کی حمد و ثنا نہایت عمدہ الفاظ میں کی گئی ہے اور ایک سچّے دیانت دار مومن کے اخلاق کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

(۱۳) **موجودہ حالت** (صفحہ ۸۹) اس نثر کے مضمون میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان کو آنے والی حالتوں کا اندازہ یا قیاس موجودہ حالت کے لحاظ سے نہیں کرنا چاہئیے۔ مثلاً صحت اور دولت مندی کی حالت میں یہ قیاس کرنا کہ ہم ہمیشہ تندرست اور خوش حال رہیں گے سخت غلطی ہے۔ اس لئے انسان کو ہر وقت اپنی موجودہ حالت کی نگرانی اور حفاظت کرنا چاہیئے۔

(۱۴) **دعا و محنت** (صفحہ ۹۵) انسانوں میں عموماً دو خیال کے لوگ ہیں بعض دعا پر بھروسا کرتے ہیں اور بعض محنت پر تکیہ کرتے ہیں۔ اس نظم میں نہایت ہی عمدہ الفاظ اور طرز ادا میں ان دونوں اصول کا موازنہ اور مقابلہ کر کے فیصلہ دیا گیا ہے۔

(۱۵) **اصولِ سعی** (صفحہ ۹۹) انسان کو عملی زندگی میں حصول مقاصد کے لئے جو طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے اُس کے متعلق اظہار خیالات۔ اس مضمون میں مسئلہ جبر و اختیار پر بھی بحث ہے اور آخر میں خوفِ مرگ کی نسبت اظہار خیال ہے۔

(۱۶) **امدادِ مستحقین** (صفحہ ۱۰۷) اس مختصر لیکچر میں اس امر پر توجہ دلائی ہے کہ غریب سے غریب شخص بھی بقدر اپنی ہمت اور مقدرت کے خیرات کرسکتا ہے۔ مگر جو خیرات دی جائے وہ مستحقین رحم کو دی جائے۔ اس کے آخر میں ایک نہایت پُر معنی اور پُر اثر نظم حمد پر ہے۔

(۱۷) **انعقادِ مجالس** (صفحہ ۱۱۳) یہ لیکچر اصلاح رسوم پر ہے۔

(۱۸) **خیالِ خاص** (صفحہ ۱۱۷) اس مضمون میں مسئلہ جزا و سزا پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے آخر میں جو نظم ہے وہ مرحوم کو خود بہت پسند تھی اور وہ مجالس میں اُس کو بہت شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ اس نظم کے اکثر حصے ایسے ہیں جو نماز کے بعد بطور دعا کے پڑھنے کے قابل ہیں۔

(۱۹) **ہمّتِ مردانہ** (صفحہ ۱۲۵) اس نظم میں ہمت، خودداری، اولوالعزمی، خوش چلنی اور منکوحہ بیبیوں کے ساتھ وفاداری پر نہایت موثر الفاظ میں سبق ہے۔ یہ نظم عام طور پر مقبول ہوئی ہے۔ اسکولوں اور مکتبوں میں بچّوں کو یاد کرائی جاتی ہے۔ یہ نظم اس قابل ہے کہ بائے اسکاٹ (Boy Scout)

کے سلسلے میں بچّوں کو یاد کرائی جائے۔

(۲۰) **آسائشِ حقیقی** (صفحہ ۱۲۹) اس لکچر میں بتایا گیا ہے کہ انسانی ہستی کی علت غائی کیا ہے اور اس سلسلے میں حقوقِ خالق، حقوقِ مخلوق اور حقوقِ نفس کی تفصیل اور توضیح کی ہے۔ عملی زندگی کے لئے یہ مضمون خاص توجہ کے قابل ہے۔

(۲۱) **مفتاحِ تقدیر** (صفحہ ۱۳۵) اس مضمون میں تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہوئے قوّتِ طبعی، ارادی اور عقلی کی نسبت اور مسئلہ جبر و اختیار کی بابت جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ نہایت ہی مفید اور معنی خیز ہے۔ اس کے آخر میں جو نظم ہے وہ بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔

(۲۲) **رازِ نیچر** (صفحہ ۱۵۲) اس لکچر میں بھی ثبوت باری پر بحث ہے۔ نیچر یا لاز آف نیچر (Laws of nature) کو جس طرح علماء طبعیات آخری قوّت قرار دیتے ہیں اُس کی تردید کی گئی ہے۔ آخر میں توحید پر نظم ہے۔

(۲۳) **صدائے دل۔ دوائے پیری** (صفحہ ۱۸۴) یہ مضمون بُڑھاپے کی حالت پر ہے جب کہ تمام اُمنگیں جاتی رہتی ہیں۔ اس میں دکھلایا گیا ہے کہ اس حالت میں بھی انسان بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس کے آخر میں بھی ایک نظم ہے۔ یہ مضمون اُس زمانہ کا ہے جب کہ مرحوم خود ضعیف اور مریض تھے لیکن

باوجود اس کے کارہائے خیر میں کوشاں تھے۔

(۲۴) **گزارشِ احمدی** (صفحہ ۲۱۲) اس رسالہ میں خاص کر نابینا افراد کی حالت زار دکھا کر ان کی بہتری کے لئے گورنمنٹ، والیانِ ریاست اور عام پبلک سے امداد کی اپیل کی ہے اور چند عملی تجاویز پیش کی ہیں۔

جن مضامین کا خلاصہ اوپر دیا گیا ہے ذیل کے صفحات میں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اُردو نظم اور نثر میں توحید اور اخلاق پر اعلیٰ مطالب کو کس خوبی سے اس کتاب میں ادا کیا گیا ہے۔ توحید اور اخلاق پر مرحوم نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اُس کے بااثر ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ خود قائل کے عقیدہ اور عمل کی سچی تصویر ہے۔

آفتاب احمد

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

خداوند جلیل کی حمد اور سرورِ انبیا کی نعت کے بعد احمدی التماس کرتا ہی کہ مختلف وقتوں میں میری زبان سے بزم احباب میں کچھ مضامین و مطالب اصلاح خیالات کے متعلق بیان ہوئے ہیں اکثر اُن میں سے اخبارات اُردو میں شائع بھی ہوئے۔ قدرت نے عام اثر قبول بخشا اب احباب خواہش کرتے ہیں کہ وہ مجموعہ ایک کتاب کے نام سے موسوم ہو کر طبع ہو جائے۔ میں اس امر کی بھی تعمیل کرتا ہوں صبح نور سے موسوم ہو کر یہ مجموعہ طبع ہوتا ہی خداوند پاک جل جلالہٗ سے آرزو ہی کہ اس صبح نور میں تجلیات روزافزوں عنایت فرماوے۔ آمین ثم آمین

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیمِ

دور و تسلسل

حضرات۔ جو صاحب بروز روشن آفتاب منور کے وجود کو تسلیم کرنے کے واسطے دلائل کے خواستگار ہوں اور اپنی آنکھیں مہرِ انور کی پُر نور شعاعوں کے دیکھنے سے بند کرلیں اُن کو کیا سمجھا جائے۔ کیا ہم کو وجود باری عز اسمہ کے سمجھنے میں اگر ہم عقل کی آنکھوں پر پٹی نہ باندھ لیں کوئی بھی تامل و تردد ہو سکتا ہی؟ کیا ہمارا اور تمام مخلوق کا وجود ہمارے خالق کے وجود کی کامل دلیل نہیں ہی؟ کیا یہ قدرتوں کے تماشے جو شبانہ روز ہمارے روبرو ہوتے ہیں کوئی طلسمی کھیل ہیں؟ اور کیا یہ رنگ برنگی صورتیں جو بنتی اور مٹتی ہیں وہمی یا خیالی ہیں؟ نہیں صاحبو! یہ ہمارے اُس حکیم قدیم کے بحرِ قدرت کی موجیں ہیں جو سب سے نرالا اور سب کا پرورش کرنے والا ہے

نشاں کیا کیا دکھائے تو نے یارب بے نشاں ہو کر
تمنّا ہی ترے دریوزہ گر کی تجھکو پہچانے
گلستاں میں گلوں کے کان ہیں آواز پر تیری
ترا جوشِ کرم رفعت اگر دے اہلِ پستی کو
تمنّا ہی سراپا محوِ ذکرِ ذاتِ باری ہوں
تماشوں میں تری قدرت کے آنکھیں محوِ حیرت ہیں
جنھیں طفلی میں صرف بازیِ چوگان گو پایا
تنِ عُریاں کو ملبوسِ عنایت کی تمنّا ہی

عیاں کیا کچھ کیا ہی تو نے اے خالق نہاں ہو کر
ترے در تک پہنچ جائے غبارِ جسمِ جاں ہو کر
ترا ذکرِ خفی کرتا ہے ہر پتّا زباں ہو کر
مہ و خور پر زمیں سایہ فگن ہو آسماں ہو کر
مرا ہر موئے تن سرگرمِ مدحت ہو زباں ہو کر
نرالا رنگ ہی پیشِ نظر گذرا جہاں ہو کر
وہی محوِ خود آرائی نظر آئے جواں ہو کر
لباسِ جسم پھٹ جائیگا اک دن دھجیاں ہو کر

کہاں کا ضبط کیسا تنگ جوشِ یادِ باری میں
دلِ بیتاب پہلو سے نکل بھاگا فغاں ہوکر

زباں کو میری گویا کر الٰہی اپنی مدحت میں
کروں مردہ دلوں کو زندہ دل معجز بیاں ہوکر

ترے آثار قدرت پر کروں دلچسپ تقریریں
جھکاؤں گردنیں پیران منکر کی جواں ہوکر

کمر کستا ہوں تیرے نام پر تو مجھکو ہمت دے
سہارے پر ترے اُٹھتا ہوں تیرا مدح خواں ہوکر

جہاں بھولوں بتا جس جا بہک جاؤں ہدایت کر
جو ہو لغزش تو مجھکو تھام میرا مہرباں ہوکر

بھروسہ پر تری امداد کے بیڑا اُٹھایا ہے
فلک کے بوجھ اُٹھانے پر تُلا ہوں ناتواں ہوکر

ترے در پر جبین احمدی سرگرم سجدہ ہی
تمنا ہی یہیں مٹ جائے خاکِ آستاں ہوکر

اگر عقلی ہی دلائل کی ضرورت ہی تب بھی میں بقدر عقل خود بیان کرنے کو تیار رہوں دیکھو ہم کائنات میں بہت اقسام موجودات کے پاتے ہیں اور اُن موجودات کے حالات عجیب نوع اپنے اپنے طرز پر پاتے ہیں اور موجودات کی تعداد ایسی کثیر ہی کہ ہمارا ذہن پورے طور پر اُن سب کا تصور بھی نہیں کرسکتا یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر نوع کے افراد میں خاص خاص تشخصات ہیں اور پھر باایں ہمہ اختلاف نوع واختلاف تشخص کائنات میں ایک ایسا مناسب انتظام قایم ہی جس کی توصیف میں ہماری زبان قاصر ہی۔ پس ایسی حالت میں ایک ایسی عظیم متصرف قوت باعلم و قدرت کا ماننا لازم ہی جو ان انواع متضادہ کو اپنی حالتوں پر قایم رکھے اور حسب مصلحت اُن میں تصرفات کری اُس قوت کی تعریف یہ بھی ہو کہ جیسا ہماری ابتدائی نسلوں کو یا یوں کہو موجودات کی ابتدائی جنسوں کو اُس سے تعلق رہا ہو اسی طرح ہماری موجودہ نسلوں یا جنسوں کو اور انتہائی نسلوں اور جنسوں کو اُس سے تعلق ہو۔ پس کیا شبہ ہی کہ ہمارے خداوند پاک کو جس طرح ہمارے جدّ اعلیٰ آدم ابوالبشر کے ساتھ پرورش کا تعلق تھا وہی ہمارے ساتھ ہی اور وہی ہماری آیندہ نسلوں کے ساتھ رہیگا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ وہ خداوند جس نے آدم کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا کوئی اور تھا اور اب کوئی اور ہی۔ یا کوئی یہ دعویٰ کرسکتا ہی کہ خدا کوئی

نہ تھا امور کا ین خود بخود ہوتے ہیں بعض نادان لوگ جن کے خیال میں تسلسل درست ہی شاید ان وجوہ کو تسلسل پر درست سمجھکر ذات خدا کی تصرفاف کے منکر ہوں۔ اوّل یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مولود کی پیدایش کے واسطے نر و مادہ کا باہمی اتصال لازمی ہی اگر نر و مادہ باہم اتصال نہ کریں حمل قرار نہ پائے پھر جب کہ ہماری پیدایش کے واسطے ہماری ہی نوع کا اتصال شرط ٹھیری تو ایسی حالت میں خدا کے تصرفات کو تسلیم کرنے کی کیا ضرورت ہی دوم یہ کہ جس طرح ہماری پیدایش کا باعث ہمارے والدین کا باہمی اتصال ہوا اسی طرح ہمارے والدین کی پیدایش کا باعث اُن کے والدین کا اتصال ہوا۔ علیٰ ہذ القیاس اسی طور سے یہ سلسلہ غیر متناہی زمانہ تک اوپر کی طرف چلا جاتا ہی کسی جگہ ٹھہرتا نہیں تو اس صورت میں اس امر کے تسلیم کی کیا حاجت ہی کہ اس سلسلہ کی ابتدا خدا کے ارادہ سے ہوئی۔ قس علیٰ ہذا زمانہ آیندہ کی طرف بھی یہ سلسلہ یوں ہی چلا جاتا ہی اور غیر متناہی زمانہ تک چلا جائیگا۔ پھر کیوں کر تسلیم کریں کہ کسی وقت میں خدا کا ارادہ اس سلسلہ کو بند کر دیگا۔ سوم یہ کہ اس امر کے ثبوت کی ہمارے پاس کیا دلیل ہی کہ خدا کے تصرفات اِن سلسلوں میں موجود ہیں۔ چہارم یہ کہ خدا محسوس نہیں پس ہم کیوں مان لیں کہ وہ ہی۔ میں ایسے صاحبوں کی خدمت میں ایک گذارش کرنا چاہتا ہوں دل لگا کر سُنیں لیکن پیشتر اس سے کہ میں بوجوہات اس سلسلۂ تقریر کا محرک ہوں ایک قاعدۂ کلیہ بطور تمہید کے بیان کرتا ہوں۔ کیا معنی میری تقریر آیندہ کے ہر پہلو پر اس قاعدہ کی ضرورت ہوگی وہ یہ ہی کہ امور عالم میں ہم یہ قاعدہ عام پاتے ہیں کہ جن افعال کا بحسب طبیعت وقوع ہوتا ہی وہ ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں اُن کے یکساں ہونے میں اُسی حالت میں فرق پڑتا ہی جب کوئی متصرف با علم و قدرت اُس میں تصرف کرے۔ مثلاً ہمیشہ ہلکی چیزیں اوپر اور بھاری چیزیں نیچے رہتی ہیں۔ جب کسی بھاری شے کو خلا میں چھوڑیں فوراً مرکز زمین کی طرف گر پڑنا چاہے گی لیکن گرتی ہوئی کو ہاتھ سے یا کسی آلہ سے تھام لیا جائے تب البتہ ٹھہر جائے گی۔ پس بھاری شے کا یہ فعل کہ جب خلا میں سے اُس کو چھوڑیں تب وہ مرکز زمین ہی کی طرف جانا چاہی گی ہمیشہ یکساں رہیگا جب کبھی اس

قوت کے یکساں ہونے میں فرق پڑے گا اُسی وقت سمجھا جائے گا کہ کسی نے تصرف کرکے فعل کے
یکساں ہونے کو باز رکھا۔ اسی طرح آگ کا شعلہ ہمیشہ مخروطی اور صنوبری شکل میں رہتا ہے اگر
کوئی کسی ظرف یا آلہ سے اُس کے اوپر کی باریک لو کو دبائے تب وہ شعلہ اطراف میں پھیلے گا
خود بخود کبھی نہیں پھیلے گا۔ پس جب کبھی ہم آگ کے شعلہ کو اُس کی دائمی حالت کے خلاف پائیں
ہم کو فوراً گمان ہوگا کہ کسی متصرف کا یہ فعل ہے۔ غرض ہماری اس بیان سے یہ ثابت کرنا ہے
کہ جو افعال بحسب طبیعت وقوع میں آتے ہیں عام اس سے کہ وہ افعال حیوانات سے متعلق ہوں یا
نباتات یا جمادات سے یا اجرام فلکی یا عناصر سے وہ ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں اور جب اُن کے
یکساں ہونے میں کمی بیشی پائی جاتی ہے تو عقل حکم لگاتی ہے کہ اُن افعال کے وقوع میں کسی نے
تصرف کیا۔ اب ہم وجہ اوّل کا جواب دیتے ہیں جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ ہر مولود کی پیدایش
کے واسطے نر و مادہ کا باہمی اتصال لازمی ہے اگر نر و مادہ باہم اتصال نہ کریں حمل قرار نہ پاوے
پھر جب کہ ہماری پیدایش کے واسطے ہماری ہی نوع کا اتصال شرط ٹھیری تو ایسی حالت میں
خدا کے تصرفات کے تسلیم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ واضح ہو کہ ہمارے اُس بے مثل و بے نظیر
خداوند نے عالم میں جو امور کاین اور غیر کاین کا تعلق اسباب سے کیا ہے اور دُنیا کو عالم اسباب کہتے
ہیں اور اشیا و اجسام میں خواص خاص رکھے ہیں تو اُس میں اُس کی حکمت بالغہ کا بہت بڑا ثبوت
ملتا ہے یعنی اگر امور کاین اسباب پر منحصر نہ ہوتے تو انتظام تمدن ہم میں کبھی قایم نہ رہ سکتا مثلاً
حمل کے قرار پانے کے لئے ہمارے بنی نوع انسان میں اگر اتصال مرد و عورت لازمی سبب نہ ہوتا
یا جو مدت حمل مقرر ہے یہ مقرر نہ ہوتی تو ہم بڑی غلطی میں پڑتے شوہر دار و غیر شوہر دار اور نیک
نیت و بدنیت عورت میں ہم کبھی تمیز نہ کر سکتے نہ ہمارا انصاف قایم رہ سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس مینہ برسنے
کے لئے ابر ہونا لازمی نہ ہوتا تو کس درجہ ہرج ہر روز ہوا کرتے۔ ہم کو ہر وقت دغدغہ لگا رہتا
کہ شاید اب پانی برس جائے۔ قس علیٰ ہذا اشیا و اجسام میں اگر خواص خاص نہ رکھے جاتے تو ہم
کبھی سنکھیا پر حکم زہر قاتل ہونے کا اور شہد اور دودھ پر حکم غذا ہونے کا نہ لگا سکتے اور ایسی حالت

ہیں جب کہ ہر ایک شے کی نسبت یہ دغدغہ لگا رہتا کہ کب کیا خاصیت ظاہر کرے گی تو کیا ہم چین سے جی سکتے ؟ اس قسم کی بہت سی مثالیں بیان ہو سکتی ہیں پس اُس حکیم قدیر نے جو امور کاین کو اسباب سے تعلق بخشا اور اشیا، و اجسام میں خواص خاص رکھے یہ ہمارے ہی حق میں احسان کیا لیکن اسی کے ساتھ اُس کی قدرتِ کاملہ نے اپنے اظہار جبروت کی غرض سے ان تمام قاعدوں میں خاص خاص تصرّفات بھی کیے۔ شاید اُس بندہ نواز کے ان قاعدوں میں تصرفات کرنے سے یہ حکمت ہو کہ ہم نادانوں کو گمراہی سے بچا دے کیا معنی جب امور کاین کے قاعدے یکساں طور پر چلتے اور اُن میں کمی بیشی کبھی نہ ہوتی تو ہم یہی خیال کرتے کہ یہ امور بہ حسب طبیعت عالم ہوتے ہیں کوئی متصرف نہیں اور ایسی حالت میں ہم گویا انکار اُلوہیت کرتے۔ نعوذ باللہ منہ۔ دیکھو صرف حیوانات میں یا یوں کہو اُس جنس میں جس کو جیتی جان کہتے ہیں توالد تناسل کے کتنے مختلف طریق ہیں اور اُن طریقوں میں خاص خاص تصرفات پائے جاتے ہیں انسانوں اور اکثر حیوانوں کا توالد تناسل نر و مادہ کے اتصال پر مقرر ہے لیکن اُسی اتصال کا نتیجہ کبھی اُمید ہوتا ہے کبھی نا اُمیدی اور اُسی اتصال کا نتیجہ کبھی نر ہوتا ہے کبھی مادہ کبھی تیسری شکل جس کو مخنّث بولتے ہیں اور پھر کوئی مولود ضعیف الخلقت ہوتا ہے کوئی قوی الخلقت کوئی ذکی کوئی نادان۔ کبھی بعض مولود کے اعضا معمول سے کم بعض کے معمول سے زیادہ پائے جاتے ہیں جنس حیوانات میں بعض کے بچّہ پیدا ہوتا ہے بعض کے انڈا۔ حشرات الارض بھی باعتبار جیتی جان ہونے کے حیوانات میں داخل ہیں۔ پس بعض حشرات الارض ایسے ہیں کہ اُن کی ابتدائی خلقت کے لئے نر و مادہ کا اتصال لازمی نہیں اگرچہ بعد میں توالد و تناسل کے واسطے اتصال کیا جائے اور سلسلہ قایم ہو جائے جیسے مکھّیاں یا مینڈکیں یا گجائیاں یا کیچوے فصل گرما شروع ہوتے ہی غیر متناہی مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ برسات میں مینہ برستے ہی ہزارہا مینڈکیں جا بجا پائی جاتی ہیں۔ گجائیاں کیچوے بھی برسات ہی میں پائے جاتے ہیں اور موسم میں نشان نہیں ملتا۔ اس بیان سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ توالد و تناسل کا عالم میں ایک ہی طریقہ نہیں بلکہ مختلف طریقے ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر ایک جیتی جان کے پیدا ہونے کے واسطے نر و مادہ کا اتصال

لازم نہیں۔ اِس ثبوت کے بعد آسانی سے ذہن میں آسکتا ہے کہ ہمارے حقیقی منتظم اور خالق نے اپنی مصلحتوں کے مطابق ہر ایک نوع حیوان کے توالد و تناسل کا طریق مقرر فرمایا۔ اُس کی قدرت ہر ایک نوع کو اُس کے طریق مقررہ سے پیدا کرکے اُسی کے نوع کی حدود مقررہ تک اُس کے افراد کو پہونچا دیتی ہے اور واسطے ثبوت اُلوہیت کے حسب مصلحت اُس میں تصرفات بھی کرتی ہے۔ کوئی مکھی ہاتھی کے برابر نہیں بڑھ سکتی۔ کوئی ہاتھی مکھی کے ہم قد کبھی نہیں ہوسکتا بلکہ مکھی بقدر اپنی نوع کے اور ہاتھی بقدر نوع کے اقطار ثلاثہ میں بڑھے گا اور باوصف بقدر نوع بڑھنے کے دو ہاتھی بھی ایک قد اور ایک صورت کے یا دو آدمی بھی ایک صورت اور ایک آواز کے پائے نہیں جاتے۔ پس اگر افراد نوعی میں بحسب طبیعت عالم افعال ہوتے تو ہر ایک فرد نوعی کا بتمامہ یکساں فعل ہوتا افراد نوعی ہم قد ہم شکل ہم آواز ہوتے۔ نثار ہو جانے کا مقام ہے اُس قادر حقیقی کے انتظام پر جس نے جا بجا ظہور قدرت دکھائے ؎

سمک سے تا سما اقرار ہے تیری خدائی کا
ازل سے تا ابد ہے جوش تیری کبریائی کا

غزل خوانی کا میری ڈھنگ دُنیا سے نرالا ہے
مجھے موقع ہے تیرے در پہ قسمت آزمائی کا

تو آقا ہم ہیں چاکر تو ہی مولا ہم ترے بندے
کرم شیوہ ترا یاں ہاتھ میں کاسہ گدائی کا

برا ہوں یا بھلا تیرا ہوں تیرے در پہ حاضر ہوں
نہ کچھ رندی سے مطلب ہے نہ دعویٰ پارسائی کا

سوا تیرے کہیں ہم کو سہارا مل نہیں سکتا
ہمیں کافی ہے تیرے در پہ رتبہ جبہہ سائی کا

فنا کے رہرووں سے بے حسوں سے عرض مطلب کیا
ترے جویا کو موقعہ جب کہ تجھ تک ہو رسائی کا

سوا تیرے جسے ڈھونڈا وہ گرم عزم رفتن تھا
تمنائے وصالِ غیر میں تھا غم جدائی کا

جو خود مٹ جائے وہ کیا ہو کسی کے درد کا مرہم
کرے محتاج کیوں کر حوصلہ حاجت روائی کا

نہ تو بھولے نہ تو سووے نہ تو اُونگھے نہ جا بدلے
نہ کچھ بھی جوش کم ہوگا وہ تیری کبریائی کا

تجھی کو ہم نہ کیوں ڈھونڈیں تجھی کو ہم نہ کیوں پوجیں
تجھی سے کیوں نہ رکھیں آسرا حاجت روائی کا

ہماری پرورش کرتا تھا تو ہی رحم مادر میں
ہوا خود رہنما پشتِ پدر تک تو رسائی کا

مجھے تختِ عناصر پر تری رحمت نے بٹھلایا رہا آرام حاصل مدّتوں اس چارپائی کا

خداوندا زبانِ احمدی کو وہ طلاقت دے
دلوں میں جوش زن ہو بحرِ یادِ کبریائی کا

اب میں وجہ دوم کا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ہم عالم میں سلسلہ جات کثیرہ پاتے ہیں ہر فرد موجود ایک علیحدہ سلسلہ کا جزو ہے پس اگر ان سلسلہ جات کثیرۂ مختلفہ کا کوئی منتظم نہیں تو لازم آئیگا کہ یہ سلسلہ جات کثیرہ ازلی ابدی ہوں حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے سلسلوں کو ٹوٹتے دیکھتے ہیں کیا معنی جس فردِ واحد کا سلسلہ اُس کی ذات خاص تک محدود رہا آگے نہ چلا اُس کے فنا ہوجانے پر وہ سلسلہ قطعی ٹوٹا۔ دیکھو جو آدمی لاولد مرا یا ناکتخدا مرا یا کوئی حیوان اسی حالت میں مرا کہ ہنوز اُس کو مادہ سے اتصال کی نوبت نہ پہونچی تھی یا کوئی درخت خشک ہوگیا ان سب کا سلسلہ آیندہ کے لیے ختم ہوگیا اور اس ختم ہوجانے کی وجہ سے ازلی ابدی ہونا اُس کا باطل قرار پاچکا کیا معنی منتہی وہی شئے ہوگی جس کی ابتدا ہوئی ہو اور جس شے کی ابتدا ہوئی ہو وہ ازلی ابدی نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ سلسلوں میں کوئی ترتیب اور قاعدہ نہیں کبھی ایک سلسلہ سے کئی سلسلے شروع ہوجاتے ہیں کبھی ایک سے ایک ہی قایم رہتا ہے کبھی ایک بھی قایم نہیں رہتا۔ پس اگر کوئی متصرف قوت موجود نہ ہوتی اور انتظام سلسلوں کا بہ حسب طبیعت عالم یا سلسلوں کے قاعدہ مقررہ سے ہوتا تو یکساں ہوتا اُس میں کمی بیشی نہ ہوتی۔ یہ امر بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ جس طرح برساتی حشرات الارض کے سلسلے اوپر کی طرف زیادہ دور نہیں چلتے اسی طرح برساتی نباتات کے سلسلے بھی اوپر کی طرف دُور تک نہیں چلتے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر چند سال بارش نہ ہو تو قوی نباتات کے سلسلے بھی ٹوٹ جائیں۔ حیوانات کے سلسلوں میں بھی انقلابِ عظیم واقع ہوجائے۔ خشک سالی کے ایام میں لاکھوں سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر کیا خاک استحکام ایسے سلسلوں کو ہے جن کا ہونا نہ ہونا صرف پانی پر منحصر ہے۔ سلسلوں کی قدامت کا اندازہ اسی دلیل سے کافی طور پر ہوسکتا ہے اگر ہم ان صاف اور روشن دلائل کے ہوتے ہوئے عقل کی

آنکھیں بند کریں اور خواہ مخواہ یہی خیال کریں کہ تسلسل درست ہی تب بھی یہ روشن دلیل ایسے
خیال کی بنیاد قایم نہ ہونے دے گی کہ نباتات اور حیوانات اور جمادات زمینی کے سلسلے اگر زیادہ
سے زیادہ دُور لیجانا چاہیں تو عناصر تک پہونچکر پھر آگے نہیں بڑھتے۔ کیوں کہ ان موالید ثلاثہ کی
ترکیب جسمی میں عناصر داخل ہیں پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ ہماری یا ہمارے سلسلہ کی فرد اوّل کی
ترکیب جسمی عناصر سے ہوئی تو عناصر کی ترکیب اور عناصر سے ہوئی ہوگی۔ کیا یہ ہوا کسی دوسری
ہوا سے پیدا ہوئی ہ یا یہ پانی کسی دوسرے پانی سے۔ اگر نہیں تو کیا تسلسل کا قدیم ہونا تسلیم ہو سکتا
ہی نہیں ہرگز نہیں۔ وجوہات بالا سے میرے خیال میں تسلسل کا بطلان تو ہو چکا لیکن اس موقع پر
ایک شبہ رفع کرنا ضرور ہی وہ یہ ہے کہ مبادا کسی شخص کا خیال یہ تقریریں کر تسلسل کی طرف سے ہٹے
تو عناصر کی طرف اُسی خوش اعتقادی کے ساتھ مائل ہو جاوے اور یہ سمجھنے لگے کہ کائنات میں سب کچھ
عناصر سے یا اُس کی ترکیب باہمی سے ہوتا ہی خدا کوئی شے نہیں واضح ہو عناصر میں کوئی
عنصر علیم بالذّات نہیں متحرک بالارادہ بھی نہیں پانی کو ہزار برس کسی نشیب میں رکھیے جب تک
اور زیادہ نشیب نہ پاوے گا بجائے خود قایم رہیگا۔ ہوا کو جب تک حرکت نہ دی جاوے ممکن
نہیں کہ متحرک ہو یہی آگ کی حقیقت ہی اُس کا مشتعل ہونا ہمیشہ رگڑ اور تحریک کے ساتھ وابستہ
ہی۔ خاک خود ایک ٹھوس اور بے حس عنصر ہی پس جب کہ یہ حال ہی تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جو شے
علیم بالذات اور متحرک بالارادہ نہ ہو وہ منتظم نہیں ہو سکتی منتظم تو ہمارا وہ خداوند ہی جو ازلی
ابدی علیم و قدیر ہی ہر ایک سلسلہ کی ابتدا محض اُس کے ارادہ سے ہوتی ہی اور ہر سلسلہ کا قیام
اُس کے ارادہ تک رہتا ہی اُسی کے ارادہ سے ہر سلسلہ ختم ہو جاتا ہی جس کو چاہی قایم کرے
جسے چاہی مٹائے۔ اُس کو اپنے ارادہ کے جاری کرنے میں کسی کی مدد اور مشورہ کی ضرورت نہیں
وہ کسی کا سہارا نہیں چاہتا سب اُسی کی عنایت کے سہارے پر ہیں اشیا میں خواص بخشتا ہی
کبھی زائل کر دیتا ہی محض اپنے ارادہ سے جو چاہی کرتا ہے۔

شاید کسی کو یہ خدشہ پیدا ہو کہ یہ بیان صرف اُس موجودات کی بابت کیا گیا جو ہماری

اِس زمین پر پائی جاتی ہی عالم میں غیر متناہی کواکب وکرات موجود ہیں اُن کی نسبت کچھ بیان نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ ستاروں کی رفتار اور حرکات خاص خاص ہیں اُن کے مداروں میں بھی تفاوت ہی۔ پس ہر ایک سیارہ اپنے مدار پر اپنی ہی رفتار سے حرکت کرتا ہی۔ پس کوئی منظم چاہیئے جس نے کواکب کی مختلف رفتاروں سے باوصف اختلاف مدارات کائنات کا ایسا بے نظیر انتظام قایم کیا۔ **وجہ سوم** کی بابت بیان کرنے کی ضرورت اِس وجہ سے باقی نہیں رہی کہ عبارت مصرحۂ بالا سے خداوند پاک کے تصرّفات کا کافی ثبوت ملتا ہی۔ اب ہم **وجہ چہارم** کا جواب دیتے ہیں جس میں یہ بیان ہوا کہ خدا محسوس نہیں پھر ہم کیوں مان لیں کہ وہ ہی وہ ہی واضع ہو کہ وہ ہمارا بے مثل و بے نظیر خداوند تو بجائے خود ہی اُس کی مخلوق میں ایسی اشیاء موجود ہیں جن کا ہونا صرف اُن کے افعال سے ثابت ہو سکتا ہی اور بجز افعال کے اور کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ بااین ہمہ اُن کے ہونے میں کسی کو شبہ باقی نہیں۔ دیکھو عقل وہ شے ہے جس کے ہونے کا ہر فرد بشر مقر ہی۔ معمولی گفتگو میں روزانہ ایسے الفاظ کا استعمال ہوتا ہی کہ فلاں شخص عاقل ہی اور فلاں شخص بے عقل ہی۔ پس ایسے صاحبوں سے اگر سوال کیا جائے کہ عقل کا وجود کیوں کر دریافت ہوا کیا معنی عقل محسوس نہیں ہی تو بے تامل یہی جواب ملے گا کہ فی الحقیقت عقل محسوس نہیں لیکن اُس کے افعال سے دریافت ہوا کہ وہ ہی کیا معنی جس شخص نے خردمندانہ کام سوچ سمجھکر کیے سمجھا گیا کہ وہ شخص عاقل ہی جس نے بے پروائی سے نادانوں کی طرح وقت ضائع کیے وہ نادان مشہور ہوا۔ پس جب کہ عقل کی یہ حقیقت ہی کہ وہ محسوس بحواس نہیں لیکن اُس کے افعال سے اُس کے ہونے کا علم قطعی ہوا۔ پھر اُس خداوند مقدّس کے کاموں کو دیکھکر اُس کی ذات پاک کے موجود ہونے میں کیا شبہ باقی رہ سکتا ہی۔ وہ وہ ہی جس نے چاند اور سُورج کو نور بخشا جو وقت پر دن اور رات کرتا ہی۔ اُس کی قدرت اندھیروں میں روشنی اور روشنی میں تاریکی پیدا کرتی ہی۔ وہ وہ ہی جس نے بجلی میں یہ تیزی اور تڑپ رکھی ہی۔ بادلوں سے پانی برساتا ہی۔ وہ ایسا خداوند ہی جو دریائی مخلوق کو پانی میں زمین پر پھرنے

والوں کو سطح زمین پر روزی دیتا ہی۔ وہ ایسا بے مثل صانع ہی جس نے آنکھ کے تل میں پہاڑ
اور زمین و آسمان کا عکس سمایا۔ وہ وہ ہی جس نے آنکھ کو بصارت کان کو سماعت عطا کی۔ وہ
وہ ہی جس نے ٹھوس اور چھوٹے بیج سے عظیم الشان درخت پیدا کئے۔ مقناطیس کو لوہے سے کاہ کو
کاہ ربا سے کافور کو فلفل سیاہ سے ربط بخشا۔ وہ وہ ہی جس نے بے انتہا کواکب سے آسمان کو زینت
دی جس نے چیونٹی اور مچھر کے دماغ میں بھی بطون رکھّے اور اُس میں شعور پیدا کیا۔ وہ وہ ہی جس کی
کائنات کی انتہا کبھی نہیں آسکتی۔ وہ وہ ہی جو غلّہ جات میں غذائیت اور پھلوں میں ذائقہ پیدا کرتا
ہی وہی تو وہ خداوند ہے جو فرورفتگان حضیض ذلّت کو اوج رفعت پر پہونچا دیتا ہی۔ وہی تو وہ
بے نیاز پروردگار ہی جس کی بارگاہ عالی میں ایک پشّہ ناچیز اور رہبر برآرا یان ہفت اقلیم برابر ہیں
سیپ میں موتی کان میں چاندی سونا دماغوں میں عقل دلوں میں جوش سینوں میں اُمنگیں وہی تو
پیدا کرتا ہی وہی تو ہمارے چھپے کھُلے رازوں پر مطلع ہی خلیل کو آگ سے یوسف کو کنویں سے
یونس کو بطن ماہی سے اُسی نے تو سلامت نکالا۔ مرض کی حالت میں ایوب کا اور فراق یوسف
میں یعقوب کا وہی تو ساتھی تھا۔ اُسی کے شیون قدرت کی موجیں فضائے امکان میں نہیں سماسکتیں
شاید کسی صاحب کو اس محل پر خوش اعتقادی سے یہ خیال پیدا ہو کہ عقل ہی عین ذات باری ہی۔ تو
میں اپنے خیال کے مطابق یہ جواب دینا چاہتا ہوں کہ عقل عین ذات باری نہیں ہی بلکہ مخلوق ہی
اوّل اس وجہ سے کہ کمی وبیشی مراتب عقل کو عام دماغ انسانی سے ایک علاقہ ہی۔ کسی دماغ میں زیادہ
کسی میں کم نیز عقل کبھی قوائے باطنی کی مغلوب ہو جاتی ہی۔ کبھی اُن پر غالب آجاتی ہی۔ کبھی عقل کو
تشویشیں عارض ہوتی ہیں کبھی اطمینان۔ دوم اس وجہ سے کہ زمانۂ بلوغ وبقائے قوّت میں افعال
عقل پُر قوّت ہوتے ہیں اور دوسرے وقتوں میں کمزور ہوتے ہیں۔ پس جب کہ عقل میں کمی اور بیشی کو
دخل ہی اور اُس کی حالتوں میں تغیرات واقع ہوتے ہیں تو وہ عین ذات باری تسلیم نہیں کی جاسکتی
ذات باری جلّ جلالہٗ میں کمی بیشی کو دخل نہیں اُس کی ذات مُقدّس کو کبھی تشویشات عارض نہیں ہوسکتیں
وہ پاک ذات حالتوں کی بتبع نہیں۔ عقل اُس کی مخلوق ہی اور وہ خالق ہے۔ وہ ہر ایک کام اپنے

ارادہ اور اپنی مصلحت سے کرتا ہی۔ کوئی اُس کا مقابل نہیں۔ وہ ابدی یگانہ سب سے نرالا ہے وحوش وطیور چرند و پرند ہوا پر اُڑنے والا ہو یا زمین پر پھرنے والا پاؤں سے چلتا ہو یا پیٹ سے سب کے سب اُسی کے خوان نعمت کے مہمان ہیں۔ سب کو روزی دیتا ہی۔ سب کو وقت پر پیدا کرتا ہی اور مارتا ہی۔ ہم سب اُسی کے سایۂ عاطفت میں ہیں۔ وہی ہم کو ابداً کافی ہی ؎

تو ہی اجسام کا خالق مُربّی تو ہے جانوں کا
ترے خوانِ کرم پر جمگھٹا ہے میہمانوں کا

ترا ہی لطف بڈھوں کو عصائے وقت پیری ہی
تری امداد سے پرجوش سینہ نوجوانوں کا

تری ہی دُھن میں ناقوسِ برہمن گرم نالہ ہی
تری ہی یاد میں ہی مسجدوں میں غل اذانوں کا

زمیں ہو جائے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے گر نہ تو تھامے
ترا ہی لطف پشتہ بن رہا ہے آسمانوں کا

ارادہ تک ترے قایم ہی ہر اک سلسلہ ورنہ
مدبر جسم کا پھر کون حافظ کون جانوں کا

ترے گلزار میں دخلِ خزاں ہرگز نہیں ممکن
نہ ہوگا رنگ پھیکا گاہ تیرے بوستانوں کا

سہارے پر تری امداد کے ہم سب توانا ہیں
وگرنہ سانس لینا ہو گراں ہم ناتوانوں کا

رہی دل میں تری لَو نورِ ایماں اس کو کہتے ہیں
کریں تیری ثنا یہ کام ہے گویا زبانوں کا

خداوندِ دوعالم کی حضوری ہم کو حاصل ہے
دماغ اے **احمدی** کیوں کر ملے ہم مدح خوانوں کا

صدقِ نیّت

حاضرین۔ ہم کو اپنے نہایت برتر و اعلیٰ خداوند کی حصول رضامندی کے واسطے سب سے
زیادہ خلوص ارادت اور صدق نیت کی ضرورت ہی ہم اپنی ہی کج فہمیوں کی بدولت زید و عمرو پر
آرزومندانہ نگاہیں ڈالتے ہیں اگر ہم دانشمندانہ غور کریں تو سمجھ لیں کہ شفیق ذات باری نے ہم کو
صرف اپنا ہی محتاج رکھا ہی ہمارے لئے خوان نعمت یہ وسیع اور فائدہ بخش زمین ہے کیسے کیسے
لذیذ پھل اور غلہ جات اس سے ہم کو ملتے ہیں ابر ہمارے لئے معینہ اوقات پر آب پاشی کی
خدمت ادا کرتا ہی ہمارے ہاتھ پاؤں میں قوت دی کہ ہم اپنی حاصل کی ہوئی یا ترکیب دی
ہوئی اشیا کو اطراف زمیں میں پھر چل کر اپنے ہمجنسوں سے ضروری اشیا کا تبادلہ کریں جس کو
اصطلاح میں بیوپار یا تجارت کہتے ہیں ہمیں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے اور اپنے متعلقین کے
واسطے ضروری اشیا حاصل کرنے کی غرض سے قوت جسمانی یا دماغی کا تبادلہ کرتے ہیں بہرحال جن
چیزوں کا تبادلہ کرتے ہیں یا جن کی عوض میں قوت کا تبادلہ کرتے ہیں یہ سب اشیا عطا کی ہوئی
اُسی خداوند پاک کی ہیں پھر ایسے خداوند کے احسانات جس نے ہمارے لئے اتنے بڑے بڑے
اہتمام کئے کیا ہم کو بھولنا چاہیے کیسی غفلت ہی کہ ہم اپنے ہمجنس آدمیوں کے ساتھ بدمعاملگی
کرنے یا منافقانہ ملنے سے تو دل میں اندیشہ مند رہیں یہی خوف لگا رہی کہ مبادا ہمارا حال اُس پر
ظاہر ہو جائے تو بدلا لینے پر مستعد ہو جائے باوصف اس بات کے کہ ہم جانتے ہیں کہ آدمی
چھپے بھید پر مطلع نہیں ہمارے دل کی بات وہ معلوم نہیں کرسکتا وہ بیمار ہوسکتا ہی بھول سکتا
ہی قید ہوسکتا ہی سفر کرسکتا ہی مرسکتا ہے جس ضعیف الخلقت کو اتنے عوارض لاحق ہوسکتے
ہوں اُس سے تو ہم ڈریں اور مارے ڈر کے سچے معاملات رکھنے پر مجبور ہوں اور اُس سے
خوف نہ کریں اور اُس کی رضامندی غیر رضامندی کی پروا نہ کریں جس کے غصہ سے زمینیں
تھرا اُٹھیں آسمان کانپ اُٹھیں ملایک الامان پکاریں کائنات میں زلزلہ پڑجائے جو ہمیشہ سے

ہی اور ہمیشہ رہیگا جس کے محض ارادہ کرنے سے لاکھوں نئی زمینیں کروڑوں نئے آسمان پیدا ہو جاویں
جس کے سہل اشارہ سے تمام کائنات ایسی مٹ جائے گویا کبھی نشان ہی نہ تھا اگر کچھ بھی سمجھ بوجھ
ہی تو سب سے زیادہ اُسی کا احسان مانو سب سے زیادہ اُسی سے ڈرو یہ مت سمجھو کہ وہ کہاں موجود ہے
جو اس کا دھیان کریں یا یہ کہ وہ آسمانوں پر ہوگا یا کہ ہم کو اس زندگی میں تو انھیں آدمیوں سے
کام پڑتا ہی خدا سے کبھی مرنے کے بعد پڑے تو پڑے -

صاحبو سوچو تو سورج روز صبح کو نکلتا ہی شام کو چھپ جاتا ہی کبھی دن ہوتا ہی کبھی رات
یہ کون کرتا ہی کیا آپ ہی آپ ہوتا ہے نہیں یہ اُس پیارے مالک کے حکم سے ہوتا ہی جو سب سے
اور ہمارے پاس ہی سب کاموں کو دیکھتا ہی جو چاہتا ہے کرتا ہی وہی ہمارا سچا اور پکا ساتھی ہی
دیکھو ماں کے پیٹ میں اُسی نے ہماری حفاظت کی پیدا کیا پڑھایا سمجھ بوجھ دی ہماری جنس کو
نر اور مادہ پیدا کیا تاکہ جب ہم اُمنگوں پر آویں جائز طور سے جوڑا ڈھونڈ لیں پھر کیا کوئی
کہہ سکتا ہی کہ ہمارے پیارے مالک کے سوا یہ کسی اور کا کام ہی - غور کرو اُس کو ہماری کیا پروا
ہی کیا وہ کچھ گھٹا ہوا ہے جو ہماری کسی کوشش سے بڑھ سکے یا اس کو کوئی حاجت ہی جس میں ہمارا
سہارا درکار ہو - نہیں بلکہ جو کام اُس نے اپنی مرضی کے قرار دیئے ہیں وہ بھی خاص ہماری فائدوں
پر مشتمل ہیں دیکھو اُس کی مرضی ہی کہ جھوٹ نہ بولیں جھوٹے معاملات نہ کریں ہر ایک انسان کی
جو درحقیقت ہمارا بھائی ہی بھلائی چاہیں اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق کو نہ چھوئیں
کسی کو بُرائی نہ پہونچائیں جھگڑے نہ خریدیں شرارتیں نہ کریں غور کرو اُس کے کس قدر احسان ہیں
ان کاموں کی احتیاط ہمارے حق میں کس درجہ مفید ہی طرہ اُس پر یہ کہ ان کاموں سے ہمارے
معاملات بھی ٹھیک ٹھیک چلتے ہیں اور ہمارا خداوند بھی ہم سے راضی ہوتا ہی جس کی رضامندی
کے پھل ہم کو آیندہ ضرور ملنے والے ہیں -

حضرات ہم نے یہ عادتاً مان لیا ہی کہ اپنی پرورش یا اپنے متعلقین کی پرورش ہم کرتے
ہیں پرورش کا لفظ زبان پر آتے ہی کھانے پینے یا پہننے کی چیزوں سے مراد لینا دل میں پڑتا ہی

مگر کھانے پینے یا پہننے کی چیز ایک بھی ایسی ہی جو ہم نے پیدا کی ہو جب کہ نہیں تو کیا جستجو اور ترکیب اشیا پر گھمنڈ کیا جاتا ہی جستجو کے واسطے قوت اور ترکیب دینے کے لئے سمجھ بھی تو اُسی نے دی ہی سوچو تو مخلوق جس کو تمہاری سی قوت حاصل نہیں یا تم سی سمجھ نہیں کیا دنیا کے سطح سے مٹ گئے کیا ہوا کے پرندوں کو تمہارے لباسوں کی ضرورت ہی یا دریا کی مچھلیاں بن رضائی گدہ کے بے چین ہیں یا جنگل کے وحشی کبھی تم سے بھیک مانگنے آتے ہیں بیان تو کرو ان کی نسلیں کیوں نہیں مٹ جاتیں کیوں نہیں فنا ہو جاتیں ان میں تو کوئی بھی تم سی سمجھ نہیں رکھتا کوئی ذخیرہ نہیں رکھتا کوئی نقب نہیں لگاتا رشوت نہیں لیتا بھیک نہیں مانگتا کھیتی یا بیوپار نہیں کرتا پھر کیوں کر زندہ رہتے ہیں کیا تم اُن کی چارہ گری کرتے ہو اُن کے ساتھ وہ پرورش کرنے والا ہی جس کی بدولت وہ آزادانہ زندگی گذارتے ہیں تمہارے ساتھ بھی وہی پرورش کرنے والا ہی پھر تم دھیان کیوں نہیں کرتے اور کیوں اُس پر سچا بھروسا نہیں کرتے کیوں فریب اور جھوٹ کو اپنے بھائیوں کے حق میں استعمال کرتے ہو کیا ہزاروں برس جینے کی اُمیدیں کرتے ہو اگر بالفرض تم ہزاروں برس زندہ رہو تو کیا ہمارا پرورش کرنے والا خداوند ہماری پرورش سے ہاتھ کھینچ لے گا اُس نے ہم کو حیوانات سے ممتاز کیا عقل و تمیز دی تاکہ ہم اپنے معاملات عمدہ اور درست چلادیں اور اُس کا احسان مانیں جس نے ہم کو عقل و تمیز دے کر حیوانات سے امتیاز بخشا جس نے ہماری زبان میں گویائی کی طاقت دی ہم کو ایسی قوت دماغی دی جس کے ذریعہ سے ہم قدرتی چیزوں میں وہ تصرفات عقلی کریں کہ ہماری اور ابنائے جنس کی ضرورتیں روا ہوں پھر ہم اپنی جسمانی اور دماغی قوتوں کو نامناسب موقعوں پر کیوں صرف کریں ہم ان بے بہا موتیوں کا کوڑیوں سے کیوں تبادلہ کریں ہم ان درخشندہ موتیوں سے وہ دکان کیوں نہ لگا دیں جس پر خریداروں کا ہجوم ہو جائے اور ہم مالامال ہو جائیں جس قدر مدت کوئی فریب کی تدبیر سوچکر کسی کو دھوکا دینے کی فکر میں رہیں اُسی قدر مدت کسی اچھے کام میں کیوں نہ محنت کریں جس سے ہم کو نیک روزی ملے اور ہمارا پیارا مالک ہم سے خوش ہو صبح و دیر کوئی حسد کا خیال ہمارے دل میں رہا اور ہماری روح کو بے چین رکھے اتنی دیر

ہم اُس پکّے ساتھی کا دھیان کیوں نہ کریں جو ہر وقت ہمارے آڑے آتا ہی ہائے ہم نادانوں کی خام خیالی اگر ہم اپنے دل کی لَو برائے نام بھی اُس پیارے مالک کی طرف لگا دیں اور ہر ایک کام کے شروع میں یہ غور کرتے رہیں کہ یہ کام اُس کی مرضی کا ہی یا نہیں تو پھر کوئی شک نہیں کہ ہمارے کاموں میں ایسی بے انتہا برکتیں پائی جاویں کہ پھر ہم کو کسی مکر و فریب کی ضرورت نہ ہو سچّا بھروسا کر تو دیکھو سچّے برتاو برت تو دیکھو ٥

ہمیں توفیق دے یارب چلیں ہم راہ مولےٰ پر — ہماری زندگی گذرے رضائے حق تعالےٰ پر

کریں دنیا کے دھندے دل میں جوشِ یاد باری ہو — جبیں بابِ خدا پر پشت پا ہو فرقِ دنیا پر

تری مدحت کا دعویٰ ہم سے کیا ہو ہم ہیں کس لایق — ملایک کرتے ہیں توصیف تیری چرخِ مینا پر

لسانِ حال سے ہر برگ کرتا ہی ثنا تیری — تری تسبیح جاری ہے زبانِ موجِ دریا پر

شیونِ قدرتِ خالق کے نظّارہ سے حیرت ہی — ہجومِ جوش ہی پیہم مرے طبعِ مصفّا پر

فضائے کون میں مہرِ درخشاں ایک ذرّہ ہی — پھرے اُڑتا جھپک دے گر تری قدرت کا عنقا پر

دلوں کو پاک کر یارب خیالاتِ پریشاں سے — بہت چھائی ہی تاریکی قلوبِ اہلِ دنیا پر

پھریں کس واسطے بے سود پیچھے ناتوانوں کے — جگہہ ہو جب کہ مل سکتی ہمیں بابِ توانا پر

وہ خالق جو کہ ہی بے شبہ بیشک دائم و قایم — وہی حاکم زمینوں پر وہی عرشِ معلیٰ پر

کلیمِ طور کو رتبہ دیا قربت کا خود اُس نے — اُسی نے رکھدیا تاجِ نبوت فرقِ عیسےٰ پر

اُسی نے زیست کا پھونکا ہی دم نتھنوں میں آدم کے — نعیمِ خلد کی جائز اسی خالق نے حوّا پر

اُسی کے آستانہ پر ہمیں لازم ہی سر رکھیں — کھلا ہی اُس کا بابِ رحم ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر

الٰہی تشنہ لب ہیں ہم ہمارا خضرِ رہ ہو کر — کرم سے تو ہی پہونچا دے ہمیں رحمت کے دریا پر

ترے در پر ترا دریوزہ گر ہے احمدی حاضر — کھڑا ہے ناتواں امیدِ امدادِ توانا پر

خوابِ احمدی

تحیّر خیز ہے افسانہ میرے خوابِ شیریں کا — پلک جھپکی مری شب فرشِ راحت پر تو کیا دیکھا

مسرّت بخش عالیشان اک ایوان ہے زیبا — لگا ہی پیش در بازارِ نعمت ہائے الواں کا

شہنشاہانہ بارِ عام کا ہر سمت ہی چرچا
مقدس صورتیں پھرتی ہیں کرتی اہتمام اُس کا

تعجب تھا یہ کس کے ٹھاٹ ہیں کیوں ہیں یہاں کیا ہی — یہ سب جس کے ملازم ہیں کہاں وہ کارفرما ہی

کوئی بانی ہی اس کا یا طلسمِ حیرت افزا ہی — اُبلی پڑتی ہے خلقت دمبدم کس کی تمنّا ہی

کہا اِک سادہ دل نے فکر و حیرانی سے باز آؤ
کوئی بانی نہیں ہی پرسشِ بانی سے باز آؤ

مہیّا خود بخود سامان ہوتے رہتے ہیں ہردم — جو ہوتا کوئی بانی دیکھتے اُس کو کبھی تو ہم

یہ باتیں ناگوارِ طبع تھیں میرے لئے پیہم — ابھی کرنے نہ پایا تھا میں استدلال کیف و کم

کہ اِک معجز بیاں مردِ سہی بالا فرشتہ خو
خراماں آکے یوں بولا کہ لاغفّار اِلّاہو

کہا اُس سادہ دل سے بندکج فہمی کا کر دفتر — نظر آنا ہر اک موجود شے کا شرط ہو کیوں کر

کبھی آنکھوں سے تونے عقل بھی دیکھی ہی اے مضطر — کہیں قوّت بھی دیکھی ہے مجسّم اندر او رباہر

یہ ہیں لیکن نظر آتے نہیں کیسا اچنبھا ہی
مگر کیا ان کے ہونے میں ذرا بھی تجھکو شبہا ہی

جب ان اشیا کو حاصل اس قدر عمدہ لطافت ہو — روائے حاجتِ اہلِ جہاں میں دخل و قدرت ہو

زبانوں پر ہوں چرچے محفلوں میں فکر عظمت ہو — رہیں آنکھوں سے پنہاں پر عیاں عالم میں شہرت ہو

پھر اُس بانی کے تو ہونے سے منکر ہو خطا پر ہے
ترے سر کی قسم ناداں ہی جھوٹے ادعا پر ہے

تری آنکھوں میں شاید نیند ہی سوتے سے اُٹھا ہی
تو متوالا نہیں آنکھوں میں تیری نشہ کیسا ہی
کھلی آنکھوں یہ سب کچھ دیکھتا ہے پھر بہکتا ہی
مرے ہمراہ ہو دکھلا دوں تجھ کو جو تمنا ہی

یہی مقصود اصلی ہی ہر اک کا یاں کے آنے سے
مبادا خالی پھر جائے تو ایسے آستانے سے

لیا ساتھ اُس کو اور چشم عنایت سے مجھے دیکھا
مرے ہمراہ چل پہونچاؤں تجھ کو تا در والا
محبت سے کہا اِس رات تو ہی میہماں یاں کا
گئے ہمراہ ہم دونوں تو پہونچا کر یہ فرمایا

ٹھکانا مل گیا اچھا اُٹھاؤ آنکھ لو دیکھو
ادب سے ٹکٹکی باندھو بفرطِ شوق وہ دیکھو

کھلا ہی باب عالی اہلِ حاجت بار پاتے ہیں
ملایک مہتمم ہیں اپنی سرگرمی جتاتے ہیں
مودب سجدہ کرتے سر کے بل مشتاق آتے ہیں
فلک کا شامیانہ بہر آرایش سجاتے ہیں

تقاضا ہی کہیں فرشِ زمیں میں شل نہ رہ جائے
فلک کا ست پہ خیمہ ہے دیکھو بل نہ رہ جائے

سلیقہ سے صبا جاروبی کی خدمت بجا لائے
قضا اسباب کی ڈوریں ہر اک سو ٹھیک کھچوائے
قرینہ سے پہاڑوں کی قدر گل میخیں گڑوائے
اشارہ ہوتے ہی سقائے باراں مشکیں بھر لائے

جہاں جیسی ضرورت ہو کری چھڑکاؤ تھم تھم کر
کہیں ہلکا سا چھینٹا دے برس جائے کہیں جم کر

قناتیں شش جہت کی ہوں نصب ہموار ہر اک سو
ہو اوّل در میں اک سو علم اِک سو جھل کا بازو
رہیں کونین کے در اُس میں عالیشان دو پہلو
درِ ثانی پہ ہو منقوش لا غفار الّا ہو

لگائیں صحن میں اک سمت پائیں باغ دنیا کا
گیا ہو جس کی اک کھڑکی سے رستہ شہر عقبیٰ کا

درون خیمہ قندیلیں ستاروں کی منور ہوں
زبہر بادکش رانی ہوائیں کھولے شہپر ہوں
مہ و خور کی دو طرفہ لال ٹینیں نور گستر ہوں
چراغ افروزی کو آتش کے مشعلچی مقرر ہوں

قدم کے طاقچوں پر چلمنیں لٹکائیں امکاں کی
کہ ہر اک سمت سے آئیں صدائیں انت سبحاں کی

عنایت ہوتے ہیں جانوں کو موزوں جسم کی خلعت
تمنائیں لیے جاتے ہیں جاہ و حشمت و شوکت
تہی دستوں کی بن آئی ہوا ہے داور دولت
خزانہ لٹ رہا ہے پر بقدر دامن ہمت

ہجوم بندگاں ہے دھوم ہے معبود کے در پر
فدایان الٰہی آؤ باب رب اکبر پر

ادب اے دیدۂ بینا یہ باب کبریائی ہے
لحاظ اے گوش شنوا موقع یزداں ستائی ہے
فراق اے خود پسندی جوش شوق جبہہ سائی ہے
الگ رہ فکر دنیا ہم ہیں اور مدحت سرائی ہے

کہو تشویش دل سے اپنا بدھنا بوریا باندھے
حسد کمبل اٹھائے اور تعصب بسترا باندھے

یہ وہ در ہے جہاں کی انبیا نے جبہہ فرسائی
اسی در پر ملایک کرتے رہتے ہیں جبیں سائی
یہ وہ در ہے جہاں پاتے ہیں سائل چتر دارائی
یہیں ہوتی ہے اصلاح خیالات من و مائی

یہیں پر روشنان چرخ کسب نور کرتے ہیں
اسی در کی گدائی قیصر و فغفور کرتے ہیں

یہی ہے وہ در دولت ازل سے جس کی عظمت ہے
کسی غرفہ سے اس در کی نمایاں شان وحدت ہے
یہی وہ باب عالی ہے ابد تک جس کی رفعت ہے
برافگندہ نقاب اک سمت کو لیلائے کثرت ہے

اسی در پر کلیم اللہ مشتاقِ تجلّی تھا
اسی در پر خلیل اللہ جویائے تسلّی تھا

ملی آدم کو سیرِ گلشنِ جنت اسی در سے
فلاطون و ارسطو کو فنِ حکمت اسی در سے

سلیماں کے نگیں کو شہرت و برکت اسی در سے
سکندر ہو کہ دارا سب کو ہی شوکت اسی در سے

یہیں کرتے ہیں مشتاقوں کے دل ادراک عرفاں کا
چمک جاتا ہی جانبازوں کے رُخ پر نورِ ایماں کا

اسی در پر کیا کرتے ہیں صوفی سبحہ گردانی
یہیں کھلتی ہی آکر سرگذشتِ باقی و فانی

دلِ عشاق ہو جاتا ہی فرطِ شوق سے پانی
اسی جا ہوتی ہی طے بحث آغازی و پایانی

یہیں کے معتکف مستی میں شرحِ راز کرتے ہیں
بیانِ کنت کنزاً مخفیاً آغاز کرتے ہیں

نبی ہوں یا ولی ذلہ ربا ہیں سب اسی در کے
ہوں حاجت مند یا حاجت روا ہیں سب اسی در کے

ذکی ہوں یا کہ شیدا ہوں گدا ہیں سب اسی در کے
یہی مرجع ہی ہم سب کا فدا ہیں سب اسی در کے

اسی در کی بدولت دعوئ مشکل کشائی ہے
اسی در کی بدولت منصبِ حاجت روائی ہی

اسی منبع سے موجیں اُٹھ کے بہنے لگتے ہیں دریا
ازل کیا سو ازل پہلے ہی جوش اس میں قائم تھا

سمندر موج زن بن بن کے مٹتے ہیں حباب آسا
ابد کیا لاکھوں گذریں گے ابد پر یہ نہ کم ہوگا

انھیں ساحل شکن موجوں سے یہ مواج بہتا ہی
رہیگا یوں ہی بہتا جس نمط سے آج بہتا ہی

عنایت ہم کو اس در سے ہوئی ہیں نعمتیں کیا کیا
کسی محنت کے بدلے میں نہیں یہ بحرِ فیض اُمڈا

کریں کس کس کی گنتی ہو نہیں سکتا شمار اُن کا
بتاؤ آنکھ کے بدلے کیا ہے نذر ہم نے کیا

کیا ہی کان کے بدلے میں کیا سُن کر کوئی تولے
دیا ہو جس نے بدلے نطق کے کچھ وہ زباں کھولے

ملائے ہاتھ وہ جس نے کیا ہو ہاتھ کا بدلا   قدم آگے بڑھائے جس نے پا کا ہو عوض سونپا
یہ حسنِ صورت و لطفِ طبیعت قامتِ رعنا   یہ صوتِ دلکش و تقریرِ موزوں پیکرِ زیبا

عطیّہ بے سبب ہی کردگارِ بندہ پرور کا
خداوندِ مقدس بے نیازِ لطف گستر کا

دلوں میں ولولے بخشے ابھارے جوش سینوں میں   شجاعوں میں تہوّر دلبری نازک حسینوں میں
اولوالعزموں میں ہمّت صبر تنہائی گزینوں میں   اثر جادو کا بخشا نطقِ معنیٰ آفرینوں میں

بطونِ تنگ سر میں کی وہ عقلِ نکتہ داں پیدا
کیا ہی فکر سے صنعت کا جس نے اک جہاں پیدا

مٹی رہتی ہی استدراک مجہولات میں ہر دم   جو کی معلوم شے اُس پر لگایا حکمِ کیف و کم
قوی اور علم کے جب چلتے پرزے ہو گئے ہمدم   تسلّی ہوتی ہی ترکیب اشیا کرتے ہی باہم

یہی بس کائنات اِس جوہرِ نایاب کی پائی
بس اتنی ہی چمک اس گوہرِ خوش آب کی پائی

کرو انصاف کچھ حق بھی ہی ہم پر ایسے سلطاں کا   کیا ہی جس نے وا ہم پر ازل سے بابِ احساں کا
تنِ تیرہ کو بخشا نورِ روشن نیّرِ جاں کا   قبائے جسم کو تارِ نفس سے خوشنما ٹانکا

کلاہِ ناز کر منّا بنی آدم عنایت کی
تمیزِ حق و باطل فکرِ بیش و کم عنایت کی

ستم ہی اُس کا درہم چھوڑ کر بھٹکے پھریں دردر   سمندر کے عوض میں ہاتھ پھیلائیں حبابوں پر
نہ ڈھونڈیں باغباں کو گلبنوں کی دھن میں ہوں ششدر   نہالِ سبز جو دیکھا لگا بیٹھے وہیں بستر

نہ سمجھے ہر نہالِ اک روز پامالِ خزاں ہوگا
قیامِ صحنِ گلشن تا رضائے باغباں ہوگا

بجز اُس کے کوئی ہی بھی کہ برسادے کبھی پانی
سمجھتا ہی کوئی سینوں کے اندر رازِ پنہانی
دکھادے ابر کے دامن میں بجلی کی درخشانی
سوا معبود پر تکیہ کریں ہم وائے نادانی

نہ ہو آوارگی یارب ہمیں سچے سہارے سے
تلاشِ قطرہ میں کیوں جائیں دریا کے کنارے سے

کوئی ہی دوسرا جو خاک کے پتلے میں جی ڈالے
کوئی انسان دو ساعت تو اپنی نبض ٹھیرا لے
یہ قدرت بھی کسی کو ہی کہ سب مخلوق کو پالے
عنانِ توسنِ عمرِ گذشتہ پھر تو پلٹا لے

عدم سے لا نہیں سکتا ہی انساں ایک ذرّہ بھی
بنا سکتا نہیں کوئی بشر چھوٹی سی چڑیا بھی

ہمیں لازم ہی سچے صانعِ برحق کے قایل ہوں
اُسی کے ناوکِ اُلفت سے دل سینوں میں گھایل ہوں
رضاجوئی میں اُس کی جان سے اور دل سے مایل ہوں
اُسی کے لطف پر نازاں اُسی کے در پہ سایل ہوں

اُسی کے بابِ عالی پر جبائے بستہ رکھیں
اُسی کی آرزو رکھیں اُسی کا آسرا رکھیں

عجب برتاؤ ہیں ہم سے ہمارے بندہ پرور کے
اُسی کی بخششوں سے دیں جو کچھ ہم راہ میں اُس کے
کہ خود اشیا مہیا کیں عطا کیں ہم کو بن مانگے
تو ہم سے شاد ہو صد چند ہم کو اُس کا بدلا دے

کرے محشر ہمارا خاص بندوں کی جماعت میں
ہمارا پیش خیمہ پہونچے کوشک ہائے جنت میں

کریں ہم اپنے ہمجنسوں کی خدمت اور وہ شاداں ہوں
جب اس شفقت سے ابرِ فضلِ یزداں قطرہ افشاں ہو
ہم اپنے بھائیوں سے صاف دل رکھیں وہ فرحاں ہو
ہمارا مزرعہ دل کیوں نہ رشکِ صد گلستاں ہو

رضاجوئی میں اُس کی ہم فنا ہو جائیں تو اچھا
طلب میں اُس کی خود گم ہو کے اُسکو پائیں تو اچھا

مرے مشفق نے ان الفاظ سے کی جب دُر افشانی
بڑھی کچھ ایسی جوشش بحر ذکر حق کی طغیانی
ندامت کے سبب وہ سادہ دل ہو ہو گیا پانی
ہوئیں سب کشتیاں اوہام کی بہہ بہہ کے طوفانی

بس اتنے میں موذن نے اذاں دی اٹھ کے بستر سے
میں جاگ اُٹھا صدائے دل کش اللہ اکبر سے

الٰہی نور ہو جانے کا خواہشمند ہے خاکی
ہُما سے بازی پرواز ہے اس رشتہ بر پا کی
شکستہ دام ہے پر ہے تمنا صید عنقا کی
زمیں کا رہنے والا چاہتا ہے سیر افلاکی

گوارا کس لئے کرتا ہے فیض سرمدی تیرا
جُدا تجھ سے رہے مشتاق تیرا احمدی تیرا

قدرِ وقت

زمزمہ سنج ہے گلشن میں زبان سوسن	گل و بلبل سے یہ کہتی ہی کہ اے اہلِ چمن
عارضی رنگ پہ پھولو نہ دکھا کر جوبن	سانس دو سانس موافق ہی ہوائے گلشن

بول لو ہنس لو مگر ناز و تبختر نہ کرو
خود کو اس باغ میں پائندہ تصور نہ کرو

یاران بزم کیا ہم امٹ ہیں کیا ہم کو بارگاہِ آفریدگار سے دستاویز ابدیت ملی ہے۔
میرا یہ ابتدائی فقرہ کوئی مجذوب کی بڑ نہیں ہی۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں **شعر**

زبان شوق گرم عرض مطلب ہی اگر سینئے — شکستم مہر لب گر پنبہ از گوشت برون آری

ہم اور ہمارے ابنائے جنس قدرتی طور پر تین حالتوں پر خود کو گزرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ یعنی گزشتہ وموجودہ و آئندہ۔ پس ان حالتوں کے متعلق ماضی وحال واستقبال تین زمانوں کی نسبت وقتاً فوقتاً حکمانے جو بحثیں کیں وہ کتب حکمت میں موجود ہیں۔ مجھ کو آپ صاحبوں کے روبرو وہ علمی مسائل بیان کر کے عقول حکما پر محاکمہ کرنا مقصود نہیں۔ میں سیدھے سادے الفاظ میں وہ امور بیان کرونگا جو آج عملاً اختیار کرنا چاہئیں **شعر**

گزرنا تھا سو گزرا اب بھی لطف وصل ممکن ہی — کریں جو کچھ ہے کرنا ہمت مردانہ رکھتے ہیں

ہماری ہر ایک حالت قابل قدر اور ہر ایک وقت کا ایک ایک سانس نہایت قیمتی ہے۔
ہم کو اپنی ہر ایک حالت کے متعلق یہ جانچ کرنا ضرور ہی کہ کس حالت سے کیا نفع یا آسائش مل سکتی ہی یا دفع مضرت وحصول آسائش کے تجربے مل سکتے ہیں۔ جب ہمارے نفس کو ہمارے وقتوں کی جانچ کی طرف میلان ہو کر رفتہ رفتہ صحیح جانچ کا ملکہ ہو جاویگا تب ہماری طبیعتوں میں سرور افزا اُمنگیں خود بخود جوش زن ہونگی اور ہماری عالی ہمتی کی بلند پروازی کے واسطے وہی ہماری

صحیح جانچ کے نتائج بال ہما کا کام دینگے۔ ہمارے اسلاف یا گزشتہ اولی العزموں نے جن کے
نام نامی ابد تک دنیا کے صفحہ پر منقوش رہینگے اپنے وقتوں کی صحیح جانچ کی ہی اور اُس سے
کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایک نامور شخص بھی ایسا نہ ملیگا جس نے اپنے وقتوں
کی جانچ نہ کی ہو۔ میں ان نامور اشخاص کو جنھوں نے وقتوں کی قدر کی ہی تین گروہوں میں اپنے
فرضی خیال کے مطابق تقسیم کرتا ہوں اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ گو اُن نامور اشخاص کی کامیابی
کے مدارج یکساں نہ ہوں الا ہر فرد واحد کو اُن میں بقدر مرتبہ کے استحقاق تعظیم حاصل اور ہر
فرد ایسے گروہ کا اپنے ابنائے جنس میں قابل وقعت ہی۔ میں اپنی فرضی تقسیم میں ایک گروہ کا
نام **حال پرست** دوسرے گروہ کا نام **انجام بیں** تیسرے گروہ کا **سعید کامل**
قرار دیتا ہوں اور پیشتر اس سے کہ اپنی اس فرضی تقسیم کی صراحت کروں یہ التماس کرتا ہوں
کہ منجملہ تین حالتوں کے گزشتہ حالت ہمیشہ ایسی ہو جاتی ہی کہ آئندہ حالتوں میں صرف اُس حالت
کے افعال کے نتائج کے سوا نفس حالت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ **شعر**

سحر ہونے سے پہلے نوش جام کامرانی کر ۔۔ مقدر سے ملا کرتی ہیں غافل وصل کی راتیں

پس قابل قدر موجودہ حالت ہی اور قابل فکر آئندہ حالت۔ کیا معنی حالتِ موجودہ میں
ہم اپنی محنتوں سے اُن مطالب کے حصول میں کامیاب کوشش کر سکتے ہیں جو نہایت اعلی اچھی جانی
ہیں اور جن کے نتائج آئندہ حالت میں بھی ہم کو حاصل ہو سکتے ہوں۔ اب میں اپنے فرضی تقسیم
کی صراحت کرتا ہوں لیکن پیشتر اس سے کہ میری زبان سے کوئی حرف نکلے یہ بیان کرنا ضروری
جانتا ہوں کہ میں اپنی اس تقریر میں اس وقت جو مطالب عرض کرونگا وہ میرے دماغی خیالات
ہیں۔ ان خیالات کے حق بہ جانب ہونے کی بابتہ مجھ کو کچھ دعوے نہیں۔ میرا صرف یہ کام ہی کہ
مافی الضمیر ظاہر کروں۔ پھر حضرات دقیقہ رس مطالب تقریر پر ذہنی محاکمہ کر کے امتیاز حق و باطل
خود کر سکتے ہیں۔ آمدم بر سر مطلب۔ جس گروہ کا نام میں نے اپنی فرضی تقسیم میں حال پرست
رکھا ہی اُس سے میری مراد اُن لوگوں سے ہی جنھوں نے صرف دنیوی کاموں میں اولی العزمیاں

کیں اور مدارج عالیہ حاصل کئے مگر امور عاقبت کی طرف نہ کچھ توجہ کی نہ اُس میں کوششیں
کیں۔اس محل پر یہ ظاہر کردینا ضرور ہی کہ امور عاقبت سے اس وقت فی الذہن میری کیا مراد
ہے یعنی لفظ عاقبت سے اس وقت اپنی خیالی اصطلاح میں وہ حالت مُراد لیتا ہوں جو انسان
کو اس خاکی جسم چھوڑ دینے کے بعد پیش آتی ہی اور ہر ذی حیات کو ناگزیر پیش آدنی ہی اور جس
گروہ کے افراد کو انجام میں بیان کیا ہی وہ قابل ادب حضرات ہیں جنھوں نے اپنے دامن کو
غبار لوث دنیا سے پاک رکھا اور دنیا کے عیش و تنعم کو ہیچ و پوچ سمجھ کر حصول قربت پروردگار
کی تمنا میں ریاضت شاقہ کر کے جانبازیاں کیں۔گروہ سیوم کے افراد میں وہ مقدس اور برگزیدہ
حضرات داخل ہیں جنھوں نے انتظام دنیوی میں بھی خود کو رہنمائے عالم یا نفع رسان خلق ثابت
کیا اور تمتعات دنیا سے بقدر جائز حصول عیش بھی کیا اور عاقبت کے لئے اعمال نیک کا ذخیرہ
فراہم کرلے گئے۔سامعین انصاف کرسکتے ہیں کہ فی الحقیقت بازی کس گروہ کے ہاتھ رہی
یہ بیان کرنا مناسب محل ہی کہ قاسم حقیقی کا بازار انعام ابدی رونق کے ساتھ کھلا ہوا ہی۔اُس میں
سب سامان موجود ہیں ہر ایک خریدار اپنے مذاق کے موافق اشیا خریدتا ہی۔گروہ اول
کے اولی العزم کامیاب لوگوں کو عام اس سے کہ شاہان نامدار ہوں یا امرائے کبار یا تجار
ہوں میں نے اس وجہ سے اپنی فرضی اصطلاح میں حال پرست کہا ہے کہ اُن صاحبوں نے
اپنی جفاکشی کا استعمال محض حصول دنیا کے واسطے کیا اور اس حصول کے لالچ میں نہ حق و
باطل میں امتیاز کیا نہ مکر و فریب یا غصب و ظلم کے ارتکاب سے پرہیز کیا بلکہ حصول زر و حصول
تنعم کی دُھن میں جو بن پڑا کر گزرے۔مگر اُن کی کوششوں کے نتائج تجمل ظاہری اور عیش پسندی
تک محدود رہے اور اُن کے دریائے تمنا کی پرجوش موجیں استحصال لذات کے منتہٰی
تک پہونچ کر منتہی ہوتی گئیں۔قدرت نے اپنی عام فیاضی سے ان کی کوششوں کی نتائج
دینے میں تخل نہ کیا لیکن اُن کا حال بالکل اُس جواری سے مطابق ہوا جو جوا کھیلنے کے فن میں
اعلیٰ درجہ کا مشاق ہو کر یاران ہم پیشہ کی تھیلیاں خالی کرے اور آخر کار اپنا اندوختہ کھو کر

خالی ہاتھ اُٹھ جائے۔ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہی کہ ایسے لوگوں کو جن کا انجام نامحمود ہوا ابتدائی عبارت میں قابل قدر کیوں بیان کیا گیا ہی تو اس کا جواب یہ ہی کہ ایک اور گروہ بیان سے رہ گیا جس کے افراد کو میں اپنی فرضی اصطلاح میں شقی کے لقب سے پکارنا چاہتا ہوں اور وہ وہ گروہ ہی جو کاہلی سے کچھ کرنا نہیں چاہتا اور باوصف طاقت جسمانی اور قدرت کے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے رہنے کو پسند کرتا ہی باوجود صحت وسلامتی اعضا کے اپاہجوں کی طرح دوسروں کے ہاتھ کی طرف نظر رکھتا ہی اُس کاہل گروہ کے مقابلہ میں پھر یہ حال پرست گروہ کہیں بہتر ہی۔ کیا معنی اُس نے کچھ حاصل تو کیا۔ دوسرے اور تیسرے گروہ کے افراد جس کو انجام بین اور سعید کامل کے نام سے میں نے یاد کیا ہی بالاتفاق بہترین افراد عالم میں شمار ہوتے ہیں۔ پس میری رائے میں دانشمند وہ لوگ ہیں جو موجودہ حالت کو ایسے کارآمد مشاغل میں صرف کریں جس کے بہترین نتائج حالت موجودہ میں بھی نصیب ہوں اور حالت آئندہ میں بھی ملیں

نظم

فکر کر آج کی اندیشۂ فردا بھی کر	اب بھی کر عیش اور آئندہ تمنا بھی کر
روز سرمستی صہبائے تغافل کیسی	ہے بشر اپنے پس وپیش کو سوچا بھی کر
کون ہے تیرا بھی خواہ زیادہ تجھ سے	خویش وبیگانہ کو انصاف سے جانچا بھی کر
بعض اوقات کو کر فکر معیشت میں صرف	وقت پر یادِ خداوند تعالےٰ بھی کر

شاید کسی صاحب کو یہ خیال ہو کہ حالات آئندہ اگر اسی زندگی کی آئندہ حالت سے مراد ہی تو ہر فرد بشر بقدر عقل وقوت آئندہ حالت کے واسطے ذخیرہ خود ہی جمع کرتا ہی اُس میں ہدایت کی حاجت کیا ہے اور اگر آئندہ حالت سے مراد وہ حالت ہی جو انسان کو بعد چھوڑ دینے اس جسم خاکی کے پیش آوے گی تو وہ ایک غیر معلوم حالت ہی اس کی فکر کی کیا ضرورت ہی پس اس کا جواب پابندانِ مذہب کے واسطے تو صاف ہی کیا معنی ہر ایک پیشوائے مذہب نے اپنے علم وصفائے باطن کے مطابق حالت آئندہ کو بیان کر دیا ہی ہر ایک

مذہب کے پیرو اپنے پیشوا کے حکم پر یقین رکھتے ہیں ہاں جن صاحبوں کے ذہن میں مذہب کوئی
قابل وقعت شئے نہیں اُن سے میں محض دردمندانہ جوش کے اقتضا سے عرض کرتا ہوں کہ روح
انسانی جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں جسم خاکی کے ساتھ فنا نہیں ہوجاتی اس کے فانی نہ ہونے کی بابت
خاص خاص طرز بیان پر سب مذاہب کی کتب مذہبی میں مفصّل ذکر ہی کتب معقول میں بھی کافی دلائل
موجود ہیں میرے ذہن میں بھی کثیر براہین موجود ہیں اس موقع پر اُن براہین کا تفصیلی ذکر کرنا درحالیکہ کسی
صاحب کو ضرورت استفسار نہیں بے سود ہی۔ غرض جب کہ نفس ناطقہ بعد چھوڑ دینے اس خاکی جسم کے
باقی ہے تو کیا شک ہی اُس کے اعمال کی جزا و سزا ضرور اُس کو ملیگی پھر کیونکر موجودہ حالت زندگی
میں آئندہ حالت کی فکر نہ کی جائے۔ ہماری اس موجودہ زندگی کی حالتوں میں بھی شبانہ روز یہ تجربے
ہوتے ہیں کہ جس موجودہ حالت میں کوئی آئندہ نتیجہ دینے والا کام کیا جاتا ہی اُس کام سے بعد گزر جانے
حالت موجودہ کے حالت آئندہ میں اچھا یا بُرا یعنی جیسا کام کیا گیا ہو نتیجہ ملتا ہی۔ اگر کوئی شخص ایک
وقت میں ایک عالی شان محل بناتا ہی یا ایک بار آور اشجار کا باغ لگاتا ہی پس وہ وقت جس میں مکان بنایا
یا باغ لگایا گزر جاتا ہی مگر وہ صاحب ہمت مدّت تک اس محل کے جھروکوں کی آسائش پاتا ہی اور دور دراز
زمانہ تک اپنی ہمت کی بدولت باغ کے لذیذ میوے اور پھل کھاتا ہی۔ علیٰ ہذا القیاس جب کوئی شخص ایک وقت میں کسی کی چوری
کرتا ہی یا فریب سے مال لے لیتا ہی یا رستہ لوٹتا ہی تو حالت آئندہ میں ضرور اس کی پاداش
میں قید خانہ اور جرمانہ اور تاوان کی سزا بھگتنا پڑتی ہی۔ یہ حال ہماری موجودہ حالت زندگی میں
رات دن پیش نظر ہی۔ اب قیاس کرنا چاہئے کہ وہ مقدس اور پاک خداوند جو ہمارے کھلے اور
چھپے بھیدوں پر اچھی طرح مطلع ہی اُس کی پیش گاہ سے ہم کو ہمارے اعمال کی جزا و سزا کیوں نہ ملیگی
کیا اُس کے گنج انعام میں کچھ کمی ہی کہ ہم کو جزائے اعمال نیک نہ دے۔ یا وہ قدرت نہیں رکھتا ہی
کہ ہمارے اعمال بد کی سزا نہ دے سکے۔ ہمارے ابنائے جنس کے ناتمام خیالات حقیقی کامیابیوں کے
سدراہ ہوجاتے ہیں بعض صاحب اپنے کاہلانہ خیالات پر لفظ تقدیر کا نقاب ڈال کر اوقات عزیز
بدہمتی سے ضائع کرتے ہیں بعض حضرات فنا فی التدبیر ہوکر ناد لاغیری کا دم بھرتے ہیں۔ میرے

خیال میں اگر میں غلطی پر نہیں ہوں اوّل الذکر حضرات کی دنیا خراب ہوتی ہی اور آخر الذکر حضرات کے عقیدۂ مذہبی میں نقصان آجاتا ہے حالانکہ لازم یوں ہی کہ یہ دونوں خیالات اپنی حد اعتدال پر قایم ہو کر اُن کو لازم ملزوم سمجھنا چاہئیے یہ کب مناسب ہی کہ پابندان مسئلہ تقدیر اُمور واجب السعی کو بھی محول بہ تقدیر کر کے ترک کوشش کریں اور اس ذاتی بدہمتی کی بدولت مصائب جہل و فلاکت میں گرفتار ہوں ادنے اغور سے معلوم ہو سکتا ہی کہ یہ مسائل جن پیشوایان مقدس کی زبانوں سے اولاً ظاہر ہوئے اور ہم تک نوبت بہ نوبت پہونچے اُن سے زیادہ ان مسائل کا سمجھنے والا کون ہو سکتا ہی پھر اُن مقربان بارگاہ آفریدگار نے کیوں ترک سعی نہ کی یہ بھی کسی طرح پسندیدہ امر نہیں معلوم ہوتا کہ خوش اعتقادان مسئلہ تدبیر نے جو امور معیشت کے حصول میں کمر ہمت باندھی اور قدرت نے بکمال فیاضی سے اُن کی محنتوں کے ثمرات اُن کو بخشے تو حصول نتائج کی وجہ سے یہ خیال پختہ کر لیا جائے کہ اُمور کائن ہماری ہی کوششوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ شاید میں اپنی کسی تقریر سابق میں لکھ چکا ہوں کہ ہم یا ہمارے ابنائے جنس اشیائے کائنات میں کسی ایک شے کے بھی خالق نہیں ہماری کائنات صرف اس قدر ہی کہ خدا کی پیدا کی ہوئی اشیاء کو اپنی مرضی کے مطابق ترکیب دے لیتے ہیں وہ بھی عقل کی بدولت جس کا خالق بھی وہی خالق اکبر ہی۔

حاصل مطلب یہ ہی کہ پابندان مسئلہ تقدیر نے بدہمتی اختیار کی اور پابندان مسئلہ تدبیر کے دماغوں میں ایسی خود پسندی سمائی کہ رفتہ رفتہ ارتکاب منہیات کرنے لگے۔ اُن میں نہ راست بازی کی پابندی پائی جاتی ہے نہ حفظ حقوق کی۔ پس یہی موثر اسباب ہمارے گلشن امید کو کامل بہار تک نہیں پہونچنے دیتے۔ اگر ہمارے ابنائے جنس ان امور کی اصلاح کر کے عالی ہمتی کے ساتھ صرف کوشش کریں تو پھر دیکھو ہمارے اقبال اسی طرف رجوع کرتا ہی یا نہیں۔ شبانہ روز میں ہم اپنے امور معیشت میں دلی کوشش کے ساتھ اگر روزانہ دو پہر بھی پوری محنت کریں اور حصول دولت کے واسطے امور جائز ہی کے وسائل تلاش کریں ناجائز وسائل کا دھیان بھی نہ کریں اور جو کچھ ہم کو حاصل ہو اُس کو انصاف کے ساتھ اپنے متعلقین اور اہل حقوق پر تقسیم کریں اور سب انسانوں کو اپنا بھائی سمجھیں

اور ہر ایک کام کی ابتدا میں استرضائے خالق اکبر کا دھیان رکھیں اور معین وقتوں پر اُس یگانہ بے مثل
کی پرستش کرتے رہیں پھر دیکھو کہ ہماری موجودہ حالتیں کس پایہ تک پہونچتی ہیں جس صاحب کو اس تقریر
میں شک ہو ایک سال بھر ہی ان اُمور کا التزام کر کے دیکھ لے۔ اے ہمارے سچے مددگار اور اے
بے نیاز خداوند ہم کیا اور ہماری ہمتیں کیا تو اپنی عنایت سے ہمارے دماغوں میں عقل سلیم اور دلوں میں
جوشش عالی ہمتی دے کہ ہم سے کچھ بن پڑے۔ تیرا ہی فضل ہم بے کسوں کا نام اُن برگزیدگان بارگاہ
کی فہرست میں داخل کر سکتا ہے جو سعید کامل ہو گزرے ہیں۔

سیر باغ

مسافر ہے تو اے گلزار امکاں کے تماشائی
ذرا چشم بصیرت کھول گر رکھتا ہے بینائی
کہاں تک البہانہ خود پسندی اور خود آرائی
ترے کس کام آئینگے خیالات من و مائی

اوڑی خوش بوئے گل ہے رنگ روئے نسترن پھیکا
بعجلت پھول چن ہونے کو ہی رنگ چمن پھیکا

خراش کب تلک کبک دری کے قہقہے کبتک
کہاں تک فصل گل سرو سہی کے لہلہے کبتک
خیاباں میں رہیں گے بلبلوں کے چہچہے کبتک
تو صرف دید گل کب تک فدائے چنگ و دف کبتک

ٹہریگا کب تلک مشق خرام ناز مستانہ
رہیگا تا کجا محو قد دلجوئے جانانہ

بندھیں گے تازہ مضموں کب تلک گیسوئے سنبل پر
سخن چینی رہے گی تا کجا تقریر بلبل پر
تراشے جائینگے فقرے عبث برگ و رگ گل پر
تری ٹپکے گی کب تک رال موج بادۂ مل پر

رہیگا تابہ کے صرف خیال مطرب و ساقی
سمجھنا ہے کچھ اپنا بھی حساب اصل و باقی

تو مستاجر نہیں آیا ہے بن کر باغ امکاں کا
مگس بن کر گرے پڑنا برا ہوتا ہی مہماں کا
نہ استمرار کا پٹہ ہی تیرے نام سلطاں کا
بہت کچھ تو نظارہ کر چکا سنبل کا ریحاں کا

اوٹھا بستر نئے سیاح اب یاں آنیوالے ہیں
جو ہیں موجود وہ سب آگے پیچھے جانیوالے ہیں

بہت کچھ تو نے گلچھرے اڑائے باغ میں آکر
اگر بیٹھا تو اترا کر چلا اٹھ کر تو اٹھلا کر

بہت روندے گلِ تر گردٹوں میں سیج سجواکر ۔ ہوا برہم تو پر بُلبل کے پھینکے تو نے نچواکر

ٹھکانا ہی کہیں بد خو تری عالی دماغی کا
رہا ہر حال میں دلدادہ اپنی خوش فراغی کا

کبھی بے درد طاؤسِ گلستاں ذبح کروائے
ہوئی تفریح جب بے کینہ طائر تو نے لڑوائے
بلا سے تیری گر اک بے زباں کی جی پہ بن آئے
تری پاپوش سے لوہو بہے یا چرخ پھٹ جائے

تری تفریح ہفتہ وار کا اچھا تماشا ہی
وہ زخمی ہیں ترے لب پر اُہو ہو ہی اہا ہا ہی

پھرے آزاد تو اور قید مرغانِ ہوا ہو ویں
یہ مقصود اس ستم سے ہی وہ تیرے غم ربا ہو دیں
پڑے پنجروں کے اندر بیکسوں کی دم خفا ہو دیں
چھپر کھٹ میں تو جب لیٹے تو وہ نغمہ سرا ہو دیں

ترے نزدیک خوش نغمہ ہی نالہ بے زبانوں کا
ترے دل کو نہیں کچھ درد آن آشفتہ جانوں کا

تبختر سے کبھی ہوتا ہی خوش پوشی پہ دلدادہ
دل آزاری پہ تو تیار حق تلفی پر آمادہ
کبھی رہتا ہی مست آرزوئے ساغر بادہ
رعیت ہیں تری گویا کہ سب اور تو ہی شہزادہ

تمنا ہے تری دایم رہے فرماں روا ہو کر
سلامت تو رہے گو خلق مٹ جائے فنا ہو کر

تُجھے معلوم ہی کس واسطے تو باغ میں آیا
نہ بھولے سے کوئی دم بھی اِدھر کچھ دھیاں فرمایا
وہ کیا مطلب تھا جس کے واسطے سلطاں نے بھجوایا
کہ میں ہوں کون جاتا ہوں کدھر کس سمت سے آیا

مرا نخلِ تقا کب تک چمن میں لہلہائے گا
ہزار ہستی موہوم کب تک چہچہائے گا

معین وقت تک تجھکو ملا ہی سیر کا فرماں ۔ غرض یہ تھی کہ جب ہو جلوہ بخشِ گلشنِ امکاں

ترے آنے سے ہوں سب ہمسفیرانِ چمن خنداں
چلن سے تو عزیز دل ہو اُن کا اور سرورِ جاں

تو ہر اک حال میں اُن کا شریک ہم نوائی ہو
دلوں میں اُن کے تیری جا ہو سینوں میں رسائی ہو

مصیبت جس کو پیش آ جائے اُس کا آشنا تو ہو
کوئی ہو راہ گم کردہ تو اُس کا رہنما تو ہو
کوئی ماتم زدہ پائے تو دل سے غم رُبا تو ہو
غرض ہر زخم کا مرہم ہر اک دُکھ کی دوا تو ہو

جہاں مشکل کی پڑ جائے گرہ ناخن ترا کھولے
تو ہر اک درد میں شامل ہو ہر آواز پر بولے

جہاں کانٹے نظر آئیں کرے تو صاف وہ رستا
نہ ہو پامال گلچیں سبزۂ خوابیدہ گلشن کا
خیال برہنہ پایانِ بے کس کا رہی کھٹکا
جلانے پائے گلبن کو نہ بادِ گرم کا جھونکا

لڑیں دو بلبلیں تو ثالث بالخیر تو ہووے
معاون ہو کے ہادی بن کے گرم سیر تو ہووے

ملا کر آنکھ مجھ سے کہہ تو اس میں سے کیا کیا کیا
نکالا دشت غربت میں کسی کے پاؤں سے کانٹا
رکھا کس زخم دل پر مرہم امداد کا پھاہا
کسی آفت زدہ کا بوجھ کچھ تو نے کیا ہلکا

بچایا ہی کسی گم کردہ رہ کو رہنما ہو کر
کیا ہی پار بیڑا بھی کسی کا ناخدا ہو کر

اگر غفلت سے اب تک کچھ نہیں تو نے کیا غافل
بڑھے جاتے ہیں ساتھی ہمسفر نزدیک ہی منزل
تو اس خواب گراں سے چونک آئندہ نہ ہو غافل
یہ فرصت بھی غنیمت ہی اگر کرنا ہی کچھ حاصل

اولی العزمان دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

تجھے اک شاہ عالی شان کی پیشی میں جانا ہے
ہمیشہ کے لئے ماوا اُسی کا آستانہ ہے

اُسی سرکار سے ملتا سبھوں کو آب و دانہ ہی — ہی ذات اُس کی غنی محتاج ہر فرد زمانہ ہی

عجب سرکار ہی ڈنکا ہی ہر سو اُس کی عظمت کا
ٹھکانا ہی نہیں ہی رفعت ایوانِ دولت کا

ازل سے پیشتر اُس نے چُنا ہی نعمتوں کا خواں — ہمارا میزبانِ پاک ہی وہ ہم ہیں سب مہماں
نباتاتی جماداتی ہوائی روح اور انساں — اُسی سرکار سے انعام پاتے رہتی ہیں ہر آں

اُسی کا لُطف کرتا ہی کفالت ہم غریبوں کی
وہی فریاد سُنتا ہی دلوں میں بدنصیبوں کی

لگاتا ہی کبھی ظلمت کا چشم نور میں انجن — چھپاتی ہی چراغِ نور گہہ ظلمت تہ دامن
ہی روشن اُس کی ڈھوڑہی پر چراغِ مہر در روغن — فلک تاروں بھرا در پر مرصع کا رہی چلمن

فرشتوں تک کی آنکھیں نور سے یاں چوندہیاتی ہیں
مقدس روحیں سجدے کرتی ہیں آنکھیں بچھاتی ہیں

خلا میدان پیش باب ہی اُس بندہ پرور کا — ملا اسباب کا شانہ ہی اُس الطاف گستر کا
قدم دیرینہ خانہ زاد اُس سرکار کے گھر کا — حدوث اک کاربار ی نو ملازم تازہ دفتر کا

اسی دفتر میں جھگڑے چکتی ہیں ساری خدائی کے
یہیں احکام سب ہوتے ہیں صادر کبریائی کے

قویٰ کی فوج کو ہی نظم و نسقِ دہر کی خدمت — ہوا کرتی ہی زیرِ حکمِ عقلِ کُل یہ سب محنت
کرم کے کارخانوں سے ہمیشہ بٹتی ہی دولت — یہ لکھ لٹ باب رہتا ہی کھلا ہر آن ہر ساعت

بقدر ظرف طالب یاں ہیں پیمانے مقدر کے
لئے جاتے ہیں جو جس کو ملا پیمانے بھر بھر کے

وہ بے پروا ہی لیکن ہی غلاموں کی اُسے پروا — نہ درکار اُس کو تخت و تاج ہی نے مسند و تکیا

نہ کھائے اور نہ پہنے وہ مقدس ذات بے ہمتا　　ہمارے واسطے سب کچھ ہے یہ دنیا و مافیہا

وہی تو ہے وہ سلطان کبریا ہم جس کو کہتے ہیں
وہ شاہنشاہ عالی ہے خدا ہم جس کو کہتے ہیں

چراغ مہر و شمع مہ اُسی کی لو میں جلتے ہیں　　ارادے سے اُسی کے کوہ سے چشمے اُبلتے ہیں
اُسی کے حکم سے دن رات کے پہرے بدلتے ہیں　　کواکب ٹھیک اپنی اپنی رفتاروں پہ چلتے ہیں

اُسی کے حکم سے قایم ہے مدّ و جزر دنیا کا
گل و سبزہ سے دامن پر وہی کرتا ہے صحرا کا

نہایت چھوٹی جانوں میں بھی لطف زندگی بخشا　　ہیں اپنی جنس میں خوش دسترس کی کچھ نہیں پروا
ہوا والوں کو پانی والوں سے مطلب نہ کچھ رستا　　کلولیں کرتے ہیں باہم اڑاتے ہیں مزے کیا کیا

وہ باہم مل کے جس دم ذکر ہست و بود کرتی ہیں
جہاں کے عیش کو اپنے ہی تک محدود کرتی ہیں

نظر آتی ہے چیونٹی گو بہت کم نوع خلقت میں　　اُمنگیں اُس کی جانچے کوئی لیکن عزم و عادت میں
تمنا میں تدبر میں تجسس میں ذکاوت میں　　ذخیرہ کے فراہم کرنے میں نوعی حمایت میں

ذرا اُس تنگ تہ سینہ کا فرط جوش تو دیکھو
دماغ نرم و نازک کا وفور ہوش تو دیکھو

یہ حیرت خیز اُس خلاق کی قدرت نمائی ہے　　کہ ہر اک فرد کو اپنی ہی دھن ہے خود ستائی ہے
انا الموجود و لا غیری ہر اک سر میں سمائی ہے　　فدا ہونے کے لائق انتظام کبریائی ہے

کروں وصف جلال کبریا میری زباں کیا ہے
یہاں جبریل کے پر جلتے ہیں میرا بیاں کیا ہے

کروڑوں باغ ہیں اُسکے اور ان میں لاکھوں گلشن ہیں　　ہر اک سو لالہ و شمشاد و نرگس سرو سوسن ہیں

خیابانوں میں طاؤس ان دل کش سایہ افگن ہیں
تبسم کرتے ہیں غنچے عنادل چہچہ زن ہیں

جو مشتاقانِ سیرِ باغ شوق اپنا جتاتے ہیں
معین وقت تک نوبت بہ نوبت آتے جاتے ہیں

مگر جو سیر میں کرتے ہیں ہوتا ہے حساب اُس کا
محاسب ساتھ رہتا ہے کیا جو کچھ دہی لکھا

پہونچتا ہے مرتب ہو کے جب دفتر میں وہ سیاہا
ثمر ملتا ہے اُس کا جس شجر کا بیج بویا تھا

کبھی دریائے لطف خاص سلطان جوش زن ہو کر
معاصی پر بہا دیتا ہے پانی ذوالمنن ہو کر

وہاں تو پائے عزت ایسا کچھ ساماں مہیا کر
پشیماں ہو گزشتہ غفلتوں سے اب نہ سویا کر

بھرے بازار میں آیا ہے تو پر نفع سودا کر
حضورِ شاہ میں تا سرخرو ہو جائے تو جا کر

اگر جنس یہاں ہے دستگیری نیم جانوں کی
خریدا کر ملیں جتنی دعائیں ناتوانوں کی

یہ جنس بے بہا سرکار میں مطلوب ہووے گی
زیادہ جس قدر ہو سب کی سب مرغوب ہووے گی

یہ سودا نقد ہے اس کی تجارت خوب ہووے گی
اسی یوسف پہ رحمت محو جوں یعقوب ہووے گی

جو سوداگر یہ لے جاتے ہیں خوب انعام پاتے ہیں
دُر و لعل و گہر خوش منصب و اکرام پاتے ہیں

نہیں ممنوع تو کچھ اس چمن میں بیٹھ کھانے سے
نہ تو رکھا گیا ہے باز کچھ آرام پانے سے

نہ تجھ کو قید ہے پھل توڑنے شاخیں جھکانے سے
بُرا کیا ہے جو تو ہو شاد بلبل کے ترانے سے

مگر رہ حد کے اندر تیری جو شے ہو اُسی پی کھا
لگا رکھ دل میں استرضائے شاہنشاہ کا کھٹکا

الٰہی احمدی کو اپنی لو میں رکھ تو دیوانہ
بتا اس بھولے بھٹکے کو سراغ راہ کاشانہ

عنایت کر مجھے وہ قوتیں اور عزم مردانہ
رہوں تیری رضاجوئی کی دھن میں دل سے دیوانہ

مرے احباب کے اور میرے دل میں دے تمنائیں
تری مخلوق کی خدمت کو آنکھوں سے بجالائیں

اصلاح خیالات

حضرات آج آپ صاحبوں نے اس غرض سے قدم رنجہ فرمایا ہے کہ میں کچھ عرض کروں میں تعمیل ارشاد میں بدل حاضر ہوں۔ میں آج یہ گزارش کرنا بہتر جانتا ہوں کہ تعلیم مغربی کا عقاید مذہبی کی نسبت کیا اثر ہوتا جاتا ہے اور جو خیالات بعض اہل علم کے دلوں میں جاگزیں ہوتے چلے ہیں وہ کس وقعت کے ہیں۔ اِلّا پیشتر اس سے کہ میں اس امر کو مفصّل بیان کروں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ میرا روئے سخن عام اہل علم اور عام خوش عقیدہ لوگوں کی طرف نہیں بلکہ صرف اُنہیں حضرات کی طرف ہے جن کا ذکر بعد ازیں میں کرنا چاہتا ہوں یہ امر بھی اس موقع پر ظاہر کردینا لازم ہے کہ عقاید مذہبی کے اُن احکام مخصوصہ کے صحیح یا غیر صحیح قرار دینے کی بابت کسی اہل علم کی نسبت مجھ کو کوئی اعتراض نہیں جن احکام خاص کی رو سے ہر ایک اہلِ مذہب کو اپنے اپنے مذہب کی پابندی ہوتی ہے۔ مجھ کو اُن خیالات پر نظر کرنا ناگزیر ہے جن خیالات کا اثر عام اہل مذہب کے دلوں پر قریب قریب یکساں ہوتا ہے اور ایسے خیالات کے ظاہر کرنے سے گویا سب اہلِ مذہب کا دل ایذا پاتا ہے۔ وہ خیالات یہ ہیں کہ ہم بعض اہل علم حضرات کی تقریروں میں علانیہ ذات باری عزاسمہٗ کے وجود کا انکار پاتے ہیں۔ حالانکہ ذات باری عزاسمہٗ کا انکار کوئی عاقل نہیں کرسکتا اُس مقدّس ذات بابرکات کا اقرار باختلاف اسماء و باختلاف صفات سب اہل مذاہب کو ہے۔ میں نے آج کل اخباروں میں بعض ایسے ہی حضرات کے خیالات دیکھے ہیں ایک صاحب یوں فرماتے ہیں کہ ہم کو کلیسا والوں اور فلسفہ کی خدائیوں سے جھگڑنا زیبا نہیں کیونکہ یہ لوگ جانب داری پرانی اور فانی دنیا کے ہیں اور ہم علمی طرفدار نئی دنیا کے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ حضرت کے ذہن میں یہ عبارت لکھتے وقت کیا خیالات تھے اور وہ کون نئی دنیا ہے جو غیر فانی ہو۔ اور اُس کو خدا کی ذات سے کوئی تعلّق نہ ہو چونکہ اس دعوی کی بابتہ کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی ہے اس وجہ سے مجھ کو بھی اس بات میں بحث کی ضرورت نہیں ایک دوسرے صاحب ان سے بھی بڑھ کر محقّق اپنے خیال میں ہیں

انھوں نے اپنی تقریر میں دلائل علمی کو بھی صرف کیا ہی اگرچہ تقریر کی غرض کسی دوسرے صاحب کے جواب پر مبنی ہی اور اس بنا پر لازم یہ آتا ہی کہ وہی صاحب جواب دیں جن کی طرف خطاب کیا گیا ہی لیکن چونکہ تقریر میں ذات باری کے انکار پر بحث کی گئی ہی بدیں نظر کب ممکن ہی کہ ہم اپنی زبان کو حرف آشنا نہ کریں دنیا میں کوئی راست باز غلام اپنے مولا کے خلاف ایک حرف سن کر خاموش نہیں رہ سکتا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کرنا ضرور ہی کہ ہم کو بنائے مناظرہ قایم کرنا مقصود نہیں صرف اپنے خیال کو ظاہر کر دینا مناسب جانتا ہوں حق و باطل میں تمیز کرنا خود اہلِ انصاف کا کام ہی اور دلوں پر اثر ڈالنے والا خود وہی پاک خداوند ہی جس نے ہم کو اور سب ہمارے ابنائے جنس کو قوت نطق عطا فرمائی ہی یہ حضرات ابتدائے تقریر میں جس عبارت کا استعمال کرتے ہیں اُس سے یہ مطلب پیدا ہوتا ہی کہ ہر اہلِ مذہب نے اپنے خیال کے موافق خدا فرض کر لیا ہی ورنہ فی الحقیقت خدا کوئی شے نہیں اس سے آگے چل کر علت اور معلول کی بحث کر کے پھر علت اور معلول کی اُس تعریف سے انکار کیا گیا ہی جو فلسفہ میں مقرر ہی اور پھر علت و معلول کی اس طرح تعریف کی گئی ہی کہ علت خود معلول ہی مگر بہ حیثیت مبدلہ اور معلول ہی مگر بہ کیفیت سابقہ تبدل کیفیت قوائے اشیا کے باہمی تناسب سے ظہور پزیر ہوتا ہی میں حیران ہوں کہ علت اور معلول کی یہ کیسی تعریف کی گئی ہی اور کیونکر علت اور معلول ایک شے ہیں کیا فاعل عین مفعول اور جارح خود ہی مجروح اور ضارب خود ہی مضروب ہو سکتا ہی کیا یہ محال عقلی نہیں ہی کہ فاعل خود ہی مفعول بھی ہو گیا ایک کاریگر جس نے عمدہ تخت تیار کیا ہی خود ہی تخت ہے بیان کیا گیا ہی کہ معلول علت میں بالقوہ موجود ہوتا ہی جب معلول بالفعل موجود ہو جاتا ہے اُس وقت علت کی پہلی کیفیت بالکل معدوم ہو جاتی ہی کیا حضرت کو یہ فقرہ لکھتے وقت یہ خیال نہ گزرا کہ معلول وہ جدا شے ہی جس کا ظہور علت کے باعث ہوا یہ کب ممکن ہے کہ معلول میں علت ہو حضرت نے واسطے ثابت کرنے اپنے دعوی کے مثالاً بیان کیا ہے کہ پانی دو بخارات سے پیدا ہوا ہی پھر بخار اپنی حالت میں پانی کی علت ہی جب دونوں باہم ہو جاتے

ہیں معلول یعنی پانی ہوجاتا ہی حضرت نے یہ مثال اس ثبوت کی واسطے پیش کی ہی جس سے ثابت کر سکیں کہ خدا کوئی شے نہیں حالانکہ اس مثال کی عبارت کے ہر ایک نقطہ سے ثبوت باری عزاسمہٗ ہوتا ہی مثلاً بیان ہی کہ پانی دو بخارات سے پیدا ہوا ہی بیان کیا جائے کہ بخارات کس نے پیدا کئے اور دونوں بخاروں کو باہم کس نے ملایا یا یوں کہو دونوں بخاروں کو باہم مل کر پانی بن جانے کی تحریک کہاں سے پیدا ہوئی کیا معنی ہر ایک فعل کسی حرکت سے شروع ہوتا ہی اور ہر ایک تحریک کو محرک لازم ہی۔ حضرت کہتے ہیں کہ مادی اشیا اپنے قوا کے باہمی عمل سے تبدّل و تغیر پاتے ہیں۔ یہ فقرہ لکھتے وقت اس امر پر غور نہیں کیا گیا کہ مادی اشیا کے قوا اپنے عمل میں کسی متصرف یا محرّک ذی علم و قدرت کے متبع ہیں یا نہیں اگر ہیں تو انکار خدا کس بنا پر ہی اور اگر نہیں تو ثابت کیا جائے کہ مادی اشیا کے قوا کو مناسب وقت پر تبدّل و تغیر کرنے کی تحریک کہاں سے پیدا ہوتی ہی اگر کہیں سے نہیں ہوتی تو کیا وہ قوتیں خود صاحب علم و قدرت ہیں۔ ایک جگہ حضرت اپنے جوش تحقیق میں اس طرح اظہار حیرت کرتے ہیں کہ اگر مادّہ کو موجود بالذات کہتے ہیں تو یہ صفات محال عقلی متصوّر ہوتی ہیں اور اُن کا تصوّر صحیح اور کامل ذہن میں نہیں آسکتا اور کوئی خالق اس مادہ کا مانے تو اُس خالق کا مطلق و بے حد و واجب الوجود ہونا ذہن انسانی تصوّر نہیں کر سکتا اس عبارت سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ حضرت مادہ کو موجود بالذات تسلیم نہیں کرتے اور اس وجہ سے مادہ کی قدامت سے انکار کرتے ہیں پھر معلوم نہیں کہ باوصف حادث ماننے مادہ کے خدا کو خالق ماننے سے کس بنا پر انکار ہی کیا ممکن ہی کہ جس شے کو قدیم تسلیم نہ کر کے مخلوق مان لیا جائے پھر اُس کے خالق کے تسلیم کرنے میں کوئی جائے عذر باقی رہے جو خود حضرت کے دعوے سے مادہ کا مخلوق ہونا ثابت ہوچکا پھر خالق کے ماننے میں کیا شک باقی رہا اگر حضرت کے ذہن میں کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس کی رو سے باوصف تسلیم کرنے مخلوق کے خالق کا ماننا لازم نہ آتا ہو وہ بیان کریں۔ ایک موقع پر حضرت نے یہ بیان کیا ہی کہ اہل عقیدہ بے صنعت صانع کا ثبوت کرنا چاہا مگر یہ دلائل شاعرانہ خیالات

زیادہ وقعت نہیں رکھتے مگر یہ عبارت لکھ کر حضرت نے کوئی وجہ نہیں بیان کی جس سے
اس دعوی کی تصدیق ہو سکتی جو کبھی نہیں ہو سکے گی کیا معنی خیال میں نہیں آتا کہ ایسے کامل ثبوت
باری کے مقابلہ میں کوئی کیا اعتراض کر سکے گا مصنوعات سے بڑھ کر صانع کی ہستی کا اور کیا ثبوت
ہوگا اور ایسے صاف اور روشن ثبوت سے کوئی کیونکر انکار کر سکے گا اگر کسی نے قصور فہم کی وجہ سے
انکار کیا بھی تو ایسا انکار دانشمندوں کی نگاہوں میں کیا وقعت رکھے گا یہ عجب بات ہی کہ ہم کھلی
آنکھوں سے دھواں دیکھیں مگر آگ کے ہونے سے انکار کریں میز اور کرسی کے بنائے جانے
اور بنے ہوئے ہونے سے ہم کو اقرار ہو مگر کاریگر سے ضرور انکار ہی کرتے رہیں۔ گھڑی دیکھ کر
اُس کی سوئیوں کی باہمی رفتار میں تفاوت پاویں اُس کے نشانوں اور علامتوں کو دیکھ کر
اُس کا بنایا ہوا ہونا تسلیم کریں مگر بنانے والے کے ماننے سے منکر رہیں۔ ہم صفات کے تسلیم
کرنے پر دل دادہ ہوں مگر موصوف کے مان لینے سے ہم کو ضد ہو۔ قوتوں کو تسلیم کریں مگر صاحب
قوت کو نہ مانیں قدرت کو نیچر کے نام سے تسلیم کریں مگر قدرت والے سے انکار کیا جائے ہم کائنات
میں ایک نہایت چھوٹی شئے سے لے کر نہایت بڑی بڑی عظیم الشان کواکب اور کرات کو ایک حالت
انتظامی میں پاویں مگر منتظم سے انکار کرنا ضروری سمجھیں۔ یہ کیسے پُر افسوس خیالات ہیں جن کو بعض
اہل علم تحقیقات علمی کے ساتھ منسوب کرنے لگے ہیں کیا استعداد علمی کا یہی اقتضا ہی کہ اپنے
خداوند اور اپنے خالق سے انکار کیا جاوے قوت علمی کسی درجہ تک بڑھے مگر کیا امر واقعی کو غیر
واقعی ثابت کر سکے گی جوش میں آکر گزشتہ تحقیقات اور گزشتہ محققین علم پر اعتراض کیا جاتا ہی
او تحقیقات جدیدہ کی نسبت اس درجہ خوش اعتقادی ظاہر کی جاتی ہی کہ اُس کے مقابلہ میں کوئی شئے
محققین علوم جدید کی نگاہوں میں نہیں سماتی مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ جو گزشتہ تحقیقات علمی ہیں
ایک زمانہ میں وہ بھی ایسی ہی جدید تھی اور اُس کی نسبت اس وقت کے اہل علم کے ایسے ہی
خیالات تھے اب جو بہ نسبت اُس تحقیقات کے کچھ اُمور زاید دریافت ہوئے تو اس سے یہ لازم
نہیں آتا کہ گزشتہ تحقیقات عام اس سے کہ وہ صحیح ہو یا غیر صحیح جس قدر ہیں سب غلط ہیں آئندہ ایک

وقت ایسا آویگا کہ زیادہ دقیق مسائل دریافت ہوکر تحقیقات حال پر ایسے ہی اعتراض ہونگے
جس طرح گزشتہ تحقیقات علمی پر اب ہوئے ہیں جب کہ یہ حال ہی تو محققان علوم جدید کا یہ دعویٰ
کرنا کہ جو کچھ اب دریافت ہوا ہی اُس سے زیادہ دریافت ہونا آئندہ ناممکن ہی یا جو کچھ دریافت
ہو چکا ہی اس میں کسی طرح کوئی غلطی نہیں بالکل ناقابل تسلیم ہی میرے خیال میں علم کی رسائی اشیاء
کے دریافت یا اجزاے اشیا کے دریافت یا اشیا کو باہم ترکیب دے لینے تک محدود ہو سکتی ہی
یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ علم کی وجہ سے کسی موجود شے کے وجود سے انکار لازم آتا ہو اور اگر خواہ مخواہ
یہی قرار پاویگا تو پھر آگ کا احراق ہوا کی سبکی یا نی کی تری سورج کی روشنی بھی قابل تسلیم نہ رہیگی
اگر مذہبی اعتقاد کسی کے دل میں نہ ہو تاہم عقلی دلائل سے اطمینان حاصل ہو سکتا ہی ظاہر ہی کہ ہم کائنات
میں مختلف اشیا جداگانہ خواص و افعال کے ساتھ پاتے ہیں اور یا یں ہمہ کائنات کا انتظام کامل
طور سے پاتے ہیں پس کوئی منتظم باعلم و قدرت ہی تب ایسا انتظام قایم ہی کہ ہم اشیائی غیر حساس کو
کبھی حرکت کبھی سکون کی حالت میں دیکھتے ہیں کوئی صاحب علم و قدرت چاہئے جو اپنے علم
و ارادہ سے حرکت و سکون میں لاوے ہم اشیا میں کمی بیشی اور فنا و بقا پاتے ہیں اگر کوئی فاعل
حقیقی اور منتظم نہیں تو یہ سلسلہ کیونکر چلتا ہی ہم کواکب و کرات کو با وصفیکہ متحرک بالارادہ اور
حساس نہیں اپنی حرکت دوری میں پاتے ہیں اور اُن کے متحرک بالارادہ اور حساس
نہ ہونے کی یہ دلیل ہی کہ ہر ایک متحرک بالارادہ اپنی مرضی کے موافق مختلف ارادی حرکتیں
کیا کرتا ہی کسی خاص حرکت کا پابند نہیں رہتا یہ بات ہم کواکب و کرات میں نہیں پاتے پس جبکہ
کواکب و کرات حساس اور متحرک بالارادہ نہیں ایسی حالت میں متحرک ہونے کا فعل بھی اُن کے
ارادہ سے نہیں ہی بلکہ کسی اور منتظم کے ارادہ سے ہی کواکب و کرات کی حرکات کی ایسی حالت
خیال میں آتی ہی جس طرح گھڑی کو کوک دیجائے اور اس کی سوئیاں اُس معین وقت تک گردش
کرتی رہیں جب تک کو کنے والے نے اُس کا اندازہ مقرر کیا ہی یا کوئی باجہ کوک دیا جائے
اور وہ اُس وقت تک بجے جب تک اُس کا اندازہ رکھا گیا ہی - اب ہم اپنے سچے خداوند

اور برتر ہادی سے دست بدعا ہیں کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے دلوں میں وہ سچا اخلاص اور کامل یقین عنایت فرمائے کہ عمدہ اور سیدھی مسلک سے بھٹک نہ جائیں اور ناتمام خیالات کی بدولت نقصان ابد حاصل نہ کریں

نظم

نہیں سینہ مرا خاور ہی مہر حمد یزداں کا
ظہور صبح مدحت چاک ہی میری گریباں کا

دم تحریر مدحت ہی دماغ خامہ گردوں پر
پر جبریل زیر انداز ہی میرے قلمداں کا

برستی ہیں فلک سے برکتیں ایوان دولت پر
بجا ہی جس قدر رتبہ بڑھے مدّاح یزداں کا

ہیں اُس ذات مقدس کی ہوا میں صرف گفتن ہوں
چمن یاں جس کا لطف خاص ہی گلزار امکاں کا

ازل کی ابتدا اُس سے ابد کی انتہا اُس تک
وہی ظاہر ہیں شور افگن وہی گل باغ پنہاں کا

وہی ہی جس نے بخشی گوشت کے ٹکڑی کو گویائی
وہی ہی مرتبہ جس نے بڑھایا نوع انساں کا

وہی صانع ہی جس نے آنکھ کے تل میں یہ وسعت دی
سما جاتا ہی جس میں عکس صدہا کوس میداں کا

خلا کہتے ہیں جس کو ظرف ہی اک اُس کی قدرت سے
درخشاں مہر اک شعلہ ہی اُس کی طاق ایواں کا

نہاں ہی وہ مگر افعال قدرت ہیں عیاں اُس کے
جہاں دیکھو رواں سکّہ ہی شاہنشاہ پنہاں کا

زمانہ کو سمجھتے ہیں ہم اُس کا شیشۂ ساعت
بدلتا رہتا ہی پہرہ برابر دور دوراں کا

محرک اولیں ترکیب اشیا کا وہی خود ہی
وہی بے مثل بانی ہی طلسم بود وامکاں کا

تصرف مادہ میں ہی قوی کا اُس کی حکمت سے
اسی ترکیب سے ہے ٹھاٹ قایم قصر امکاں کا

کمی بیشی شکست وبست ہی سب اُس کے قبضہ میں
بناتا ہی مٹاتا ہی یہی ہے کام یزداں کا

اُسی نے چہچہا پیدا کیا منقار بلبل میں
دماغ اُس نے معطر کر دیا گُل سے گلستاں کا

دماغوں میں ہمارے کی عطا عقل رسا اُس نے
ہوا ہی جس سے عالی مرتبہ حیواں سے انساں کا

حفاظت کی ہی اُس نے بطن میں ماہی کی یونس کی
وہی سچا محافظ چاہ میں تھا ماہ کنعاں کا

فدا ہوں احمدی میں اپنے خلاق دو عالم پر
مجھے کافی ہے سنگ آستانہ اپنے یزداں کا

بزمِ خیال

چمن کی سیر میں کرتا تھا کل رات
مشوش پا کے میں نے دل سے کی بات

دل پُرجوش ضبطِ راز کب تک
خیال شوخیِ غمّاز کب تک

مرا تو مونس و ہمراز جاں ہے
خیال اس وقت کہہ تیرا کہاں ہے

گلستاں میں ہے جوشِ خندۂ گل
رہی خاموش کیوں منقارِ بلبل

غضب جوبن پہ ہے پھولوں کی لالی
غنیمت ہیں یہ ایام و لیالی

لب خاموش کو شکر فشاں کر
خیال خاص کی باتیں بیاں کر

کہا دل نے کہ اے ہم بزم عشرت
میں ہوں کل شب سے مست جام عشرت

میں اک بزم طرب میں میہماں تھا
بدل ممنون لطفِ میزباں تھا

سراپردہ میں جب داخل ہوا میں
وہ کچھ دیکھا کہ حیراں رہ گیا میں

ہجوم میہماناں دم بدم تھا
صلائے عام الطاف و کرم تھا

کوئی مست شکوہِ خسروانہ
رہینِ داب و انداز شہانہ

کوئی صوفی صفت سرگرم توحید
کوئی آزادہ وش شیدائے تجرید

کوئی مستِ خیالِ ساغر و مے
کوئی محوِ تلاش بربط و نے

کوئی اپنی خود آرائی پہ شیدا
فدائے ناز و رعنائی پہ شیدا

کوئی شمشیر در کف طالب جنگ
غرض جس شخص کو دیکھا جدا رنگ

صفیں موزوں کئے بیٹھے ہیں یکسو
صنوبر قامتان عنبریں مو

کہیں دہقاں کسی جانب کو تجار
زیان و سود میں سرگرم گفتار

مہیا جابجا کھانے کے ساماں
جہاں جس جنس کو دیکھو فراواں

پیاپے تازہ کھانا پک رہا ہے
کمر باندھے ہر اک خادم کھڑا ہے

ہر اک سے غرض بگی کہہ رہا ہے
تمھارے واسطے ساماں ہوا ہے

صلائے عام ہے سب آؤ کھاؤ
جو کچھ مرغوب ہو منگواؤ کھاؤ

جو ہیں اہلِ جماعت حصے لے جائیں
برابر ساتھیوں میں بیٹھ کر کھائیں

ولیکن منصفانہ ہو وہ قسمت
کہ تا ہر فرد ہو سرگرمِ فرحت

جسے درکار ہو مانگے یہاں سے
نہ چھینے کوئی عاجز میہماں سے

کمی یاں کچھ کسی شے کی نہیں ہے
یہ بزمِ دعوتِ شاہِ زمیں ہے

ضعیفوں کی قوی خدمت بجا لائیں
اونھیں بٹھلا کے اپنے ساتھ کھلوائیں

کریں نگرانی اہلِ قوت و زور
اڑا پائے نہ پشہ طعمۂ مور

ہنسیں بولیں پھریں دیکھیں پئیں کھائیں
سپاسِ میزباں دل سے بجا لائیں

پیامِ شاہ جب پہونچا چکا وہ
مخاطب ہو کے پھر کہنے لگا وہ

سنو اے میہمانو تم مری بات
کہ بزمِ امتحاں ہے آج کی رات

شہنشاہِ دو عالم میزباں ہے
خوشا بخت اس کا جو یاں میہماں ہے

سحر قصرِ شہنشاہی کھلے گا
سجے ہیں جس میں کمرے لاکھوں زیبا

دکھائے آج جو جیسی لیاقت
اسی درجہ کی کل وہ پائے نعمت

زباں پر میری ہے جس قصر کی بات
اسی کا نام ہے دار المکافات

سمجھ اور سوچ کر اب تم پیو کھاؤ
ملا ہے حکم جو تم کو بجا لاؤ

وہ دیکھو غرفہ ایواں کھلا ہے
تمھارا میزباں خود دیکھتا ہے

ذرا بھی کچھ چھپا سکتے نہیں تم
نظر اس کی بچا سکتے نہیں تم

کوئی جو کچھ فسوں سازی کریگا
دل اس کا اس کی غمازی کریگا

حیل شرعی نہیں آئینگے کچھ کار
گنا جاتا نہیں سچوں میں مکار

تم اس شب کو شبِ قدر آج سمجھو
زبانِ بود کی معراج سمجھو

ہر اک پل اُس کی از بس قیمتی ہے — کٹوری ہر گھڑی کی بھر رہی ہے
ہر اک کو عرض بیگی نے جتایا — مگر ہر اک نرالا رنگ لایا
کوئی تو پینے کھانے میں ہوا محو — کوئی گانے بجانے میں ہوا محو
کسی نے دستِ جبر اپنا بڑھا کر — گلا گھونٹا کسی عاجز کا جا کر
کوئی صرف خیالِ بادہ و جام — مغنّی سے غرض معشوق سے کام
کریم النفس تھے ایسے بھی اکثر — کہ کمریں باندھ کر مانند چاکر
ضعیفوں کی لگے کرنے مدارات — بدل القمیں کی جو کچھ سُنی بات
کچھ ایسے بھی وہاں آزاد دیکھے — جو یک سوئی کی دھن میں شاد دیکھے
وہیں ایسے بھی دیکھے عالی ہمت — کہ اپنے حصّہ کے خوانوں کی نعمت
لگے تقسیم کرنے خود نہ کھا کر — کریموں کی طرح سب سے چھپا کر
نظر ایسے بھی آئے پاک طینت — نہ تھی ان کو کسی شے سے بھی رغبت
سوئے ایوان شاہی لو لگائے — کھڑے ہیں دم بخود آنکھیں ملائے
بندھی ہے ٹکٹکی تن کا نہیں ہوش — بھرا ہے دل میں شوق دید کا جوش
خردمند ایسے بھی واں میں نے پائے — سوئے ایوان بھی ہیں لو لگائے
غریبوں کی بھی خدمت کر رہے ہیں — عتابِ شہ سے دل میں ڈر رہے ہیں
کھلاتے بھی ہیں اور خود بھی ہیں کھاتے — خوشی پہونچا کے ہیں خوشیاں مناتے
بہت ایسے بھی دیکھے میں نے بے باک — سمجھتے تھے جو خود کو فن میں چالاک
لگے جیبیں کترنے دھوکے دے کر — جو کچھ پایا چلے مٹھی میں لے کر
کہیں تھے پُر غضب بدکار خونخوار — جفا پیشہ ستمگر مردم آزار
غرض ہر اک تھا حالِ خاص میں محو — بطرز خود خیالِ خاص میں محو
بغور اُن کے جو میں نے دیکھے احوال — نظر آیا مجھے پھر اک نیا حال

گرمیں سب کے اک پھندا پڑا ہے
بہت باریک ڈورے سے بندھا ہے

اور اُس ڈورے میں گرہیں دی ہوئی ہیں
وہ سب نوبت بہ نوبت کھل رہی ہیں

مگر ہے مختلف گرہوں کی تعداد
نہیں مقدار اُن سب کی مجھے یاد

کسی میں دس کسی میں بیس یا تیس
کم از کم ایک زیادہ ایک سو بیس

گرہ کے آگے اور پیچھے برابر
بنے ہیں کچھ نشاں ڈورے کے اوپر

سرا ڈوری کا ہے پردے کے باہر
کوئی تھامے ہوئے ہوگا مقرّر

کشش ڈورے کی ہے باہر کو پیہم
نہیں تھمتا کسی ساعت کسی دم

نشان خاص تک جس وقت پہونچا
لگاتا ہے کوئی باہر سے جھٹکا

پتہ ملتا نہیں پھر رفتنی کا
گزرتی ہے نہ معلوم اُس پہ پھر کیا

تماشا میں نے یہ دیکھا پیاپے
بجاتا تھا ابھی اک خوش ادا نے

لگا جھٹکا کہاں پھر نے کہاں وہ
نہ آیا تھا کبھی گویا یہاں وہ

ابھی اِک شوخ محوِ زلف و شانہ
حسینِ دہر یکتائے زمانہ

خرامِ ناز میں نخوت سے تن کر
نظر کرتا نہ تھا سروِ چمن پر

یکایک کھا کے جھٹکا لڑکھڑایا
کھچا پردہ سے باہر پھر نہ آیا

کوئی ہوتے ہی داخل جھٹکا کھا کر
پھرا اُلٹے قدم صورت دکھا کر

لگاتا تھا یہ آمد شد کا ایسا
کہ اب تک ہے مجھے بالکل اچنبھا

کھچے اکثر شروعِ شب میں مہماں
پہر کی جب بجی نوبت تو پھر داں

ہوئی وہ گرمیِ محفل کہ مت پوچھ
بیان لطف ہے مشکل کہ مت پوچھ

نیاز و ناز کا اقبال چمکا
امنگوں کا بہا پُر جوش دریا

گئے مہمان بھی محفل سے کم کم
ہوا کچھ اور ہی مجلس کا عالم

مگر آدھی ڈھلی پھیکا پڑا رنگ
لگے سب اونگھنے ہونے لگی تنگ

لگے ڈوروں میں بھی جھمکے پیاپے ۔ کوئی خوش اور کوئی ناشاد اُٹھے

بوقت صبح کی میں نے نظر واں ۔ وہ محفل گاہ تھی اک ہو کا میداں

تاسّف سے ہوا میں دل میں ششدر ۔ کہا خادم نے شہ کے مت ہو مضطر

ہزاروں محفلیں ہیں لاکھوں مہماں ۔ ابھی تک تو نے کیا دیکھا ہی ناداں

شہنشاہانہ فیاضی ہے دائم ۔ ازل سے ہے ابد تک یونہی قائم

بجا لا حکم شاھی شادماں رہ ۔ ہر اک محفل کا رنگیں میہماں رہ

مطیعوں پر کھلے ہیں باب رحمت ۔ مودّب پاتے ہیں ہر روز خلعت

حضوری ملتی ہے اہلِ طلب کو ۔ خطاب قرب اربابِ ادب کو

خیال غیر سے مطلب نہ رکھنا ۔ توقع غیر بابِ رب نہ رکھنا

بُرا ہوتا ہے بدکاروں کا انجام ۔ بُرے افعال سے رکھنا نہ تو کام

کیا کر بے کسوں کی دستگیری ۔ یہی ہے شاہ کی فرماں پزیری

کسی کا حق نہ چھو یہ ہے دنائت ۔ طلب کر آستانِ شہ سے حشمت

اسی باب کرم پر رہ جبیں سا ۔ یہیں سے پائی ہے سب نے تمنّا

یہ کہہ کر خادم شاہی بعجلت ۔ ہوا مجھ سے ملا کر ہاتھ رخصت

تعجّب ہے مجھے یہ راز کیا تھا ۔ ہوئی کس طرح برہم بزم زیبا

کہا میں نے دلا افسوس مت کر ۔ ہمیں کافی ہے بابِ ربِّ اکبر

ملازم ایزدی دربار کے ہیں ۔ سہارے پر بڑی سرکار کے ہیں

خیالِ احمدی کیوں ہو پریشاں
حضورِ آستانِ پاکِ یزداں

عصائے ہمّت

یاران بزم آج پھر میرا اشتیاق دل آپ صاحبوں کی پُر وقعت توجہ کو تھوڑی دیر کے واسطے تکلیف مصروفیت دیتا ہی۔ کبھی کبھی میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ وہ کیا شے ہی جو کبھی کوہ سے بھاری اور کبھی کاہ سے سُبک نظر آتی ہی اور وہ کیا فعل ہی جو اُس کی حالت میں ایسا حیرت انگیز تغیر پیدا کر دیتا ہی۔ بہت غور کرنے سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہی کہ وہ شے انسان ہے اور وہ فعل ہمت ہے دنیا میں وہ بھی انسان ہی تھے جن کی قابل یادگار ہمتوں کی بدولت اُن کا مستحق عظمت نام زبان پر آتے ہی دل میں ایک ولولہ اور جوش پیدا کر دیتا ہی۔ وہ بھی آدمی ہی تھے جو نباتات خود رو کی طرح ہوئے اور مٹ گئے مجھکو تاریخی واقعات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اسی قدر کہتا ہوں کہ اگر ہر فرد بشر کے واسطے نہایت عالی پایہ حاصل ہونا محالات سے ہو تا ہم یہ تو ممکن ہی کہ اپنی بساط بھر کوشش کر کے اپنا بوجھ خود اٹھا کر دوسروں کے سہارا دینے پر مائل رہے اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو ایسے افراد کو میں دوسروں کی ہمتوں کے اندوختہ کا غاصب خیال کرتا ہوں۔ جو لوگ خود محنت نہیں کرتے بلکہ اوروں کے سہارے پر اپنے اوقات فضول اُمور میں صرف کرتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنے پسینے کی کمائی پر قناعت نہ کر کے دوسروں کی جیبیں ٹٹولتے ہیں صراحت اول میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو دوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ عام اس سے کہ کاہل جوان بیٹا باپ کا سہارا ڈھونڈتا ہو یا کاہل رشتہ دار اپنے رشتہ دار کا یا کاہل دوست اپنے دوست کا۔ اور صراحت دوم میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو ناجائز طور سے اوروں کی محنتوں کے سرمایوں سے فائدہ اٹھانا چاہیں عام اس سے کہ کوئی بد وضع کسی کی چوری کرے یا رہزنی یا فریب سے مال حاصل کرے یا کوئی ذی منصب کسی سے رشوت میں کچھ لے یا کسی اور ایسے ہی ذریعہ سے بحالت غیر مستحق ہونے کے کوئی مال یا فائدہ حاصل

کرے اگر میزانِ خوش ہمتی میں اندازہ کیا جائے تو اس قسم کے سب اُمور مردمانِ خوش ہمت کے واسطے سراسر ننگ ہیں مرد وہ ہی کہ گو اپنی حالت فلاکت میں گھاس کاٹ کر بسر اوقات کرتا ہو مگر گنجِ قاروں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے بلکہ اپنے پسینے کی کمائی میں بقدرِ امکان نوعِ بشر کی مدد کرنے کا ارادہ کرے میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہی کہ حاتم طائی کے زمانہ میں جو ایک مشہور فیاض گزرا ہی ایک روز حاتم کی دولت سرا میں عام دعوت تھی اور بہت عمدہ اور نفیس کھانے پکائے گئے تھے ہر طرف سے جوق جوق لوگ شریکِ دعوت ہوتے تھے حاتم کے ملازمین راستوں اور سڑکوں پر مسافرین کی تلاش میں پھرتے تھے ایک شخص لکڑیوں کا گٹھا جنگل سے فروخت کے واسطے لئے آرہا تھا تکان اور دھوپ سے پیشانی کا پسینہ ایڑی تک بہتا تھا تلاش کرنے والوں نے بہت شوق سے اُس کا استقبال کیا اور حاتم کی دعوت میں شریک ہونے کی بشارت دی لیکن اُس عالی ہمت نے بکمال جواں مردی سے کہا کہ مجھ کو تندرستی کی حالت میں حاتم کا احسان اُٹھانا پسند نہیں میں بقدر اپنے مقدور کے خود حاتم ہوں اسی لکڑیوں کے گٹھے کو فروخت کر کے اپنا بھی گزارہ کرونگا اور ایک مناسب حصہ کسی محتاج کو دونگا۔ ملازمین حاتم نے کہا کہ آج اگر حاتم کی دولت سرا پر چلنا منظور نہیں تو کل تکلیف کیجئے۔ اُس نے کمال مردانہ ناز کے ساتھ گوشۂ ابرو کج کر کے پھر جواب دیا کہ کیا میری یہ ہمت جس پر بھروسا کر کے میں نے خود کو بھی حاتم کہا ہی صرف ایک روزہ ہی؟ کیا میں کل بدہمت ہو جاؤنگا؟ نہیں بلکہ میری ہمت جواں مردوں کی مانند مستقل اور دائمی ہی میں کبھی خود کو محنت سے معاف نہ کرونگا نہ کبھی مجھ کو حاتم کے در پر جانے کی ضرورت ہوگی۔ یہ مقام غور ہی کہ گو وہ شخص ادنیٰ مزدوری سے فکرِ معیشت کرتا تھا لیکن ایسی حالت میں اُس کی عالی ہمتی کیسی قابلِ قدر تھی کہ آج تک اُس کا نام یادگار ہی۔ پھر اگر ہم اپنے ارادوں میں استقلال پیدا کریں تو کیا نہیں ہو سکتا؟ کیا ہماری قوتیں ہمارے ارادوں کی اطاعت نہیں کرتیں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ہمارے لاکھوں ابنائے جنس ہر فرقہ اور گروہ میں عمدہ کوششیں اور محنتیں کر رہے ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو کام کیونکر چلیں۔ الا روئے سخن اُن فراغت دوست افراد کی طرف ہی

جو باوصف تندرست اور توانا ہونے کے دوسروں کے سہارے پر خود کو محنت سے بچانا چاہتے ہیں۔ سب مذاہب کی کتب سے یہی امر ثابت ہی کہ انسان دنیا میں تین کاموں کے واسطے آیا ہی اوّل بندگی اور معرفت اُس خداوند کی جس نے پیدا کیا او رجس نے محض مخلوق کی فائدہ رسانی کے واسطے بڑے بڑے سامان قدرت پیدا کئے۔ دوم حصول رزق و انتظام تمدّن کے واسطے مناسب کوشش۔ سوم اپنے ہم جنسوں کو مقدور بھر نفع پہونچانا۔ بس ہمارے مقدّس خداوند نے ان کاموں کے انصرام کرنے کے واسطے ہم کو کافی قوت اور ہوش دی ہی۔ ہم انھیں اوقات عمر میں اگر کاہلی نہ کریں یہ تینوں کام کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کو لازم ہی کہ معیّن وقتوں میں آفریدگار کی پرستش کرے اور پھر معاش کے کاموں میں مصروف ہو۔ اور جو کچھ اُس سے حاصل ہو اُس کے صرف اور تقسیم میں خود کو پابند انصاف ثابت کرے۔ انصاف کا لفظ کچھ مقتدر لوگوں یا حاکموں کے نام کے ساتھ مخصوص نہیں ہی بلکہ ایک ادنیٰ مزدور بھی اپنے اور اپنے متعلقین کے حق میں انصاف کر سکتا ہی۔ بہت سی خرابیاں نسل انسانی میں انھیں دو سبب سے پیدا ہوتی ہیں یعنی اوّل یہ کہ باوصف توانائی کے محنت نہ کرنا دوسرے یہ کہ اپنے اندوختہ کو بے قاعدہ صرف کرنا ان امور سے صرف اُسی شخص کی ذات خاص کو نقصان نہیں پہونچتا بلکہ اُس کے سبب سے عام ابنائے جنس کو نقصان پہونچتا ہے۔ فرض کرو ایک کاہل لڑکا جب جوان ہو گیا اور اُس کی تندرستی ہر طرح اچھی ہی پھر بھی وہ اپنے باپ کے سہارے بسر اوقات کرنا پسند کرے تو ایسی حالت میں اُس نے اپنے حق میں یہ نقصان کیا کہ اپنے قوا کو بے کار رکھا جس سے اُس کی تندرستی میں فرق آئیگا اپنے اخلاق کو تباہ کیا۔ کیا معنی بوجہ اسکے کہ طبیعت بے کار نہیں رہ سکتی فضول اور ناجائز افعال کی طرف میلان ہوگا۔ دوسروں کے حق میں یہ نقصان کیا کہ اُس کی خوراک و پوشاک میں جو کچھ صرف ہوگا وہ بحالت اس کے کاہل نہ ہونے کے اُس کے بوڑھے باپ کا اندوختہ ہوتا جو اُس کی ضعیفی کے وقت میں کام آتا۔ یا اُس کے خورد سال بھائی بہنوں کی پرورش میں صرف ہوتا یا کسی ضعیف یا اپاہج کو دیا جاتا

یا کسی کاروبار معاش میں صرف کیا جاتا۔ اسی طرح وہ لوگ خود کو اور دوسروں کو نقصان پہونچاتے
ہیں جو باوصف تندرست و توانا ہونے کے اپنا پیشہ بھیک مانگنے کو قرار دیتے ہیں یا مدح سرائی
اور تمسخر کو یعنی خداداد قوت کو بے کار رکھ کر بدہمتی سے زبانی باتوں کا مبادلہ دوسروں کے
سرمایوں سے کرنا چاہتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے اندوختوں کو بے قاعدہ صرف کرتے ہیں وہ
بھی اپنا اور دوسروں کا نقصان کرتے ہیں اندوختوں کا ٹھیک اُس کے مواقع پر صرف کرنا
البتہ ایک نازک اور دانشمندانہ کام ہے کیا معنی اس رستہ میں بڑے پیچیدہ جال پھیلے ہوئے
ہیں قدم قدم پر پھندا ہے لیکن سب سے بڑے مضبوط اور ناقابل پناہ پھندے رسوم کی پابندی
اور نمائش و نام آوری کا شوق ہے اگر ایک عاقل آدمی اپنے پاؤں کو ایسے پھندے سے بچانا چاہے
تو اُس کے اہل خاندان اور اہل برادری یا اہل تعارف بزور وہ پھندا اُس کے پاؤں میں ڈالے
بغیر نہیں مانتے۔ غور کیجیے یہ بات سب مانتے ہیں کہ کوئی خرچ اُس وقت اور اُس قدر کرنا چاہیے
جس وقت اور جس قدر اُس کی ضرورت ہو اور یہ امر بھی عقلاً مسلم ہے کہ خرچ کرنا حصول آسائش کے
واسطے ہوتا ہے پس جس خرچ کرنے میں خرچ کرنے والے کو حقیقی آسائش ملے یا اُس کے اُن متعلقین
کو حقیقی آسائش ملے جن کا تکفل اس کے ساتھ وابستہ ہے یا اُن ضعیفوں کو آسائش ملے جو بیماری یا
بڑھاپے کی وجہ سے بے کسانہ حالت اور تکلیف میں ہوں یا اُن بے کس بیواؤں کو جن کا کوئی مددگار
نہ ہو یا اُن یتیم بے پدر لڑکوں کو جن کے مربی اُن کے سر پر سے اُٹھ گئے ہوں تو ایسی حالت میں خرچ
کرنا عین موقع پر عمدہ بارآور ہوا اگر رسوم کی پابندی اور نمائش و نام آوری کا شوق انسان کو
ایسا خیالی سبز باغ دکھاتا ہے کہ اُس کی چشم حقیقت بین پر پردہ پڑ جاتا ہے اُس کی جیبیں نامناسب
موقعوں پر خالی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اولاد کا شادی بیاہ جب شروع کرتا ہے تو اول یہ خیال کرتا ہے
کہ فلاں ہم چشم سے بڑھ کر ٹھاٹھ کرنے چاہئیں ایسے بیہودہ خیال سے اُس اندوختہ کو محض
خیالی خوشی میں پانی کی طرح بہا دیتا ہے اور انجام کار تکلیف پاتا ہے اُس کے اس فعل سے یہ برائیاں
پیدا ہوتی ہیں یعنی ایک تو سرمایہ بے جا موقع پر صرف ہوا دوسرے اُس کی دیکھا دیکھی دوسروں نے

نے اس سے بڑھ کر ٹھاٹھ کرنے کا ارادہ کیا اور اس وجہ سے وہ بھی تباہ ہوئے یا تکلیف میں پڑے
تو اُن دوسروں کی تباہی یا تکلیف کی بنا اس شخص نے ڈالی حالانکہ شادی کے واسطے ضروری امر
عقد جائز یا بقدر مناسب برادری کے لوگوں کی دعوت کر دینا ہی سوائے اس ضروری کام کے
جو فضول خرچ کئے گئے ہرگز پسندیدہ نہیں اسی طرح اکثر حضرات تھوڑی تقریبات میں تکلف
اور نمائش شامل کرکے اُسے حد تک پہونچا دیتے ہیں بعض لوگ اعتقادی رسوم میں تکلفات کو
داخل کرکے اُن اعتقادی رسوم کو بھی تکلفات کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں۔ غرض رسم کی پابندی
اور نمائش و نام آوری کی دُھن میں اس قدر روپیہ ہندوستان میں صرف کیا جاتا ہے کہ اگر وہ
روپیہ محتاجوں اور ضعیفوں اور یتیموں اور اپاہجوں کی پرورش و پرداخت میں صرف کیا جائے
تو آسمانی برکتوں کا پُرجوش بادل برسنے لگے غور کیا جائے کہ ہم کو ایک مسٹنڈے سائل کو جو ہر حالت میں پانچ روپیہ
سے کم لینا اپنی کسرشان سمجھتا ہو صرف اس خیال سے روپیہ دیں کہ اس نے ہم سے سوال کیا ہے اگر ہم نہ دینگے تو وہ بُرا کہیگا
یا بددعا دیگا حالانکہ وہ ہمارے روپیہ کو لے جا کر بھنگ خریدیگا یا چرس کے دم اُڑائیگا اور ایسی ہی بدستی میں صرف
کریگا اور ایسی سائل کی پروا نہ کریں جو نہایت تباہ حالت میں تین وقت کے فاقے سے جاں بلب ہو یا اُس کا کوئی عضو بیکار
ہونے سے محنت نہ کر سکتا ہو۔

حضرت اپنے خیالوں کو ضعفا کی طرف مائل کرو یتیموں پر شفقت کرو بیواؤں کی
خبرگیری کرو اپاہجوں کو دو اگر نام آوری ہی مقصود ہے تو اس کار خیر میں پیدا کرو اور اپنی ہمت اس باب میں ظاہر کرو
اگر رشک و تعلی کی اُمنگیں پیدا ہوں تو اس امر میں پیدا ہوں کہ فلاں شخص اس قدر ضعیفوں کی خبرگیری کرتا ہے تو اس قدر زیادہ
کی ہم کرینگے یا فلاں شخص اس قدر کم مقدوری پر بھی اس قدر سچی خیرات کرتا ہے ہم اُس سے کم مقدوری میں بھی اس کی برابری اپنا
پیٹ کاٹ کر کرینگے تاکہ ہمارا نام اُن کریموں کی فہرست میں داخل ہو جو خود تکلیف پا کر دوسروں کو فائدہ پہونچاتے ہیں یقین کرو
ایک بڑا عالیشان شہنشاہ ہمارے کاموں کی جانچ پر متوجہ ہے وہ شہنشاہ ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں کا ارتفاع سمندروں کے
عمیق گہراؤ زبان حال سے اُس کی شہادت ادا کرتے ہیں خاموش تاریکیاں پر جلال روشنیاں ایام کی گرم بازاری راتوں کے
سنسان سناٹے بیابانوں کے دم منور آیات کو کب کی معین رفتاریں اسکی قدرت کے ثبوت کے مستحکم دستاویزیں ہیں پانیوں کے جوش

مدّ و جزر کی شورشیں فصلوں کی تغیر کیفیات کی تاثیریں اسی یگانۂ بے مثل کی ابدی ہستی کے گواہان صادق ہیں **نظم**

دلِ بیتاب پھر صرف غزل خوانی ہے مستانہ
کہ جائز ہے یہ مستی میں ہو حق بے حجابانہ

عروجوں پر ہے دایم ساقیِ قدرت کا میخانہ
ہما مُنہ خُم بھرے ہیں اور لبالب جام و پیمانہ

ہی صرف اہتمام تشنہ کامان رحمت ساقی
مزیں پیمانوں سے ہے یکسر فرش کاشانہ

گدایانِ درِ دولت کی یہ اونچی نگاہیں ہیں
لگائیں ٹھوکریں گر پیش پا ہو ٹھاٹھ شاہانہ

رسا ہے نالۂ پُر درد بابِ کبریائی تک
کبھی خالی نہیں جاتا ہے غوغائے گدایانہ

تماشا کرتے ہیں ہم شاہدِ قدرت کے جلووں کا
تصوّر سے ہمارا پردۂ دل ہے پری خانہ

مودّب **احمدی** بابِ الٰہی پر جبیں رکھو
کہاں کا مطرب و ساقی کہاں کا جام و پیمانہ

اثرِ قوت

یاران عزیز۔ میں آپ صاحبوں کی پُر آرزو نگاہوں اور پرجوش سینوں پر نظر کرکے
یہ نیک فال لیتا ہوں کہ آپ صاحب بہ صدق ارادت میدان راست بازی میں قدم
بڑھانا چاہتے ہیں۔ بارک اللہ میں بھی دست بدعا ہوں کہ ہمارا پاک خداوند ہماری ہمتوں
میں وسعت بخشے۔ اس وقت آپ صاحبوں کے روبرو میں صرف چند الفاظ ہی بیان کرسکونگا
صاحبو اگر میرے الفاظ فصیح یا برجستہ نہ ہوں نہ سہی معانی سے غرض رکھیے اگر معانی
بھی مناسب فراج نہ ہوں خیر محاکمہ کرکے خود نتائج مستخرج کر لیجیے مگر یقین رکھیے کہ خیرخواہی
الفاظ کی ادا میں میرا دل میری زباں کا ہم آواز ہے میں اس وقت یہ التماس کرتا ہوں کہ
تجربہ سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ طبعی طور پر نفس انسانی حالتوں کے اتباع پر دلدادہ رہتا ہے
اور حالتوں کے اثروں کے لیسے پیچ در پیچ پھندے ہوتے ہیں کہ انسانی مدرکہ کے آزاد
اور صحیح خیالات کو ہر جانب سے پھانس کر اپنے قدم بقدم رکھنا چاہتے ہیں دانشمند وہ شخص ہے
جو احتیاط کی تیز چھری سے مضر پھندوں کو کاٹتا رہے میں ان حالتوں کی تفصیلی تشریح کو کسی
دوسرے وقت پر منحصر کرکے اس وقت صرف اُس حالت کا بیان کرتا ہوں جس کو قدرت اور
قوت کی حالت کہتے ہیں کیا معنی یہی وہ حالت ہے جو انسان کی آنکھوں کے روبرو خود پسندی
کی تیز تیز شعاعیں ڈال کر چوندھیا دینا چاہتی ہے بڑے مرد میدان وہ لوگ ہیں جو اس گلشن کی سیر
میں اپنا دامن کانٹوں میں نہ الجھنے دیں۔ یہ وہ محبوب عام حالت ہے جس کی تمنا میں ہر
ایک دل نعل در آتش ہے مگر اوج مقصود پر پہنچکر امتحانِ عقل کا طالب ہوتا ہے عاقل ایسے کام
کرتا ہے کہ بقائے قدرت و قوت ہو اور نادان وہ کام کرتا ہے کہ زوال قدرت و قوت
ہو جائے۔ الّا قابل غور یہ امر ہے کہ حالتِ قدرت کی ہوش ربا محویت نادان کو بھی یہ معلوم

نہیں ہونے دیتی کہ اُس کے نخل تمنا کی جڑ میں سیلاب زوال کو راہ مل گئی ہے۔ اگر اصلاح
اور احتیاط کے پشتہ سے رخنہ بندی نہ کی جاویگی تو رفتہ رفتہ بیخ و بن سے بہالے جائیگا۔
اگرچہ میں اس موقع پر قدرت اور قوت کی حالت سے کوئی خاص حالت قدرت و قوت
مراد نہیں لیتا ہوں بلکہ حالت قدرت میں قوت مال و قوت علم و قوت معاونین و قوت
بدنی وغیرہ بھی میرے حد بیان میں داخل ہیں تاہم میرے اس وقت کے بیان کے ساتھ
حالت قوت مالی کو کسی قدر زیادہ پیچیدگی ہوگی وہ لوگ جو اوج قدرت و قوت پر پہنچے ہیں
اُن کو اس گلزار ہوش ربا کے خیابان اول میں پہنچتے ہی دو دلکش صدائیں سمع نواز ہوتی ہیں
ایک یہ کہ میری شان بڑی ہے اور میں سزاوار تعظیم و توصیف ہوں دوسرے یہ کہ بہ نسبت
دوسروں کے میں آسایش پانے کا زیادہ مستحق ہوں یہ صدائیں سنتے ہی سرور کے دروازے
دل پر کھل جاتے ہیں اول اول لینے ان امور کا مستحق سمجھنے میں ذرا پس وپیش کرتا ہے مگر
آناً فاناً وہ صدائیں بڑھتی جاتی ہیں اور اسباب اندرونی اور بیرونی اُن صداؤں کی تائید
میں مہیا ہونے لگتے ہیں بیرونی اسباب میں اول یہ کہ اہل حاجت اپنی ضرورتوں کی وجہ سے
بضرورت اسکی تعظیم و توصیف ایسی کرتے ہیں جس کا یہ مستحق نہیں ہوتا مگر یہ سرمست صہبا سے
خود پسندی یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ تعظیم و توصیف بہ ضرورت ہے اور عارضی طور پر مکرم و معظم
قرار پایا ہے حقیقی عظمت سے بمراحل دور ہے کیا معنی حقیقی عظمت ہے وہ جو معظم کی ذات سے منفک
نہ ہو سکے مگر یہ شیدائے تعلی اپنی عارضی تعظیم و توصیف کو اپنے حق میں حقیقی خیال کرکے اپنی ذات
کی ایک ذہنی قیمت قرار دے لیتا ہے اور ایسی قیمت قرار دے لینے کے بعد ہمیشہ ہر شخص سے
اپنی ویسی ہی عظمت و توصیف کا آرزومند رہتا ہے جیسی دل میں قرار دے لی ہے پھر جس کی
طرف سے اُس میں کوتاہی دیکھتا ہے فوراً اُس کو گستاخ اور بدطینت دشمن سمجھکر بے وجہ اُس
خیالی خصومت کی بنا پر اگر قابو پاتا ہے تو انتقام لینے کا ارادہ کرتا ہے اور اس ایک طرفی دھن
میں حق و ناحق کی بھی کچھ پروا نہیں کرنا چاہتا دوسرے یہ کہ اگر یہ شخص مالدار ہونے کی وجہ

سے سامان زینت زیادہ رکھتا ہے جیسے عمدہ مکانات یا عمدہ سواریاں یا عمدہ پوشاکیں یا اور
سامان تزک واحتشام وغیرہ تو نہایت خود پسندانہ ناز سے نخوت آلود نگاہیں ہر طرف ڈالتا ہے
تاکہ اپنے ہم جنسوں کے سامان تزک کا موازنہ کرے جس جگہ یہ عارضی رونق کم پاتا ہے اُسکی
ذاتی عظمت کے بہت سے اعداد اپنی خیالی فرد میں گھٹا دیتا ہے مگر نہیں خیال کرتا کہ اپنی
ذاتی عظمت کی جو ذہنی قیمت اس نے قرار دی ہی وہ خوبی مال کے ساتھ منسوب ہے اگر ایک ہی دن
میں مال دوسروں کی طرف حوادث زمانہ سے منتقل ہو جائے تو وہ عارضی خوبی ساتھ ہی
منتقل ہو جائے گی تیسرے جب عمدہ غذائیں میسر آنے کی وجہ سے قوت بدنی بڑھ جاتی ہے یا
اتفاق وقت سے عرصہ دراز تک زمانہ مہلت دیتا ہے تو خود سوزانگیں دل میں پیدا ہو کر انا
ولا غیرے کا دم بھرنے لگتا ہے کہتا ہے میں خود صاحب قدرت ہوں اسی شوکت وقوت
کے ساتھ قایم رہونگا اگر مقدرات سے قوت بدنی اور قوت مالی کے فرحت بخش غنچے ایک
ہی گلبن پر شگفتہ ہوئے اور وہ گلبن مہلت زمانہ کے پانی سے سینچا گیا اور مذکورہ بالا اثروں نے
بزم فرحت میں رنگ جمایا تو سمجھ لینا چاہیے کہ جہاز سلامتی بہا لیجانے کے واسطے طوفان
آیا صورتیں پیدا ہوتے ہی دعوے کے الفاظ اور غرور کے افعال بے تکلف صادر ہوتے
ہیں پھر جب تک کسی ایسے کوہ حوادث سے نہ ٹکرائے جس کے ناقابل برداشت صدمہ سے
اجزائے جہاز منفرق ہو جانے کو ہوں تب تک ذہنی غلط خیالی پر علم نہیں ہوتا۔ جب ایسے
مرحلہ پر پہنچتا ہے کہ وہ عارضی قوت وقدرت اُسکی تنگ ظرفی کی پاداش میں منجانب کارگزاران
غیب چھین لی جاتی ہے اُس وقت آنکھ کھلتے ہی خود کو ایسی حالت میں پاتا ہے جیسا کسی نے
حصول سلطنت کا نشاط انگیز خواب دیکھا ہو اور اُسکی یاد میں سوائے حسرت وافسوس کے کچھ حاصل
ہونے کی امید نہ ہو۔ بڑے بڑے سلاطین ذیجاہ کی کشتیاں اسی بھنور میں آکر نذر گرداب
بلا ہو گئی ہیں حضرات ہر ایک جیتی جان اس تمنا میں مٹی ہوئی ہے کہ میں ابدی آسایش
پاؤں مگر یہ نعمت غیر مترقبہ فضل الٰہی کی بدولت اُن محتاط طبیعتوں کو ملتی ہے جو اپنے افعال

سے کے آغاز میں استرضائے یزدان پاک جل جلالہ کی طرف ایک بیم و رجا کی حالت میں ٹکٹکی باندھے
رہتے ہیں اب چند الفاظ میں کسی قدر بقیہ صراحت اُسی حالت قوت کی کرکے عذر سمع خراشی
کرنے کو ہوں یہ امر کلیتہً مسلم ہے کہ ایسے افعال جن کے ارتکاب سے انسان سزا اور پاداش
کا مستوجب ہو جاتا ہے حالت قدرت و قوت میں سرزد ہوتے ہیں ورنہ ناتوانی و ضعف
کی حالت میں ایسے افعال کے ارتکاب کی استعداد ہی نہیں ہوتی۔ اس وقت ہم سہولت
بیان کی غرض سے مثالاً حالات سنین عمر انسانی پر بحث کرکے خیالی خاکہ مرتب کرتے ہیں۔
اس پر باقی حالتوں کی دلفریب تصویریں احباب دانشمند خود کھینچ سکتے ہیں انسانی زندگی
کی ابتدائی حالت طفلی اور انتہائی حالت پیری ضعف و ناتوانی کی حالتیں ہیں پس ہم نے کوئی
طفل نارسیدہ یا پیر نود سالہ ایسا نہیں دیکھا جو بدمستیوں کے افعال کے شوق میں ناجائز
طور پر دیواریں پھاندے یا جوش عشق میں رقیبوں کو زخم پہنچائے یا رہزنی کرے یا کسی
کے گھر میں نقب لگائے بلکہ یہ افعال قوت کی حالت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہی وقت
احتیاط کا ہے ایک حاکم کے واسطے قابل احتیاط وہ محدود وقت ہے جبتک وہ چار بالش
حکومت پر جلوہ افروز ہے احتیاط کرنے سے اُسی محدود وقت میں ملک کو سرسبز کرسکتا،
ستم رسیدوں کو فیض انصاف پہنچا سکتا ہے دردمندانہ آہوں کو طرب انگیز قہقہوں سے بدل
سکتا ہے اپنی اُلفت اور یاد کا تخم اُن محفوظ کیاریوں میں بو سکتا ہی جن کا اصطلاحی نام دل در
سینہ ہے بد احتیاطی سے اسی مدت معینہ میں وہ چمنوں کو جنگل شہروں کو ویرانے خندۂ دل
ناکو گریۂ تلخ بنا سکتا ہے۔ عام طور پر لفظ حکومت کے معنی لیے جائیں تو ایک ادنیٰ عہدہ
دار اپنے ماتحتوں پر حاکم ہے بلکہ ایک باپ اپنی اولاد اور ایک سرپرست خاندان اپنے
خاندان پر حاکم ہے اور ان سب کی حکومت کا یعنی قوت و قدرت کا زمانہ احتیاط کا زمانہ ہے
اگر اس موثر وقت میں اپنے اور اپنے ماتحتوں کے درمیان ایک منصفانہ حد قائم کرکے
اُس سے تجاوز نہ کیا تو حقیقی کامیابی حاصل کی ورنہ وبال ابدی سمیٹا۔ خوشا وہ عالی ہمت

جو اپنے توابعین کے اکرام و ناموس کا مثل اپنی ذات کے محافظ ہو اور اُن کی آسائش رسانی میں ساعی رہے۔ صاحبو۔ اگر تمہارا پنجۂ نیرو اپنے مقابل کے ہاتھ مروڑنے کی قوت رکھتا ہے تو بجائے اس کے کہ ایک ہم پنجہ کی قوت زائل کرو ایک غرق چاہ ادبار کی دستگیری میں امتحان قوت کرو قوت کے وقتوں کو جو قیمتی ہیں بیکار صرف نکرو کیا معنی بیکار لوگ بستان تمدن میں نباتات خودرو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ نہ ایسے مشاغل میں صرف کرو جن کے نتائج آیندہ خوف دلانے والے ہوں عمدہ اور کارآمد مشاغل میں صرف کرو یہ قوت کے اوقات ایام بہار ہیں جو غایت عجلت سے طائر تیز پرواز کی طرح اُڑے جاتے ہیں میرے گمان میں تو یہ گلشن ایجاد جس کو دنیا کہتے ہیں ایک تجارتی منڈی ہے ہمارے مالک اور معطی نے ہماری جیب حیات میں عقل و قوت کے نقود بقدر وسعت دیکر بیوپار کے واسطے ہم کو بھیجا ہے اب ہمارا سلیقہ اور سمجھ ہے خواہ ہم جیبیں خالی کرکے ناکام پھر جائیں یا خوش سلیقگی سے منڈی کی سیر کا حظ اُٹھائیں اور پر نفع اجناس بھی خرید لے جائیں۔ اے ہمارے برتر خداوند اور اے ابدی شہنشاہ تیری ہی مدد سے ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

نظم

تجکو اس میلے میں گر پر نفع سودا چاہیئے ۔۔۔ شوق استرضائے خلّاق توانا چاہیئے

ہو اگر دل کو شکر خند طرب کی آرزو ۔۔۔ غیر کے آنسو بشفقت سے پونچھا چاہیئے

طور کے جلوہ کا طالب ہے تو غفلت کس لیے ۔۔۔ جوش ذکر ربِّ ارنی مثل موسیٰ چاہیئے

اندمال زخم ناکامان بیکس کے لیے ۔۔۔ مرہم کافور ہمدردی کا پھاہا چاہیئے

منعموں سے کہتے ہو حاضر ہیں خدمت میں ہم ۔۔۔ بیکسوں سے بھی کبھی پوچھا کرو کیا چاہیئے

اس چمن میں رخ بدلتا ہی ہوا کا دمبدم ۔۔۔ خواب راحت کب تلک کروٹ بدلنا چاہیئے

ہے زمین و آسماں کا فرق قول و فعل میں ۔۔۔ احمدی جو منہ سے کہتے ہو وہ کرنا چاہیئے

پاسخ

حضرات ! میں نے ایک مضمون اودھ اخبار کے چند صفحات میں دیکھا ہے مصنف مضمون ایک عالی دماغ یورپین ہیں جن کا نام نامی نارمن پیرسن صاحب ہے ۔ یہ مضمون رسالہ نین ٹینتھ سنچیوری سے ترجمہ ہوا ہے ۔ مضمون کے مطالب پر غور کرنے کے بعد بیساختہ میرے دل نے چاہا کہ میں اُس کے متعلق کچھ خامہ فرسائی کروں ۔ مجکو شوق مناظرہ نہیں نہ اس غرض سے جواب مضمون لکھتا ہوں بلکہ وجہ میرے جواب لکھنے کی یہ ہی کہ مصنف مضمون نے عام مذاہب کے کل اصول کو بطرز خاص ذکر کرکے ایسی بحث کی ہے جس سے مذاہب کی وقعت اہل مذہب کے دلوں سے کم ہو جائے ۔ اگرچہ زیادہ تر خطاب اُس کا مسیحی مذہب والوں کی طرف ہے اور اس وجہ سے ہم کو جواب دینے کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ مصنف مضمون نے ایسے عام مسلمات مذہبی سے بحث کی جن کو اکثر مذاہب سے اپنے اپنے طور پر مشترک تعلق ہے ۔ جیسے بہشت و دوزخ یا مواعظ مذہبی کے اثروں سے بحث کی ہے ایسی حالت میں ہمارا جواب دینا گویا اپنے اُن ہم کیشان اسلام کی خدمت کرنا ہی جن کے دلوں کو ملاحظہ مضمون سے کچھ تردد پیدا ہوا ہو یہ بھی غرض ہی کہ شاید مصنف مضمون کی نظر سے ہمارے خیالات گذریں اور کوئی حرف یا فقرہ اُن کو پسند آکر موثر ہو ۔ مضمون بہت طول ہے میں اُس کے مطالب کی ضروری عبارت کا ذکر کرکے اپنے خیالات ظاہر کرونگا ۔ مصنف مضمون اس عبارت سے آغاز مضمون کرتا ہے کہ اگر حیات بعد الممات کوئی شئے ہے تو انسان کے واسطے بڑا اہم مسئلہ ہے ۔ اگرچہ کتابوں میں بہت کچھ اقرار و اعتراف کیا گیا ہے لیکن کسی کو پروا نہیں تعلیمات مذہبی میں بہت کچھ زور دیا جاتا ہے کہ دنیا فانی ہی اور بقا اُسی رنج و راحت کو ہے جو دوسرے عالم میں ملنے والی ہی پس اس عالم کے عیش و آرام کو چھوڑ کر اپنی قوتوں اور امیدوں کو آئندہ کے لیے جمع رکھنا چاہیے لیکن ان نصیحتوں سے کچھ تشفی نہیں ہی ۔ عالم بقا میں گو انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر اس عالم میں ہمکو محنت کرنا چاہیے

اور ہر وقت عاقبت کا خیال کرنے سے محنت کرنے کی قوت مشغول ہو جاتی ہے۔ عیسائی لوگوں کا بہشت اور دوزخ کی نسبت جو خیال ہے ان خیالوں کا اثر انسانی افعال پر بہت کم پہنچا ہے یہودیوں کے انکار عاقبت سے لوگوں کو اکثر واقفیت ہوگی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ معتقد اسباب کے ضرور تھے۔ مشرقی مذہبوں میں موت یا تو فنائے مطلق تصور کی گئی ہے یا ذات خدا میں مل جانے کی ایک ابتدائی نوبت خیال کی گئی ہے۔ ان دونوں متضاد باتوں کا اثر انسان کے دل پر یکساں پایا جاتا ہے مطلقاً معدوم ہو جانے کا خیال باطل ہے جہاں تک وجود کو ترقی ممکن ہے اعلیٰ ترین کیفیت پر پہونچنا ممکن ہے۔ فنائے مطلق کے یقین کرنے والے خوف وامید کچھ نہیں رکھتے جس کو یہ امید ہے کہ وہ خدا کی ذات اصلی میں مل جائے گا وہ بھی بہتر حالت میں نہیں البتہ برائے نام یہ کہہ سکتا ہے کہ حیات ابدی ملگئی ایسی حیات سے تا وقتیکہ وہ ذی حیات فلسفانہ خیال میں مستغرق نہو اُس کے واسطے کوئی خوشی پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے معمولی آدمیوں کے افعال پر ایسے خیالوں سے اثر نہیں پڑتا۔ اُس کے بعد رومیوں کی سلطنت کے زمانہ کے اعتقادات ظاہر کئے گئے ہیں عسر وفصیح کا ذکر کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے لیے کچھ نہیں ہے۔ اگر ہے تو خوشی اور آرام کی زندگی ہے اس کے بعد چند سطور میں تاریخی ذکر کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سنہ ۳۰۰ عیسوی تک عاقبت ایسا امر تصور کی جاتی تھی جس کی نسبت تعلیم یافتہ مطلق خیال رجوع نہیں کرتے تھے اور نہ اُن کو عاقبت کی پروا تھی اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ عیسائیت کی ترقی نے ان غافل سونے والوں کو نہایت بے سلیقگی کے ساتھ چونکا دیا دنیا ایک ایسے مذہب کے مواعظ سے درہم برہم کر دیگئی جس نے یہ تعلیم کیا کہ ناجی فقط معدودے چند ہیں، باقی گروہ دنیا ابدالآباد تک قعر جہنم میں جلا کریگا اور انسان کی نجات صرف نکوکاری پر منحصر نہیں ہے، بلکہ صحیح مسائل الہیات کے قبول کرنے پر نجات موقوف ہے اس وقت سے عاقبت کا خیال ہیبت سے وقیع معلوم ہونے لگا لیکن جب یہ خیالات پُرانے ہوگئے تو ہادیان مذہب نے انواع اقسام کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا بیان کرنا شروع کیا کہ سامعین کا خوف سے دم نکلنے لگا۔ اس کے ایسے نتایج خراب پیدا ہوئے کہ بعض لوگ تارک الدنیا ہونے

لگے۔ بہتر ہے کہ اس کے متروک کرنے کی فکر کی جائے۔ اس کے بعد ایک عبارت میں بیدار دل کے اجمالی خیالات ذکر کیے گئے ہیں۔ پھر بیان ہوا کہ بہتر ہی کہ اس مقدس نجات پر ہم نکتہ چینی کریں اور پھر یہ تحریر ہوا ہی کہ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا حقیقت میں دنیا کا بڑا حصہ جرائم اخلاقی یا غلط فہمی مسائل الہیات کی وجہ سے ابد تک مورد عذاب رہنے کا مجرم قرار پا جاویگا۔ پھر دو تین سطر میں لکھ کر سوال کیا ہی جس کا حاصل مطلب یہ ہی کہ ممبر پر اہل چرچ جو مسائل عذاب و عقاب بیان کرتے ہیں کیا اُس پر انسان کو یقین ہو جاتا ہی۔ پھر خود ہی بیان کیا ہی کہ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ذکر کیا گیا ہی کہ اگر ہم ہدایت اور صلاح کی امید پر حکما کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُدھر بھی ٹھکانا نہیں لگتا۔ حکما کے خیالات دو طرح کے پائے جاتے ہیں۔ حکمائے قائلین عالم مادّی مرنے کے بعد انسان کے فنا و معدوم ہو جانے کے قائل ہیں اور حکمائے منکرین عالم مادّی بعد مرگ موجود رہنا تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے بعد چند سطور میں ایک ضمنی عبارت لکھ کر یہ لکھا کہ بہشت و دوزخ کے عیش و تکلیف کا باوصف متالہین کی تمام کوششوں کے ابتک اثر کم پڑا ہی۔ اور دنیا کے فوائد و راحت و رنج ہم پر خوبی اثر کر رہے ہیں ہم کو یہ زندگی ایک راحت کی زندگی معلوم ہوتی ہے اور ہم کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہی کہ ہمارے عیش کے کیا کیا سامان ہیں جہاں جسمانی کیفیت نہیں وہاں کے لیے ہم عیش و آرام کی ایک خیالی تصویر کھینچکر اپنا دل کیونکر سمجھائیں۔ پھر چند سطور میں اہل دین کی توجہات کا ذکر کر کے بیان کیا ہی کہ خدا نے جو قادر و رحیم ہی دوزخ کو پیدا کیا اہل دین کا تعصب اس بات پر مصر ہی کہ یہ صفتیں ساتھ ساتھ خدا کی ذات میں موجود ہیں۔ لیکن اگر خدا دوزخ کو معطل کر سکتا تھا اور نہیں کیا تو رحیم نہیں ہی اگر معطل کرنا چاہتا تھا مگر نہ کر سکا تو قادر نہیں ہی۔ کیا انسان ستر برس کے گناہوں سے ابد تک عذاب الیم میں مبتلا رہے گا تو یہ خلاف انصاف ہے اہل مذہب ذات خدا میں صفات ذمیمہ کو داخل کرنے سے انکار کرتے ہیں پھر اخلاقی اعتبار سے ایسے ذی وجود کو سرچشمۂ اخلاق نہیں کہہ سکتے جسمانی کیفیت کے لحاظ سے بھی تکلیفات دوزخ کی تسلیم میں دقت ہے مذہب والے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اپنے جسم کے

ساتھ زندہ کیے جائیں گے اور اپنے اعمال و افعال کی جوابدہی کرنی پڑیگی۔ لیکن مرنے کے بعد کہاں سے وہی جسمانیت آجائیگی جو زندگی میں تھی۔ اس کے بعد آکسیجن نائٹروجن کاربن کے ذرات کا ذکر کرکے چند سطور کے بعد بیان کیا ہی کہ ہم اس قید کے اپنے دنیا کے جسم کو قیامت کے دن اُٹھنے کے لیے قایم نہیں رکھ سکتے اور اگر مرنے کے بعد اُسی طرح کے جسم میں زندہ نہ کئے جائیں گے تو دوزخ کی آگ سے ہم کو مطلق خوف نکرنا چاہیے۔ پھر اسکے بعد اہل چرچ کے خیالات کا ذکر کرکے بہشت کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بہشت میں ابد تک عبادت کرنا صرف اُنھیں لوگوں کو اچھا معلوم ہوگا جو شادی مرگ کی سقیم حالت میں مبتلا ہونا چاہتے ہوں زندہ دل آدمی کے دل پر اس خیال سے کچھ اثر نہو گا پھر ذکر کیا گیا ہی کہ مذہب بذات خاص کوئی ایسی شے نہیں جس کا ابد تک رہنا مقصود ہو۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مذہب سے تہذیب درست ہوتی ہی انسان کا تزکیۂ باطن ہوتا ہی دل کو اطمینان اور تسلی رہتی ہے لیکن اس بات کے ہم قائل نہیں کہ جو مذہب دنیا میں جاری ہیں اُن میں کوئی مذہب اس واسطے بنایا گیا ہو کہ ایجاد کی علت غائی وہ تھی اور وہی مذہب ابدالآباد تک قائم رہے۔ انسان کے دل میں جوش و خروش پیدا کرنے کے واسطے وہ اعلیٰ درجہ کی قوت ہے۔ کوئی دوسری قوت اُس کی برابری نہیں کرسکتی لیکن دماغی ترقی میں اُسی سے ایک نوع کا خلل واقع ہوتا ہی۔ اس کے بعد حکماء قائلین عالم مادّی کے خیال کی کسی قدر صراحت کرکے یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان میں ایک قوی اور بہت ہی عام شعور طبعی ہی جو اس بات پر اصرار کیے جاتا ہی کہ مرنے کے بعد زندگی ابد تک قائم رہے گی۔ اس دلیل سے منطقی طور کا کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا زیادہ سے زیادہ علت و معلول کے اعتبار سے وہ ایک سبب اعتقاد کے جانچنے کا ہو سکتا ہی۔ اس کے بعد قائلین عالم مادی کے خیالات پر اس عبارت سے اعتراض کیا ہی کہ مسئلہ حکمیہ کے مطابق ایک حال پر قائم نہ رہنا چاہیے اور قوت کے ظہور میں یہ ایک خاصیت خاص پائی گئی ہے کہ مفرد طریقہ کی قوت زیادہ مرکب ہوتی جاتی ہے مسٹر ماڈسلی نے ثابت کردکھایا

ہی کہ روحی قوت ایک خفیف قوت ہی پیدا کرنے کے واسطے اس سے بھی کم مقدار کی مرکب اور صنعتی قوت درکار ہوتی ہی اور مرکب حیاتی قوت میں ترقی کرسکتی ہی۔ اس اعتبار سے معلوم ہوتا ہی کہ قوت کی رفتار ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کی جانب عروج پذیر ہوتی ہی۔ اسی طرح تنزل بھی واقع ہوتا ہی جس طرح مرنے کے بعد آلات جسم کی قوت زائل ہو جاتی ہی۔ لیکن تنزل کی رفتار ایک صنعت خاص کی پابند معلوم ہوتی ہی۔ اس امر کے باور کرنے کی وجہ پائی جاتی ہی کہ ذی حیات آلات کا مادہ مرنے کے بعد ہمیشہ جسمانی انقلاب ہیئت کی ٹھیک معکوس راہ اختیار نہیں کرتا اور کسی ذیحیات مرکب میں مستعمل ہو جانے کے قبل ہمیشہ زور نہیں کرتا۔ جس طرح طبعی قوت کی ترقی کی ترتیب کے ساتھ روحی اور کیمیائی قوت سے ارادی اور حیاتی قوت تک عروج حاصل کرتی ہی اور ادنیٰ قسم کی ذی حیات سے اعلیٰ قسم کی ذیحیاتی تک ترقی ہوتی ہی۔ اُسی طرح باطنی ترقی میں بھی کو اُلفت حسیہ اور نفس امارہ اور قوت باعثہ اور قوت مجوزہ سے ترقی ہوتے ہوتے ایک اعلیٰ باطنی قوت یعنی نیت نیک پیدا ہوتی ہی اور جب روحی قوت ترقی کرکے کسی ذیحیات قوت تک عروج کرجاتی ہی تو پھر بالعوض اُس کے متنزل ہوکر روحی قوت کی حالت پر پہونچ جانے کے بجائے وہ اپنی اصلی کیفیت پر قائم رہ جانے کی طرف مائل ہوتی ہی۔ اس کے بعد حکمائے قائلین عالم غیر مادّی کا ذکر کرکے رائے ظاہر کی ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہی کہ ان حکما کے بیان سے عاقبت کا وجود ثابت ہوتا ہی لیکن سوائے زبانی اقرار کے اور کچھ نہیں۔ جب ہم تمام عالم کو فقط ایک روح تصور کرتے ہیں تب بھی دقت ہی کیونکہ مادّہ ونفس ذہن جسم و روح میں اپنے اپنے طور کا امتیاز ہی ہم مادّہ کو تصور کرسکتے ہیں لیکن جوہر یا روح یا نفس ذہن کو تصور نہیں کرسکتے۔ اگرچہ حکما کے اقوال سے دوزخ کا خیال باطل ٹھہرتا ہی اور اس بارہ میں اہل دین کے مسائل پر اُس کو تفوق ہی لیکن بہشت کا خیال جو اُن کے اقوال سے پیدا ہوتا ہی اگرچہ وہ اہل چرچ کے بہشت کے بیان کی طرح قابل قبول نہ ہو لیکن ان اقوال سے بیشک ایک حالت آرام کی قیاس کی جاتی ہی اور یہ سچ ہی باطنی خوشی بیشک صحیح ہی اور اس میں گنجایش اعتراض کی نہیں ہی۔ اس کے بعد چند سطور میں قاضی

بحث کرکے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اُن حکیموں کی رائے بر سر صواب ہے جو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہم درجہ بدرجہ علی الاتصال ترقی کرتے جائیں گے۔ اور وقتاً فوقتاً روحانیت بڑھتی جائیگی۔ ہمارے دورانِ زندگی کی ہر ایک نوبت میں کسی کسی قدر ترقی ہوتی جائیگی تاکہ دوسری نوبت میں اطمینان سے رہیں۔ میں ایک مثال دیتا ہوں جس وقت کوئی کُشتی گیر کُشتی کا قصد کرتا ہے تو وہ اوّل غذا اور کسرت کے ذریعہ سے خود کو اس کام کے لایق بناتا ہے۔ ضعیف الدماغ اور بے پروا لوگ ایسی باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حال آنکہ ترک کرنا نہ چاہیے۔ کیونکہ ایسی محنتوں کا بقدر اُن کے نعم البدل ملتا ہے۔ اسی طرح جس کی روحی قابلیت باطنی اسقام سے گھٹ جائیگی مقابلہ کے وقت اُسی قدر اُس کو روحی اذیت پہونچے گی۔ اعلیٰ درجہ کی خوشی ہم کو اُس وقت حاصل ہوگی جب انسان اور انسان کے علایق متحد ہو جائیں گے۔ جب تک وہ اس درجہ تک نہ پہنچے تمام مصیبتوں میں مبتلا رہے گا۔ پس ہم اور ہمارے علایق کے متحد ہو جانے کا نام بہشت ہے اور دوزخ اُن تکلیفات کا نام ہے جو انسان کو موجودہ حیثیت سے بڑھ کر کام کرنے میں حاصل ہوں۔ بہشت کوئی ایسی عجیب شے نہیں جس کو خدا نے کسی خاص معتقدین مذہب کے واسطے رکھ چھوڑا ہو۔ اسی طرح دوزخ بھی کوئی مقام سزا نہیں۔ پھر بیان کیا گیا ہے کہ خواہ یہ مسئلہ صحیح ہو یا غلط لیکن نہ علم آلہیات سے مستعار لیا گیا نہ کسی حکیم کے قول سے واسطہ ہے بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرنے کے مسئلہ پر منحصر ہے جو روزمرہ تجربہ سے ثابت ہے۔ میری طرح قائلین خدا اس ضابطہ ترقی کو خدا کی مشیت پر محمول کر سکتے ہیں مگر خدا کی صفتوں سے متعلق نہیں کر سکتے۔ نیکی اور بدی راحت و رنج کی نسبت جو ہمارے خیالات ہیں وہ بالکل ہمارے علایق پر منحصر ہیں۔ قوت کے افعال نے جب ایک خاص روحی کیفیت اشیا کی پیدا کردی تو زندگی کی بعض مخصوص صورتیں ظاہر ہوئیں لیکن قیام فقط اُنھیں صورتوں کو ہوا جو اپنے روحی علایق کی مناسب حال تھیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ لکھوکھا مخلوقات جو کامل طور سے متصف نہ تھیں ہلاک ہوگئی ہیں۔ ایک صورت سے دوسری صورت فطرتاً اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے۔ خارجی قوتیں متحقق طور پر افعال کے خلاف ہیں۔

زندگی کی ایک صورت جو دوسری صورت سے ادنیٰ ہو اُس کے قیام کی فقط ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ان قوتوں سے مقابلہ کرے یا اُن کے ساتھ رکھنے کے زیادہ مناسب حال ہو کر زمین پر موسموں کے خفیف تبدیل ہونے یا اُس کے ارکان کے منقسم ہو جانے سے دونوں صورتوں کے نتیجوں کو خلاف ایک دوسرے کے واقع ہونا چاہیے۔ ممکن ہے کہ رحمت کا بھی اثر ہوتا ہو۔ ہم قادر مطلق کو صانع نہ کہنے کی حالت میں بھی یقین کر سکتے ہیں کہ ہوتا ہوگا مگر ثابت نہیں کر سکتے۔ درجہ بدرجہ ترقی کرنے کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ترقی کا عمل برابر ہوتا جائے گا خواہ کوئی خدا ہو یا نہو۔ اس کے بعد ایک بحث کی گئی ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہماری کیفیت آیندہ روحانیت میں ایک بڑی ترقی کی گئی لیکن بدون تعلق مادّہ کے یہ ترقی ناممکن ہے کیونکہ علم طبعیات کے خلاف ہے۔ اس بحث کے ثبوت میں یقینی علم حاصل ہونا غیر ممکن ہے ایسی حالت میں قیاس بھی گراں قدر ہے۔ روح بدون تعلق مادّہ کے کبھی پائی نہیں گئی روح اور جسم علی التساوی قدیم ثابت ہوتے ہیں۔ حدوث کسی کا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ آیندہ جسم کا فنا ہو جانا خلاف قیاس ہے کیونکہ جس حالت میں عدم محض سے کسی شئے کا موجود ہو جانا خلاف قیاس ہے تو بالعکس اُس کے موجود سے معدوم ہو جانا بھی خلاف قیاس ہے اس محل پر ماہرین علم فلسفہ و الٰہیات سب رُک جاتے ہیں۔ ابتدا میں روح اور جسم کا بغیر کسی علت کے پیدا ہو جانا ثابت بھی ہوتا ہے خلاف قیاس بھی ہے۔ پھر ایک بحث کی گئی ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر بہشت میں فقط روحانیت ہوئی جسم نہ ہوا تو ہماری خوشنودی کے احتمال کا بہت بڑا حصہ جاتا رہے گا۔ کیونکہ ہم بہشت کی خوشی کا خیال جب کرتے ہیں تو مفہوم ہمارا دنیا کی خوشیوں کے خیالات پر ہوتا ہے۔ پھر ایک بحث شروع کر کے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اہل مذہب جو بہشت کے مشاغل کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ وہاں ایسے مشاغل ہونگے کہ دنیا کی طرف مطلق رغبت نہ ہوگی۔ اور وہاں کی لذتیں دنیا کے مزوں کے مغائر ہوں گی یہ بیان فرضی معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب جسمانیت باقی نہ رہے گی تو ان خیالوں کا قیاس کرنا محال معلوم ہوتا

ہے۔ ہماری فطرتی عقل ہم کو اس امید رکھنے پر مجبور کرتی ہے کہ بہشت کا دروازہ ہر شخص کے
لیے کھلا رہیگا۔ یہ کب ہوسکتا ہی کہ بندوں کا ایک بڑا حصہ ابد تک عذاب الیم میں مبتلا رہیگا۔
جس کو ہم غلطی سے روح کہتے ہیں وہ موت کی ایک مرکب صورت ہے قوت ہمیشہ اعلیٰ کی جانب
عروج پذیر ہوتی ہے یعنی زیادہ مرکب ہوتی جاتی ہے۔ طبعی قوت کی ایک معین مقدار سمٹتے
سمٹتے ایک مقدار کی کیمیائی قوت ہو جاتی ہی۔ اس کے بعد اُس کو اور ترقی ہوتی ہے تو مقدار
میں کم مگر خواص میں بہت اعلیٰ ہوتی ہے۔ جاندار ہو جانے کے بعد اُس کی ترقی موقوف
نہیں ہوتی۔ روح اس قوت کی ایک اعلیٰ کیفیت ہے۔ جب قوت اس کی کیفیت پر پہنچ
جاتی ہی تو اُس کی ترقی اس بات کے لیے کافی ہوتی ہے کہ ایک شخص خاص کا کانشنس
یعنی وقوف مطلق پیدا کردے۔ اگر بقول حکما یہ سچ ہی کہ کثرت عالم کے نیچے ایک وحدت
روپوش ہے تو نفس ذہن میں ادنیٰ درجہ کی قوت اعلیٰ درجہ کی قوت کی طرف ترقی کرتی
جاتی ہی۔ ترقی کرتے کرتے وہی قوت کانشنس کے درجے کو پہنچ جاتی ہی۔ سائنس سے
معلوم ہوتا ہی کہ عالم مادی میں بھی یہی طریقہ جاری ہی ادنیٰ درجہ کی مخلوقات جاندار محض مضغۂ
گوشت ہیں۔ بعضے اُن میں مسامات اور حس و حرکت نہیں رکھتے صرف جاندار ہوتے ہیں۔
بعضے جاندار حد حیوانات و نباتات کے درمیان ہوتے ہیں۔ دوسرے درجہ میں حیوانات
ذی مسام ہیں مگر وہ بھی عمدہ حالت میں نہیں اگر ایسے حیوانات اپنی اشیاے گرد و پیش کے مناسب
حال ہوتے ہیں تو زندہ رہتے ہیں ورنہ مرجاتے ہیں رفتہ رفتہ مناسب ترین مخلوق زندہ رہتے
رہتے اعلیٰ درجہ کی مخلوق ہو جاتی ہی خارجی حوادث سے اُس کی حس و حرکت بڑھ جاتی ہی۔ اسی
طرح ترقی کرتے کرتے کیڑے استخواں دار حیوان کی شکل میں ترقی کرجاتے ہیں باطن میں وہی
قوت ترقی کرتے کرتے وقوف مطلق پیدا کردیتی ہی۔ مرنے کے بعد ہم خوشی سے مستفید ہونگے۔
حیات آیندہ میں توالد تناسل نہ ہوگا اسکی ضرورت بھی نہ ہوگی ذہنیات میں ترقی ہوتی رہیگی۔
خواہش جماع نہ ہوگی اور پھر انسان ایسے اعلیٰ درجہ کی نوبتوں پر پہنچکر موت سے متضرر نہ ہوسکیگا

انقلاب کسی دوسرے طریقہ سے ہوتا ہے گا ان حالتوں میں ہمارا خدا سے کیا تعلق ہی میرا عقیدہ خدا کی نسبت عملاً ایک انکاری طور کا ہے اور بجز اس عقیدہ کے اور عقیدہ ممکن بھی نہیں۔ باعتبار ذات میں خدا کے وجود پر یقین رکھتا ہوں گو میں اس کے خلاف اعتقاد رکھنے میں کوئی امر خلاف اخلاق نہیں پاتا میں عالم کو متشکل فی الخارج تصور کرتا ہوں ان اشکال کے لیے اُسی طرح کی علت درکار ہی ایسی علت کو میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہی لیکن ایسے خدا کو میں ادراک نہیں کرسکتا۔ اخلاق اور نیکی حالت کمال پر پہنچکر معدوم ہوجائیں گے کیونکہ نیکی سے بدی کا احتمال پیدا ہوتا ہی اور بدی کا ہونا خلاف قیاس ہی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان سب باتوں کا خاتمہ ہوکر درجہ بدرجہ ترقی کا عمل ختم ہوجائے گا تو کیا مستقل حالت قایم ہوجائیگی تو جواب یہ ہی کہ ہم حالت اطمینان کو عزیز اور تغیر و تبدل کو بُرا سمجھنے کے عادی ہوگئے ہیں دنیا کا انجام حرکت ہی نہ کہ سکون پس تغیرات سے ہم کو کوئی تکلیف یا بےچینی نہ ہوگی کیونکہ ہماری ساخت فوراً ضرورت کے مطابق موزوں ہوتی جائیگی معہذا ابد تک وجود کے ہوتے جانے کی تکلیف اور دقت نہیں ہوگی۔ بلکہ برابر کیفیتیں بدلتی رہیں گی لیکن اس تغیر سے ہم پر علم اور عیش اور خوبصورتی کی نئی نئی باتیں منکشف ہوتی رہینگی۔ غرض اس تقریر کا حاصل مطلب مفصلہ ذیل امور ہیں۔ اول یہ کہ مذاہب کے اصول غلط ہیں اور بانیان مذہب کے خیالات غلط تھے۔ دویم یہ کہ ہادیان مذہب کے مواعظ غیر موثر ہیں اور اُن پر متوجہ ہونے سے محنت کی قوت ضعیف ہوجاتی ہی۔ سوم یہ کہ تکلیفات عاقبت کا ذکر ہونے سے خراب نتایج پیدا ہوئے۔ چہارم یہ کہ بڑے اصول مذاہب جو دوزخ و بہشت فرض کی گئی ہی وہ غلط ہی بلکہ دوزخ و بہشت وہ ہی جو مضمون میں قیاس سے فرض کی ہی۔ پنجم یہ کہ دوزخ کا عذاب و عقاب نہ ہوگا کیونکہ جسم بعد مرگ باقی نہیں رہ سکتا اور بحالت قایم نہ رہنے جسم کے عذاب نہیں ہوسکتا۔ ششم یہ کہ نجات کیواسطے مسائل آلہیات کا قبول کرنا شرط نہ ہونا چاہیے۔ ہفتم یہ کہ کیا ستر برس کے گناہوں سے ابدی عذاب کا کوئی مستحق ہوسکتا ہی۔ ہشتم یہ کہ بہشت میں دنیا کی معمولی راحت و آرام کے سامان نہ ہونے سے انسانی روح فرحت حاصل نہیں کرسکتی۔ نہم یہ

کہ مذہب سے تہذیب و تزکیۂ باطن ہوتا ہے تسلّی رہتی ہی لیکن دماغی ترقی میں خلل پیدا ہوتا ہی۔ دہم
یہ کہ خدا نہیں ہی اگر ہو تو امورِ عالم سے اُس کو کوئی علاقہ نہیں۔ امورِ عالم اُس کی مشیت سے ہوں تو
ہوں مگر اُس کی صنعت نہیں ہیں۔ یازدہم یہ کہ خدا نہ علیم ہی نہ قدیر ہی۔ نہ ہم کو یا کسی کو خدا سے کوئی
نفع یا ضرر پہنچتا ہی۔ دوازدہم یہ کہ سب درجہ بدرجہ ترقی کرتے جائیں گے۔ اعلیٰ ترقی پر پہنچکر موت
سے متضرر نہ ہو سکیں گے۔ توالد تناسل کا قاعدہ اُٹھ جائیگا۔ ذہنیات میں ترقی ہوتی رہیگی۔
انقلاب کسی دوسرے طریقہ سے ہوتا رہیگا۔ سیزدہم یہ کہ دنیا کا انجام حرکت ہی نہ سکون۔ چہاردہم
یہ کہ ہم کو تغیرات سے کوئی تکلیف نہ ہوگی ہماری ساخت ضرورت کے مطابق موزوں ہوتی جائیگی
ابد تک برابر کیفیتیں بدلتی رہین گی۔ اس تغیر سے ہم پر علم و عیش و خوبصورتی کی نئی نئی باتیں منکشف
ہوتی رہین گی"۔ یہاں تک میں نے مصنف مضمون کے مطالب کی صراحت کی اب میں بقدر
فہم خود جواب عرض کرتا ہوں اور جوابی عبارت میں مصنف مضمون کو میں صرف لفظ مصنف
سے خطاب کرونگا۔ امر اول کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہی وہ محض تحریری بیان ہی۔ بیان کی تائید میں
دلائل و براہین کچھ ذکر نہیں کئے گئے۔ محض ذاتی سادہ بیان کا یہی کافی جواب ہی کہ مصنف صاحب
کو بانیانِ مذہب کی عظمت و کمالات سے پوری آگاہی نہیں اور نہ مذاہب کی عظمت سے آگاہ
ہیں قطع نظر مذہبی دلائل کے یہ بات کیا کم ہی کہ دنیا کے آدمیوں کی تعداد پر جب نظر کی جائیگی
تو زیادہ حصہ انسانوں کا پابند مذاہب و عقائد پایا جاویگا اگر مذہب کی عظمت سرسری اور اُس کے
اصول محض خیالی ہوتے تو اس کثرت سے لوگ خود کو ایسی پابندیوں کا اسیر بخوشی و تمنا نہ کرتے
شاید کوئی یہ کہے کہ اگر سب مذاہب حق بجانب ہیں تو اختلاف کیوں ہی اور اختلاف کی حالت
میں پایہ عظمت مذہبی کا بہت گھٹ جاتا ہی۔ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جو اختلاف اہل مذاہب میں ہی
وہ اپنے اپنے مذہب کے اشرف و اعلیٰ ہونے کے متعلقات میں ہے اور یہ امر یقینی ہے
کہ خالق اکبر کے نزدیک جو مذہب عمدہ اور حق ہی اُسی کا پایہ بہت اعلیٰ ہے لیکن عام طور پر اس
خاص خیال سے قطع نظر کرکے محض انصاف کی نظر سے تمام افرادِ عالم کو دو فریق پر تقسیم کرکے

موازنہ کرو تو حقیقت حال کُھل جائیگی - یعنی ایک فریق وہ فرض کرو جو کسی قسم کا عقیدہ یا مذہب رکھتا ہو اور ایک فریق وہ فرض کرو جو کوئی عقیدہ یا مذہب نہیں رکھتا - بالیقین تہذیب و عفت بازی اُسی فریق میں زیادہ پائی جائیگی جو پابند مذہب ہے اس دلیل سے ثابت ہوگیا کہ پابندی مذہبی گو کسی قسم کی ہو آزادی محض سے جس کو آوارگی کہنا چاہیے بدرجہا بہتر ہے - مذاہب کی عظمت کی کمی بیشی کی مثال ایسی سمجھنا چاہیے جس طرح کسی فریق کے پاس قند سیاہ ہو اور کسی کے پاس شکر کسی کے پاس مصری اور کسی کے پاس قند مکرر ہو - تو ان اشیا کی عمدگی میں بقدر درجات سب سے گھٹا ہوا نمبر قند سیاہ کا ہوا لیکن کسی بدمزہ اور پھیکی شے کے مقابل میں قند سیاہ کا پایہ پھر اعلیٰ ہی - کیونکہ یہ کمی بیشی تو باہمی مناسبتوں کے اعتبار پر قرار دی گئی ہے - اس سے یہ کب لازم آویگا کہ قند سیاہ باعتبار صفائی و خوش مزہ ہونے کے اگر شکر و مصری سے کم ہی تو لکڑی کے برادہ سے بھی کم ہو - پس جو مذاہب کہ عمدہ و برحق ہیں اُن کے شرف و عظمت کا پایہ تو بہت بڑا ہے کم سے کم درجہ مذہب میں بھی جب اُس کے اصول پر نظر کیجائیگی تو اگرچہ اُس کی پرستش کے طریقے و احکام مذہبی کیسے ہی ہوں بہرحال اُس میں تہذیب اخلاق یا ہمدردی باہمی صدقات و خیرات کے متعلق تاکید کسی نہ کسی پیرایہ میں پائی جائیگی ایسی حالت میں کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ مذہبی پابندی قابل وقعت نہیں - امر دوم کی نسبت شاید میرا یہ بیان کرنا بے محل نہ ہو کہ ہادیان مذہب کے مواعظ اگر موثر نہ ہوتے تو عیسائیوں کے مساکن میں لاکھوں گرجا، اہل اسلام کے ممالک میں لاکھوں مسجدیں، ہنود کے مقامات میں لاکھوں مندر و شوالے اور مختلف مذاہب کی مختلف لاکھوں پرستشگاہیں جن میں کئی ارب سے زیادہ روپیہ صرف ہوا ہوگا کیونکر تعمیر ہوتے - مختلف طریقوں سے سب مذاہب میں سالانہ کروڑوں روپیہ کی خیرات ہوتی ہے یہ کیونکر ہوتی ہے - یہ سب کچھ ہادیان مذہب کے مواعظ کا اثر نہیں ہے تو پھر کیا ہے - وقتاً فوقتاً مذہبی لوگوں میں جوشِ مذہبی پیدا ہو کر بڑی بڑی یادگار جنگیں واقع ہوئی ہیں پھر مواعظ کا اثر نہیں تو کیا خود بخود کوئی سر بکف ہو کر جان تصدق کرنے کو موجود ہوتا ہی

میرے اس بیان کا تجربے اور تاریخ سے برابر ثبوت ملتا ہے مصنف صاحب بھلا یہ تو ثابت کر دیں کہ ابتدائے زمانہ سے آج تک سوائے مذہبی لوگوں کے اور کسی فریق نے جہاد کیا ہو۔ اور یہ جو مصنف صاحب نے بیان کیا ہے کہ مواعظ کے سننے اور عاقبت کے خیال سے محنت کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی صرف خیالی دعویٰ ہے۔ میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ عاقبت کے خیال سے انسانوں میں ناجائز امور کے ارتکاب سے خوف پیدا ہو کر نیک کاموں کی طرف میلان ہو جاتا ہے جو کسی طرح بیجا نہیں بلکہ ضرور ہے اور اگر کسی فرد خاص کو شوق خدا پرستی یا خوف عقبیٰ اس قدر غالب ہوا کہ اُس نے ترک تعلقات ظاہری کر کے اپنے معبود کی یاد میں ہمہ تن متوجہ ہوا تو اُس کا یہ فعل کیا قابل اعتراض ہے۔ میرے گمان میں تو یہ فعل بشرطیکہ محض جوش باطنی سے بغیر شکوک ریاکاری کے خالی کے ہو بیشک عمدہ ہے ایسا جوش اور ایسا خوف کیا محض خیالی ہے کیا مصنف صاحب یا کوئی شخص ایسی ضمانت کر سکتا ہے کہ وہ کسی کو مرنے نہ دیگا یا خود نہ مریگا۔ اور جب کہ ایسا نہیں ہے تو کیا عاقبت اندیشیاں انجام بیں اپنی آیندہ آنے والی حالتوں کی اصلاح و فکر میں متوجہ نہ ہوں اگر یہ کہا جائے کہ مذہبی مواعظ میں جو ذہن نشین کیا جاتا ہے وہ فرضی ہے تو ایسے دعوے کے ثبوت میں سوائے قیاسی و فرضی دلیل کے کیا کوئی ایسی قطعی دلیل مصنف صاحب کے پاس ہے کہ اُس سے آیندہ آنے والی حالتوں کی ایسی تصویر پیش نظر ہو جائے کہ مواعظ مذہبی کی وقعت زائل ہو جائے۔ جبکہ نہیں ہے تو خود ہی غور کر سکتے ہیں کہ اعتراض کا پایہ کسقدر گھٹ گیا۔ امر سوم کا جواب ضمنی طور پر جواب امر دوم میں ادا ہو چکا ہے۔ امر چہارم کے متعلق جو بہشت و دوزخ کے وجود سے اُس طریقہ پر انکار کیا گیا ہے جو اہل مذہب بیان کرتے ہیں اُس کے متعلق کوئی دلیل کافی پیش نہیں کی گئی۔ امر پنجم کے متعلق جو بحث کی گئی ہے اُسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہرگاہ جسم بعد مرگ باقی نہیں ہوگا تو دوزخ کا عذاب و عقاب کیونکر ہوگا۔ اس کے متعلق شاید میرا یہ جواب پسند آوے کہ اگر مصنف صاحب کو احکام مذہب کے متعلق شک ہے اور عقلی دلیل

کی ضرورت ہی تو میں کہہ سکتا ہوں کہ عذاب وتکلیف کا تعلق بحالت موجودگی اس جسم کے بھی روح سے ہے جسم سے نہیں ہے تجربہ شاہد ہے کہ جو عضو کسی انسان کا بیکار ہو کر سوکھ جاتا ہے اُس کی قطع برید سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ تکلیف اُسی عضو کو ہوتی ہے جس میں روح ہو۔ پس ثابت ہے کہ تعلق آرام یا تکلیف کا روح سے ہے اور خود روح ہی مدرک ہے۔ ایسی حالت میں جسم کے موجود نہ ہونے سے روح کا تکلیفات سے محفوظ رہنے کا خیال نہ رہا۔ یہ جواب ہم نے اُس شرط فنائے جسم کو فرض کر کے دیا ہے ورنہ ہم خدا کی قدرتوں سے یہ امر بعید نہیں سمجھتے کہ یہی دنیا کا جسم دوبارہ عنایت فرمائے مصنف صاحب نے آکسیجن و نائٹروجن کا ذکر کر کے یہ مراد لی ہے کہ ہر گاہ اس زندگی میں جسم کے اجزا فضول ہو ہو کر جسم سے خارج ہوتے رہتے ہیں تو ذرات کہاں سے جمع کیے جاویں گے میرے خیال میں تو شاید مذہبی کتابوں میں یہ صراحت کہیں نہیں کی گئی کہ اجزائے فضول خارج شدہ سمیت اجزائے جسم کا جمع ہونا لازمی ہوگا بلکہ وہ اجزائے جسم جو وقت مرگ روح نے چھوڑے۔ اگر قدرت نے اُن کو اپنے علم میں محفوظ رکھ کر کسی وقت خاص میں پھر عنایت فرما دے تو کیا یہ امر قدرت کے نزدیک ناممکن ہے میں اس امر پر زیادہ زور دینا نہیں چاہتا۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ مصنف صاحب خدا کی قدرتوں کا اندازہ اپنی قدرت وقوت پر نظر کر کے کرتے ہیں اُن کو جو امر اپنی قدرت سے زیادہ معلوم ہوتا ہے یا جو امر اُن کے قیاس میں مشکل معلوم ہوتا ہے وہ اُس امر کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ دعوے درست نہیں ہے خدا کی قدرتیں اور کام تو بجائے خود ہیں ادراک بشری کی کیا قدرت ہے جو اُن پر حاوی ہو سکے دنیا میں عاقل انسانوں کے ایسے کام ہیں کہ جاہل و ناتجربہ کار انسان اُن کے وجود سے انکار محض کرتے ہیں اور جب آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو حیرت میں پڑتے ہیں دیکھو یورپین لوگوں نے جو تار برقی ایجاد کی جس ملک میں یہ نہیں ہے اور جس ملک کے لوگوں کو اس کا تجربہ نہیں ہوا اُن کو مصنف صاحب کی دلیل

سے اقرار نہیں کرواسکتے کہ تار برقی کے ذریعہ سے ہزاروں کوس ایک ساعت میں خبر جاتی ہے۔
تاوقتیکہ وہ خود تجربہ کرکے دیکھ نہ لیں گے کبھی کسی دلیل کو تسلیم نکریں گے جبکہ یہ حال ہے
تو مصنف صاحب کو بھی ایک وقت خاص کا انتظار کرنا چاہیے جو ضرور پیش آمدنی ہے۔
خود ہی ظاہر ہو جائیگا کہ حقیقت واقعی کیا ہے۔ امر ششم کے متعلق مصنف صاحب اس
خیال سے متعجب ہیں کہ نجات کے واسطے سوائے نیکوکاری کے قبول مسائل الٰہیات کیوں
شرط ہو گویا اس بیان سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نجات کے واسطے صرف نیکوکاری کے
افعال کافی ہونا چاہیے اقرار باری عزاسمہ کی یا مسائل توحید باری عزاسمہ کی ضرورت نہیں۔
میں جواب میں التماس کرتا ہوں کہ اول تو نیکوکاری کے افعال ہی باری عزاسمہ کے ساتھ
لازم و ملزوم ہیں کیونکہ حقیقی طور پر نیک افعال وہی شخص اختیار کریگا جو کسی معطی سے جزا پانے
کی امید رکھتا ہوگا اور ظاہر و باطن بُرے کام وہی ترک کریگا جو ایک صاحب قدرت منتقم سے
خائف ہوگا۔ اس بیان کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیکوکاری کی ترغیب بھی خوف و
رجا کے ساتھ وابستہ ہے اور حقیقی خوف و رجا کا تعلق اُسی پاک خداوند سے ہے جو سب کا خالق
ہے اس بحث سے قطع نظر کرکے اب میں یہ ظاہر کرتا ہوں کہ مصنف صاحب کا جو یہ منشا ہے کہ
نجات کے واسطے محض نیکوکاری شرط ہونا چاہیے قبول مسائل الٰہیات کی ضرورت نہیں یہ
مصنف صاحب کا ذاتی خیال ہے کیونکہ اس دعوے کے واسطے بھی کوئی بُرہان پیش نہیں کی
گئی۔ مصنف صاحب اگر احکام مذہبی کے مطابق اس امر کو تسلیم نہیں کرتے تو ایک ظاہری دنیا کی
مثال بیان کرتا ہوں دیکھو کسی سلطنت میں کوئی فرد رعایا اپنے ذاتی افعال میں کیسا ہی راست
باز اور نیکوکار ہو لیکن بادشاہ وقت کا انکار کرتا ہوا اور اُس کے احکام کو درست نہ جانتا ہو تو
اسی حالت میں باوصف نیک چلن ہونے کے بھی وہ ضرور سلطنت کا باغی قرار پاکر مستوجب
سزا کا ہوگا جبکہ یہ حال ہے تو صرف نیکوکاری پر نجات حاصل ہونا کیونکر ہو سکتا ہے تاوقتیکہ ذات
خدا کا اقرار نہ کیا جاوے۔ امر ہفتم کے متعلق یہ گذارش ہے کہ مصنف صاحب تعجب سے یہ ظاہر کرتے

ہیں کہ کیا ستر برس کے گناہوں سے ہمیشہ کوئی عذاب میں مبتلا رہ سکتا ہی۔ اس بیان سے شاید
مراد مصنف صاحب کی یہ ہی کہ سزا کا زمانہ زیادہ سے زیادہ جرائم کے وقوع کی مدت سے
زیادہ نہ ہونا چاہیے۔ اس پر بھی کوئی قطعی دلیل پیش نہیں کرتے اس کا جواب بھی ظاہری مثال
سے دیتا ہوں مصنف صاحب نے بخیال خود کمال دانشمندی سے وقوع جرائم اور سزا کے
زمانہ کا موازنہ اور حساب تو کیا اور اسی حساب کی بنا پر فرضی دعوے کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں مگر جرائم
کی حالت پر نظر نہیں کرتے بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں کہ گو اُن کے ارتکاب میں کسی قدر زمانہ
گذرے لیکن سہل سی سزا اُن کی یا داش میں کافی ہوتی ہی اور بعض جرائم کے وقوع کو چند منٹ
سے زیادہ وقت نہیں گذرتا مگر اُس کی سزا کا زمانہ بہت دراز ہوتا ہے۔ دیکھو ایک شخص نے
کسی ناکردہ گناہ کو قتل کر دیا یا ایک باروت خانہ میں ایک چنگاری آگ کی رکھدی جس سے
صدہا جانوں کا نقصان ہوا تو ظاہر ہے کہ ان افعال کے ارتکاب میں کچھ زیادہ وقت
صرف نہیں ہوا لیکن مجرم سزائے موت پاوے گا۔ یا مدت العمر قید کیا جاویگا۔ جب دنیا کے
جرائم اور سزا کا یہ حال ہی تو اسی طرح شرک وکفر وغیرہ جرائم کی سزا میں اگر کوئی ہمیشہ مبتلائے
عذاب رہے جو بمنزلہ دنیا کے دائم الحبس ہونے کے ہی تو پھر مصنف صاحب کو تعجب کیوں
ہے۔ امر ہشتم کے متعلق شاید یہ جواب کافی ہو کہ بہشت کی نعمار دنیا کی نعمتوں سے ہزاروں درجہ
عمدہ اور بہتر ہیں کوئی شخص کیسا ہی کسی ادنیٰ شے کا عادی ہو جب اعلیٰ شے اُس کو نصیب ہوگی
وہ پھر ادنیٰ شے کو کبھی یاد نہیں کریگا خود دنیا میں تجربہ شاہد ہی کہ جوار کی روٹی کھانے والے
کو شیرمال اور باقرخانی اگر میسر ہو تو پھر وہ عادت کی وجہ سے شیرمال کے مقابلہ میں کبھی جوار کی
روٹی کی آرزو نہ کریگا اسی طرح ایک جھونپڑی کے رہنے والے کو ایک سجا سجایا کمرہ کسی عالیشان
ایوان کا عنایت کرکے تجربہ کریجیے کہ وہ پھر اپنی جھونپڑی کی خواہش کرتا ہے یا نہیں انسانی
عادت میں یہ بات داخل ہی کہ معاوضۂ ادنیٰ پر اُداس ہوتا ہے معاوضہ اعلیٰ پر اوداس
ہونا تو بجائے خود ہی اعلیٰ درجہ کی شکرگذاری ظاہر کرتا ہے۔ امر نہم کے متعلق مصنف صاحب

یہ تو خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ مذہب سے تہذیب و تزکیہ باطن ہوتا ہے تسلی رہتی ہے ایسی حالت
میں جائے انصاف ہے کہ جس طریقہ کی پابندی سے تہذیب و تزکیہ باطن حاصل ہو اور طمانیت
رہے اُس سے بہتر دوسرا طریقہ کب ہو سکتا ہے اسی عبارت کے ساتھ یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ
مذہب سے دماغی ترقی میں خلل پیدا ہوتا ہے پس یہ دعویٰ بھی محض خیالی اور بے دلیل ہے
جس طریقہ کے اتباع سے تہذیب حاصل ہوتی ہو اُسے خلل دماغ سے منسوب کرنا کسقدر بے وقعت
خیال ہے - پیشوایانِ مذاہب کے طریقوں سے اہل عالم کو وہ فیض پہنچا ہے کہ محتاج بیان نہیں
ہم کو مفصل وجوہ بیان کرنے کی ضرورت اس وجہ سے نہیں رہی کہ مصنف صاحب مذہبی طریقہ کی
اعلیٰ خوبیاں خود تسلیم کر چکے ہیں اب یہ امر ہم مصنف صاحب کے غور پر منحصر کرتے ہیں کہ خلل
دماغ کو کس طرف منسوب کرنا چاہیے - امر دہم کے متعلق میں نہایت افسوس کرتا ہوں کیونکہ
اس محل پر مصنف صاحب نے مذبذب طور پر اجمالی الفاظ میں خدائے پاک جل جلالہ کی ذات
مقدس کے متعلق ایسی عبارت استعمال کی ہے کہ جس میں بوے انکار موجود ہے اور امر یازدہم
میں اُس پاک ذات کے علم و قدرت سے انکار کیا ہے کہ ہم کو یا کسی کو خدا سے نفع و ضرر نہیں
پہنچتا - میں چاہتا ہوں کہ مصنف صاحب میری کتاب **اثبات حق** کا ملاحظہ فرمائیں تاکہ یہ خلش
اُن کی رفع ہو - میں اس جواب میں اگر دلایل و براہین تحریر کروں تو خود یہ جواب ایک کتاب
ہو جائے گی اگرچہ مصنف صاحب نے ایک جگہ رحمت کے اثر کو اجمالی الفاظ میں بیان کر کے
یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں عالم کو متشکل فی الخارج تصور کرتا ہوں ان اشکال
کے واسطے اُسی طرح کی علت درکار ہے ایسی علت کو میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہے لیکن ایسے خدا
کو میں ادراک نہیں کر سکتا - میں چاہتا ہوں کہ مصنف صاحب ذرا خیال کو وسعت دے کر غور
کریں کہ ابتدائی ارکان عالم کا یعنی زمان و مکان و مادہ و روح کا جن کی باہمی ترکیب سے
سب عالم کی بنیاد پڑی ہے کوئی خالق با علم و قدرت ہے یا نہیں اگر نہیں تو ان ارکان چہارگانہ
جداگانہ کے اتصال و امتزاج کی تحریک کہاں سے پیدا ہوئی اور غیر مرتّب سادہ مادہ کی

ترتیب کیونکر شروع ہوئی۔ اور یہ حدوث و فنا کا سلسلہ کیونکر شروع ہوا کرات و کواکب کی دوری انتظام درحالیکہ رفتاروں میں تفاوت ہے کیوں نہیں درہم برہم ہوجاتی۔ اگر عالم کا منتظم علیم نہیں تو کس طرح عالم کے مناسب وقت ضرورتوں پر مطلع ہوتا ہے۔ اور اگر قادر نہیں ہے تو کس طرح اشیا کو مہیا و منعدم کر دیتا ہے۔ جبکہ یہ حال ہی تو وہ کیا دلیل ہے جس سے ہم سمجھ لیں کہ ہمارے نفع و ضرر کو خدا سے کچھ علاقہ نہیں ناتمام خیال کے سہارے پر خدائے پاک کے علیم و قدیر ہونے سے انکار کرنا کس قدر قابل افسوس ہی وہ پاک خداوند حکیم ہے اپنی مصلحتوں کو خود وہی خوب جانتا ہے کچھ اس امر کا پابند نہیں کہ ہمارے خیالات کے موافق ظہور افعال کرے اگر نہ کرے تو ہم انکار الوہیت کریں۔ ہم سے کروروں کم سمجھ اگر انکار کرینگے تو اُس کی مقدس شان میں کب نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لاکھوں شپّر اگر آفتاب عالمتاب کو نہ دیکھ سکیں تو آفتاب کے نور میں کیا کمی کر سکتے ہیں۔ امر دوازدہم و سیزدہم و چہاردہم کی نسبت میں یہ التماس کرتا ہوں کہ مصنف صاحب نے عام ہدایت کی تردید میں تو ایسی سرگرمیاں کیں کہ اُن کے واضح اور عمدہ اصول کو بھی باوصف بہتر سمجھنے کے غلط ثابت کرنا چاہا اور خیالی تاویلات پر انتہا سے زیادہ زور دیا اور بعد اس سب کوشش کے جب اپنا خیال اور اپنی رائے بیان کرنا شروع کی جو مصنف کا عقیدہ و مذہب ہے تو اُس کے تسلیم کرانے کی بنا محض اپنے قیاس پر قائم کی۔ میں حیران ہوں کہ مصنف صاحب کے ذہن میں اگر اس خیال کی تائید میں دلائل قطعی موجود نہ تھیں تو اس قدر تکلیف کیوں گوارا کی اُن کو یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ جب ایسے مذاہب کی بیخ کنی کا ارادہ کیا جائے جن کی بنا معجزات انبیا اور احکام آسمانی پر قایم ہوئی ہو تو اُس کے واسطے کچھ تو مستحکم دلائل ہوں وہ اپنے خیال میں علایق انسانی سے متحد ہو جانے کو بہشت اور اُس درجہ تک نہ پہنچنے کو دوزخ قرار دیتے ہیں معلوم نہیں علایق انسانی سے اُن کے ذہن میں کیا مراد اور اس دعوئے کی تائید میں کیا دلیل ہے وہ درجہ بدرجہ ترقی کرنے کے مسئلہ کو عجیب عجیب طور سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قوت کے افعال

نے جب ایک خاص روحی کیفیت اشیا کی پیدا کر دی تو زندگی کی بعض مخصوص صورتیں ظاہر ہوئیں لیکن قیام فقط اُنھیں صورتوں کو ہوا جو اپنے روحی علایق کے مناسب حال تھیں ورنہ لکھوکھا مخلوق جو کامل طور سے متصف نہ تھیں ہلاک ہوگئیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ایک صورت سے دوسری صورت فطرتاً اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے مصنف صاحب کو غور کرنا چاہیے کہ ان دونوں دعاوی میں کیا صاف اختلاف ہے اگر فطرتاً ایک صورت دوسری صورت سے اعلیٰ درجہ کی نہیں تو لازم آیا کہ سب برابر ہوں اور جب سب برابر ہوں تو اُن کے علایق بھی یکساں ہوں ایسی حالت میں یہ دعویٰ غلط ہوگیا کہ قیام اُن صورتوں کو ہوتا ہے جو اپنے علایق کے مناسب حال ہوں اور مخلوق ناکامل ہلاک ہو جاتی ہے اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر بقول مصنف صاحب کے خدا کوئی نہیں اور قوتیں درجہ بدرجہ ترقی کر کے روحی کیفیات اور مدرک کیفیات میں ترقی کرتی جاتی ہیں اور کرتی جائیں گی تو لازم آیا کہ وہ قوتیں خود ہی اپنے اپنے افعال کی مختار ہوں ایسی حالت میں پستی کی حالت سے ترقی کرتے جانا اور ایک دراز زمانہ کے بعد مراد کو پہنچنا اور پھر بھی اُس پر قائم نہ رہ کر اور زیادہ ترقی کرنا کس ضرورت سے ہے کیوں اول ہی ارادہ میں اعلیٰ درجہ کی ترقی پر نہیں پہونچتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک وقت توالد و تناسل کا قاعدہ اُٹھ جائیگا۔ ذہنیات میں ترقی ہوتی رہے گی یہ محض اُن کا خیالی دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک حالت پر ہم موت سے متضرر نہ ہوسکیں گے پس اگر بقول مصنف صاحب ہم سب خود مختار ہیں کسی غیبی قوت یا علم قدرت سے ہم کو غرض نہیں تو ہم موت کی تکلیف کو آج ہی کیوں نہیں اُٹھا دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کا انجام حرکت ہے سکون نہیں ہے اس دعوے کے وجوہ مصنف صاحب کے ذہن میں کچھ ہونگے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ ہر ایک حادث شے کا آغاز حرکت پر اور انجام سکون پر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم کو تغیرات سے کوئی تکلیف نہ ہوگی ہماری ساخت ضرورت کے مطابق موزوں ہوتی جائے گی ابد تک برابر کیفیتیں

بدلتی رہیں گی پس اگر اُن کے خیال میں خدا کوئی نہیں ہر ایک قوت خود مختار ہے تو پھر تغیر کیوں ہونا چاہیئے اور جبکہ تغیر کو تسلیم کیا تو اُن کو ناگزیر ماننا پڑے گا کہ کسی کے ارادہ سے تغیر ہوا۔ پس فرمائیے وہ کون ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عالم عیش کی نئی نئی باتیں منکشف ہوتی رہیں گی اس دعوی کے متعلق بھی کوئی دلیل نہیں فرمائی۔ مگر ہم کو کب استحقاق ہے کہ ہماری حالتیں بدلنے سے عیش ہی حاصل ہو رنج یا غم حاصل نہ ہو۔ جبکہ کوئی استحقاق ہمارا نہیں ہے تو لازم آیا کہ کسی کو تغیر حالت سے عیش اور کسی کو تغیر حالت سے رنج حاصل ہوگا۔ اور اس بنا پر وہی اہل مذہب کا خیال درست قرار پاتا ہے کہ انسان کو بعد مرگ اُس کے افعال کا بدلا مناسب اُس کے افعال کے خالق کی پیش گاہ سے ملے گا۔ اور اُس خالق کی یہ بھی شان ہے کہ اگر چاہے تو اعمال بد کی سزا معاف بھی کر دے۔ میرے خیال میں مصنف صاحب کو اپنے فرضی خیالات سے دھوکہ میں پڑنا نہ چاہیئے اور اُس خالق عالم سے خوف کر کے اُس کی رحمت کی آرزو کرنا چاہیئے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے وہی خالق الاشیا ہے وہی منتظم عالم ہے وہی ازلی ابدی شہنشاہ ہے ہم کو ہر ایک حال میں اُسی سے نفع اور ضرر پہونچتا ہے وہ علیم و قدیر اور ہمارا ہر ایک حال میں مددگار ہے۔
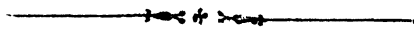
پیکرِ انسانی

اے خلعت پوشاں پیکر انسانی ذرا اپنی موجودہ حالت پر نظر کرو ہم نے عطیات الٰہی کی کیسی بے قدری کی جنس حیوانات میں نوع انسان کو کس درجہ امتیاز و شرف حاصل ہے حالانکہ باعتبار مخلوق ہونے کے ہم کوئی تفوق کا حق کسی ادنٰی نوع خلقت پر نہیں رکھتے۔ ہمارے شفیق خداوند نے ہم کو محض خداوندانہ نگاہ کرم سے دیکھا اُسی ابرِ کرم کی بے سبب نوازی ہے کہ ذرہ ہمچشمی خورشید کر رہا ہے اگر اجازت ہو تو میں اس بیان کے متعلق چند الفاظ ادا کروں۔ بعضے انسان اپنی گراں مایہ ہستی کی غیر متناہی نعما کو باوصف بینا ہونے کے نہیں دیکھتے یا یوں کہو کہ وہ دیکھنے کا ارادہ کریں تو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ارادہ نہیں کرتے توجہ کیجیے کائنات میں ہم تین قسم کی مخلوق پاتے ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات۔ شرف اور عمدگی کے اعتبار سے جمادات کا مرتبہ سب مخلوق میں ادنٰی حالت میں ہے کیونکہ جمادات کو نہ ادراک حاصل ہے نہ پُرجوشش نضارت و بالیدگی۔ اگرچہ جمادات کی بالیدگی سے انکار کرنا درست نہیں خیال کیا جا سکتا کیونکہ اگر جمادات میں بالیدگی نہ ہو تو جمادی اشیاء کی مقداروں میں کمی بیشی نہ ہو حالانکہ ہم کمی بیشی پاتے ہیں لیکن غیر محسوس بالیدگی ہماری اس گفتگو کی استدلال کے لایق نہیں نباتات کو درجہ اوسط کا نصیب ہے کیونکہ اُس میں اگرچہ قوت ادراک نہیں تاہم نمو و لطافت موجود ہے مگر اُس کا پایہ اُس شرف کے حصول تک نہیں پہنچا جو شرف حیوانات کو حاصل ہے کیا معنی حیوانات حساس اور متحرک بالارادہ ہیں اور جمادات و نباتات پر حاکم اور اُن پر متصرف ہیں کیسا ہی کم پایہ حیوان یا یوں کہو کوئی کتنی ہی چھوٹی جیتی جان ہو وہ اپنی ضروریات میں جمادات و نباتات پر حاکمانہ فعل کرتی ہے غرض یہ امر مسلم ہے کہ قدرت نے جمادات و نباتات پر حیوانات کو شرف و حکومت عطا کی ہے اب حیوانات میں امتیاز کرو باعتبار حصول شرف کے کس قدر درجہ بدرجہ کمی بیشی ہے۔ اور پھر اس نوع حیوانی پر نظر کر کے اُس شرف عالی مرتبہ پر غور کرو جو انسان کو عنایت ہوا ہے

گویا انسانی ہستی باعتبار ہر قسم کے اعلیٰ مدارج کے دُرّۃ التاج کائنات ہے لیکن بہت سے افراد اُن غیر متناہی نعمائے الٰہی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جو اُن کو حاصل ہیں۔ حضرات قدرت کے الطاف پر نظر کرکے ہوا کے پرندوں کو دیکھو باعتبار مخلوق ہونے کے وہ کیا حق نہیں رکھتے۔ لیکن کس عاجزانہ حالت میں ہر صبح کو اپنی روزی کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ جس نے جو پایا کھایا ہم نہیں دیکھتے کسی پرند کو ایک نان کا ریزہ بھی اُس کے ناشتے کے ممکین کرنے کو ملتا ہو وہ باغوں کے درختوں پر سے اُڑائے جاتے ہیں بیدردی سے شکار کیے جاتے ہیں کوئی اُن کے ہم جنسوں میں خون کا معاوضہ طلب کرنے بھی ہم تک نہیں آتا تم اُڑتی ہوئی قطاروں میں سے اُن کے ساتھیوں کو مارتے ہو وہ مظلوموں کی طرح صبر کرکے چلے جاتے ہیں اس غیر محفوظ حالت میں وہ زندگی گذارتے ہیں شام کو جس شاخ پر جگہ ملی توکلاً بیٹھ رہے۔ جنگل کے وحشیوں پر نظر ڈالیے بہ نسبت انسان وہ کس درجہ پست حالت میں رہیں گرم موسم میں گرم ہواؤں کی لپٹیں فصل زمستان میں کنپ کنپا دینے والی سرد ہواؤں کے جھونکے برسات کی موسلا دھار بارشیں اُن کے کھلے جسموں پر پڑتی ہیں اُن کو کوئی ایسا چھپر بھی بنانا نہیں آتا جس میں نہایت کم درجہ آدمی بھی رہنے کو عار سمجھتا ہو اُن کو جوار کی روٹی اور چنے کا ساگ بھی میسر نہیں وہ اپنے دل کے دُکھ درد کا حال خراب تلفظ میں بھی ادا نہیں کرسکتے اُن کے مرض کی حالتوں میں نہ کوئی نبض دیکھتا ہے نہ جوشاندہ پکاتا ہے اُن کی پُرتشویش گذریں ہولناک راتوں میں ٹمٹماتا ہوا چراغ نصیب نہ ہوا وہ جانتے ہی نہیں دنیا میں بیاہ سگائی کی تقریبات میں بڑے بڑے سامان کیونکر اور کہاں ہی ہوتے ہیں عمر بھر نہ پاؤں کو جوتا نصیب نہ سر کو دستار وہ اپنے بچھڑے ہوئے دوستوں کو نامہ و پیام سے اپنی یاد نہیں دلا سکتے حشرات الارض کی حالت اُن سے ردی ہے اُن کو صاف ہوا اور کھلا ہوا میدان بھی آزادانہ پھرنے چلنے کو نصیب نہیں اپنے تنگ اور تاریک سوراخوں سے ڈرتے ڈرتے ضرورتاً باہر نکلتے ہیں ذرا سے کھٹکے پر پھر جا چھپتے ہیں ان میں ایسے بھی بہت ہیں جو حیوانات کے پاؤں تلے دب کر مرجاتے

ہیں اور کسی کو پروا نہیں ہوتی۔ اُن کی زندگی کے دن نہایت کم اور اُن کی حالت بالکل غیر
محفوظ ہے۔ میرے اس بیان پر شاید کوئی صاحب یہ فرماسکیں گے کہ وہ اپنی حالتوں میں خوش
اور مسرور پائے جاتے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ انتظام قدرت ہے کہ جن کو جیسی حالت عنایت
کی ویسی ہی طبیعت اور عادت دی اگر خالق الاشیا ایسا نکرتا تو اُس کی حکمت بالغہ کا اظہار کیونکر
ہوتا مگر انصاف بالائے طاعت ہے اُن کی اور اپنی حقیقی حالتوں کا موازنہ کر کے اُن نعما کا مقابلہ
کرو جو اُن کو اور تم کو عنایت ہوئے ہیں انسانوں میں ذلیل سے ذلیل قوم اور پست سے پست
قوم کا آدمی بھی جس کی حالت کی پستی کو سب بالاتفاق تسلیم کرتے ہوں حیوانوں کی حالت سے
کہیں بہتر حالت میں ہوگا فرض کرو جو پست حالت کی قومیں ہیں اُن کی خوراک موٹا غلّہ اور
ساگ پات اور دالیں ہیں۔ اُن کی پوشش بھی تنگی کے ساتھ کم قیمت کپڑے کی ہوتی ہے۔ اُن سے
بھی گئی گذری پست حالت کے لوگ وہ وحشی قومیں ہیں جو جنگلی جزیروں میں بمنزلہ حیوانات کے
بسر اوقات کرتے ہیں لیکن اُن کے پاس بھی شکار مارنے کو تیر کمٹھا اور خوش مزہ کرنے کو نمک
مرچ اور کباب کرنے کو آگ اور آگ پیدا کرنے کے سامان ہیں وہ اگرچہ اپنے گھروں کی عمارتیں نہیں بناتے
تاہم گھروں کے محدود کرنے کو خاص علامتیں قایم کرتے ہیں۔ جنگلی اور وحشی سہی مگر خاص خاص زمین بایا
رکھتے ہیں۔ اتفاق اور نفاق کے نفع و ضرر کو بھی سمجھتے ہیں۔ اب فرض کرو عمدہ سے عمدہ حیوان حقیقتاً کیسی
پست حالت میں ہیں ضرور ہے کہ میں مثال میں دو چار قسم کا ذکر کردں سب سے اول شیر پر
نظر کرو بظاہر شیر ایک شجاع اور خوبصورت جانور ہے لیکن دیکھو اُس کے جسم سے کیسی بدبو آتی ہے
اُس کے رہنے کی جگہ کیسی ہولناک اور ویران ہوتی ہے اُس کو ہر دم اپنی جان کا کھٹکا لگا رہتا
ہے وہ کبھی خوف جان کے سبب آبادی کے پاس نہیں آتا۔ شاید اس محل پر کوئی یہ کہے کہ شیر
کو جان کا خوف نہیں ہوتا کیونکہ وہ شجاع جانور ہے تو یہ خیال غلط ہے تجربہ شاہد ہے یعنی شیر اظہار
شجاعت عادتاً اُسی وقت کرتا ہے کہ دہمکایا جاوے یا زخمی ہو جاوے ایسی حالت میں اُس کا
جوش انتقامی فطرتاً قابل ضبط نہیں ہوتا ورنہ معمولی حالتوں میں وہ ہمیشہ جان کے ڈر سے بے فکر

نہیں ہوتا دیکھو اُس کی غذا کیسی غیر معین اور کس درجہ قابل نفرت ہے یعنی جب بھوک غلبہ کرتی ہے تب مجبوراً تلاش و تجسس کے بعد جب شکار ملتا ہے تو بدون صاف کرنے رطوبات و آلائش کے چبا جاتا ہے موسموں کی تکلیفات ویران جنگلوں میں اُٹھاتا ہے اُس کی تمام زندگی میں اُس کے جشن و نشاط کی انتہا صرف یہی ہے کہ شدت اشتہا کے وقت شکار مل جائے اور وہ چبا جائے اب میں دریافت کرتا ہوں کہ کوئی شخص ایسی حالت تصور کرنے کے بعد کیا آرزو کر سکتا ہے کہ اُس کی حالت شیر کی حالت سے بدل جائے ہرنوں کی تو اور بھی بدتر حالت ہے جو محتاج بیان نہیں۔ پرندوں میں طاؤس نہایت خوبصورت جانور ہے کہ اُس کی خوبصورتی سے عمدہ صورتوں کی تشبیہ دیجایا کرتی ہے۔ میں طاؤس کی سب حالتوں کی تشریح کرنا پسند نہیں کرتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ وہ کیڑے کھاتا ہے حتیٰ کہ سانپ کو بھی کھا لیتا ہے اب اندازہ کرو کہ سانپ کس درجہ قابل نفرت شے ہے باقی حالتیں طاؤس کی زندگی کی ویسی ہی غیر محفوظ ہیں جیسی اور پرندوں کی ہیں گمان کرتا ہوں کہ سامعین کو بار بار یہی خیال گذرتا ہوگا کہ جو شے ہمارے نزدیک قابل نفرت ہے وہ اُس کے نزدیک جس کی وہ غذا ہے قابلِ نفرت نہیں تو میں پھر کہتا ہوں کہ یہ انتظام قدرت ہے کہ ہر ذی حیات کو اپنی غذا اور اپنی حالت بُری نہیں معلوم ہوتی اور جیسی حالت جس کو نصیب ہوتی ہے ویسی ہی عادت ہو جاتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو ذی روح خراب حالتوں میں زندہ نہ رہ سکیں لیکن خداوند نے عقلا کو عقل اسی واسطے عنایت فرمائی ہے کہ اچھی اور بری حالتوں میں امتیاز کریں یہ ظاہر ہے کہ اسی طبقۂ زمین پر ہمارے نوع انسان میں افریقہ کے باشندے اپنے ملک اپنی سرزمین اپنی حالتوں کو عادتاً پسند کرتے ہیں مگر کیا اُن کے عادتاً پسند کرنے کی وجہ سے کوئی شخص خطۂ کشمیر اور بیابان افریقہ کو ایک درجہ میں شمار کر سکے گا اگر نہیں تو کیا ہم انسانوں کا فرض نہیں ہے کہ ہم ان امور پر نظر کر کے اپنی حالتوں کی قدر کریں اور جس معطی نے ایسا شرف و امتیاز ہم کو بخشا ہے اُس کا احسان مان کر اُن فرائض کے ادا کرنے میں کوشش کریں جو انسانی ہستی کے سزاوار ہیں۔

پیمانۂ سعی

احباب سے میری التجا ہے
کچھ کر لو کہ عمر بے وفا ہے

اصحاب سے عرضِ مدعا ہے
ہمت کا حمایتی خدا ہے

یہاں آئے ہو کچھ تو کر کے بیٹھو
مت ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھو

جو دن گذرا پھر آئے گا کیا
گم گشتہ کو کوئی پائے گا کیا

اس عمر سے گھٹ نہ جائے گا کیا
رفتہ کا پتا لگائے گا کیا

پھر کس لیے وقت ٹالتے ہو
کام آج کا کل پہ ڈالتے ہو

باندھو کمر یں خدا کا لو نام
اچھا نہیں کاہلوں کا انجام

ہمت سے ہوئے ہیں سہل سب کام
محنت جو کرے وہ پائے آرام

محنت ہے کلیدِ گنجِ مقصود
محنت ہے دلیلِ راہِ بہبود

دنیا میں ہو شاہ یا کہ درویش
مقدار میں گرچہ ہوں کم و بیش

انسان کو ہیں دو ضرورتیں پیش
ہر ایک کو بقدرِ طاقتِ خویش

اوّل یہ کہ زندگی میں سکھ پائیں
دویم یہ کہ مرنے پر نہ دکھ پائیں

گر چاہو یہ آرزو بر آئے
مقصود کا غنچۂ مسکرائے

گلزارِ امل بہار لائے
نخلِ امّید لہلہائے

محنت کرو راست باز ہو کر
محمود بنو ایاز ہو کر

وہ عزم وہ ہمتیں دکھاؤ
وہ صدق و صداقتیں دکھاؤ

وہ جوش وہ محنتیں دکھاؤ
مرغوب وہ عادتیں دکھاؤ

مخلوق ہو خوش خدا رضامند
وہ تم سے تم اُن سے شاد و خورسند

اوروں کے پسینے کی کمائی
محنت سے کرو تو ہاتھ آئی

چھونا ہے خلاف میرزائی
دیکھو الطاف کبریائی

پاتے ہیں جو ڈھونڈتے ہیں جم کر
ناکام ہیں تھک رہے جو تھم کر

جائز ہی کرو تلاش راہیں
مشکل سے ڈرو نہ کر کے آہیں

دوڑاؤ اسی طرف نگاہیں
اس بحر کی مل رہیں گی تھاہیں

آئے گا دُرِ مراد کف میں
پھر رہنے نہ پائے گا صدف میں

سب کچھ تو ملے ہیں ہم کو ساماں
اللہ رے لطف و فضلِ یزداں

پھر کچھ نہ کریں تو ہم ہیں ناداں
شفقت سے بنا کے ہم کو انساں

انعام کے گنج پر بٹھایا
پھر ہم نے اُسے سمجھ نہ پایا

دی ہم کو زمیں کہ اُس پہ بس جائیں
غلے کریں کاشت فصلیں کٹوائیں

وسعت یہ کہ برسوں سیر کر آئیں
باغیچے لگائیں سڑکیں بنوائیں

اور اُس پہ پہاڑ چرخ فرسا
ہیں جن کی فضائیں روح افزا

جنگل سرسبز میل ہا میل
کیا ہو سکے مجھ سے شرح و تاویل
اشجار کی کیا شمار و تفصیل
زیبا ہے یہاں بیان جبریل

اثمار لذیذ روح پرور
بے غایت و انتہا میسر

پانی بخشا سمندروں بھر
ہے قدرت کبریائے اکبر
حد جس کی نہ پا سکے شناور
چلتے ہیں جہاز لاکھوں اُس پر

برتیں پئیں دھوئیں اور نہائیں
زنہار اُسے گھٹا نہ پائیں

کی خلق ہوا کہ سانس لیں ہم
ہو گرمی تو پنکھیاں جھلیں ہم
آزادی سے خوش چلیں پھریں ہم
آرام سے عیش سے پلیں ہم

میٹھی نیندیں ہمیں سلا جائے
باغوں میں ہمارے گل کھلا جائے

دی آگ ہمیں کہ کام میں لائیں
تاپیں سلگائیں شمعیں جلوائیں
غلے بھنوائیں کھانے پکوائیں
بندوقیں چھوڑائیں توپیں دغوائیں

دل کو طرب و سرور بخشے
ایوانوں میں شب کو نور بخشے

شمس و قمر ابر و برق و باراں
سیم و زر و دُرّ و لعل و مرجاں
پر نور کواکب درخشاں
الماس و عقیق زینت جاں

ہوش و خرد و حواس و ادراک
روح و جسد و تعلق پاک

سب کرکے مرتب و مہیا
جس چیز کی جس کو ہو تمنا

ہم سب کو یہ اختیار بخشا
پھر چل کے اُٹھائے لطف اُس کا

اب چاہیں ہم اُن سے فائدہ پائیں
چاہیں بے کار جی کے مرجائیں

دنیا میں ہوئے ہیں جتنے کامل
دم بھر بھی نہیں رہے وہ غافل

کوئی بھی نہیں تھا اُن میں کاہل
محنت سے ہوا ہے سب کو حاصل

جھیلے کڑے وقت انبیا نے
تکلیفیں اُٹھائیں اولیا نے

اللہ رے شیون پاک قدرت
جو جانتے ہیں نکات حکمت

ہر شے سے عیاں ہے اُس کی حالت
ہر چیز سے پاتے ہیں نصیحت

سامع ہو تو ہر طرف صدا ہے
بینا کو نظارہ جابجا ہے

باغ و چمن و بلاد و قصبات
آثار قدیم اور عمارات

نہر و پل و حوض و آب و چاہات
کہتے ہیں زبان حال سے بات

یہ اہلِ ہمم کی ہے نشانی
زندہ ہے ہنوز نام بانی

ہر سلطنت اور ہر اک ریاست
سیّاحوں کو کرتی ہے ہدایت

ہر موقع اہل جاہ و ثروت
مورث کے لیے برائے عظمت

پیمانے ہیں ہم بہادری کے
علم و ہنر و دلاوری کے

جیسے جس کیش میں ہیں احکام
منسوب ہیں پیشوا سے وہ کام

ہوں جیسے نتائج اُن کے انجام
ممدوح اُسی قدر ہے وہ نام

حامد ہوں میں اپنے پیشوا کا
اور دل سے ہوں مدح خواں خدا کا

ہر چیز میں صنعت خدا ہے
معبود کا وصف جا بجا ہے

ہر سمت کو ذکر کبریا ہے
لہجہ سب کا جدا جدا ہے

لازم ہے سخن شناس ہونا
درکار ہے خوش قیاس ہونا

گلزار میں لطف انجمن ہے
بول اُٹھنے کو ہر کلی دہن ہے

نسریں ہم بزم نسترن ہے
سوسن کی زباں پہ یہ سخن ہے

اے حیرتیان بزم ہستی
لازم ہے ہمیں خدا پرستی

ہر برگ شجر زبان بن کر
کرتے ہیں ثنائے رب اکبر

ہر سرو سہی خوشی سے تن کر
گائے رب جلیل پاک داور

تو نے ہمیں تخم سے بڑھایا
سرسبز بنا کے لہلہایا

ہم کیا ہیں ہماری اصل کیا ہے
اندازۂ ہجر و وصل کیا ہے

ہستی کی دو روزہ فصل کیا ہے
مٹنے والوں کی نسل کیا ہے

تو رکھے تو مدتوں رہیں ہم
ورنہ اک آن میں مٹیں ہم

موّاج ہے بحر لطف تیرا
ہے ذلہ ربا ترے کرم کا

ہر شاخ و ثمر ہر ایک پتّا
الطاف ہیں تیرے عام کیا کیا

اوراق میں گل کے رنگ بخشا
غنچوں کو دہانِ تنگ بخشا

ہم اور ہماری نسل والے
افتادوں کو خاک سے اُٹھالے

تو نے ہی کرم سے اپنے پالے
او سینے کی بات سُننے والے

تجھ بن نہیں ماسوا سے مطلب
ہم بندوں کو ہے خدا سے مطلب

ہم کیوں ہوں حزیں ملول کیوں ہوں
صرف الم و خمول کیوں ہوں

در در کے گدا فضول کیوں ہوں
جیتے ہوئے خاک دھول کیوں ہوں

افسردہ نہیں خدا ہمارا
تارک نہیں کبریا ہمارا

جو منع کیا وہ چھوڑ دیں کام
مرضی پہ خدا کی باندھیں احرام

جائز کریں عیش جائز آرام
رٹتے پھریں ربِّ پاک کا نام

کاموں میں نہ بھولیں ذکرِ دادار
دل رکھیں بیار دوست در کار

اے ارض کے اور سما کے خالق
لیل و صبح و مسا کے خالق

خاک و نار و ہوا کے خالق
خود چھوڑ کے ماسوا کے خالق

جو تیرے سوا ہیں سب ہیں فانی
ہے تیری ہی ذات جاودانی

لے اپنے کرم سے تو مجھے تھام
جز تیرے مجھے کسی سے کیا کام

وا کر کہیں باب گنج انعام
اے خالق ذوالجلال والاکرام

جویا ہوں میں فیض سرمدی کا
تو ہی ہے کفیل احمدی کا

موجودہ حالت

حضرات میں آج آپ صاحبوں کو ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو میرے خیال میں ضروری ہے یعنی موجودہ حالت پر آنے والی حالتوں کا قیاس کرنا نفس انسانی کی ایک بڑی غلطی ہے یہی غلطی انسانوں کو اوج ترقی سے حضیض تنزل پہ پھینک دیتی ہے اور یہی غلطی پستی کی حالت سے رفعت ترقی پر پہونچنے کی سدراہ ہوتی ہے۔ ضرور ہے کہ میں اپنے بیان میں کسی قدر صراحت کروں اور نفس مطلب بیان کرنے سے پیشتر نفس انسانی کی خاص عادات کا ذکر کردوں تجربہ سے ثابت ہوا کہ نفس ناطقہ یا یوں کہو عام نفس حیوان اگرچہ اپنی ماہیت میں خالق الاشیا کی جانب سے کچھ ہو لیکن وہ ہمیشہ حالتوں کا پابند و متبع رہتا ہے اس کی بعض حالتیں فطرتاً مستحکم ہوتی ہیں قابل تغیر و قابل اصلاح نہیں ہوتی مثلاً کسی کو ابتدائی حالت پیدائش میں جیسا دماغ یا جس طرح کا جسم یا جس قسم کے اعضا ملے نفس انسانی اسی حالت کا پابند ہوگیا! اگر دماغ کے بطون تنگ اور سر چھوٹا ملا نفس کے ادراک کی تیزی میں کمی واقع ہوئی اگر بطون دماغ کے کشادہ اور سر بڑا عنایت ہوا تیزی ادراک مناسب ترکیب بڑھ گئی۔ اور بعض حالتیں عارضی ہوتی ہیں جن میں تغیر و اصلاح کو دخل ہوتا ہے مثلاً جب کبھی مرض کے عارض ہو جانے سے جسم نقیہ اور ضعیف ہوجاتا ہے افعال نفس بھی کمزور ہو جاتے ہیں جب علاج یا کسی مقوی غذا کے استعمال یا ریاضت بدنی سے جسمانی قوت بڑھ جاتی ہے افعال نفسانی پُر قوت ہو جاتی ہیں۔ جب کسی مجلس وعظ میں داخل ہوتا ہے افعال نفس میں مذہبی اثر پایا جاتا ہے۔ جب کسی ظرافت کے مجمع میں شریک ہوتا ہے تو کسی قدر اُس طرف لگاؤ ہوتا ہے۔ اسی طرح ماتمی مجالس میں غمگین اور شادی کی محفلوں میں خوش ہونا ایک بدیہی بات ہے۔ اگرچہ یہ اعتراض پیدا ہو کہ جب یہ امر بطور کلیہ کے تسلیم ہوا اور افعال نفس پر حالتوں کا ایسا

وقت وقت اثر ہوا تو کوئی طبیعت قابل اعتبار نہ رہے گی کسی شخص کو صفات خاص کے ساتھ تعبیر نہ کرسکیں گے شجاع یا جبان کسی کو نہ کہہ سکیں گے - عام اعتبارات معطل ہو کر انتظام تمدن میں بڑا فرق پڑے گا یا یہ کہ بسا اوقات ہم شادی کی مجلسوں میں شریک ہو کر بھی جبکہ ہم کو کوئی فکر ایذا رسان عارض ہو متردد و متفکر ہی رہتے ہیں قس علیٰ ہذا کوئی ماتم کی مجلس جب کہ ہم کو کوئی اعلیٰ ترقی کی اطلاع پہنچے ہمارے خیال کو اس خوشی کی اطلاع کے فائدے پانے سے باز نہیں رکھ سکتی - تو ایسے اعتراضات کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ حالتیں مختلف ہیں بعض حالتیں قوی اور بعض ضعیف ہوتی ہیں اور ہر ایک حالت کا فعل بقدر اپنی قوت وضعف کے ہی جو حالت قوی ہوتی ہے وہ ضعیف حالت پر ہمیشہ غالب آجاتی ہے اس محل پر یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ نفس انسانی کی عادت میں داخل ہے کہ ہر ایک حالت جدید کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے بعد متوجہ ہو جانے کے اگر وہ حالت جو پہلے سے نفس کو عارض تھی اور جس کا وہ متبع تھا غالب ہوتی ہے تو حالت جدید کی طرف سے باز رکھکر پھر اپنی طرف مائل کر لیتی ہے اور اگر حالت سابقہ سے حالت جدید قوی ہوتی ہے تو اُس وقت تک جب تک کہ کوئی دوسری حالت قوی نہ پیدا ہو یا حالت جدید میں ضعف نہ آجائے نفس کو اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے دیکھو جب تک حالت طفلی انسان کو عارض رہتی ہے تب تک طفلانہ حرکات کرتا ہے جب جوانی کی حالت غالب ہوتی ہے تب طفلانہ حرکات قائم نہیں رہتیں بلکہ جوانی کی اُمنگیں اور شباب کے جوش پیدا ہوتے جاتے ہیں - جب بڑھاپا شروع ہوتا ہے جوانی کی اُمنگ کا کہیں پتا بھی نہیں ملتا - وہی نفس انسانی جو بڑے بڑے ارادے کرتا تھا اور جس کی اُمنگیں اُس کو عشق و عاشقی کے خیالات کی طرف مائل رکھتی تھیں اب وہی آرام سے بیٹھے رہنے کو غنیمت سمجھتا ہے اُسی کو وہ ذکر بُرے معلوم ہوتے ہیں جن ذکروں کا سب سے بڑھ کر خود شایق تھا وہ نوجوانوں کو منع کرتا ہے کہ سرود و انبساط کی مجلسوں میں شریک ہونے سے کچھ فائدہ نہیں حالانکہ بڑھاپے کی حالت کے بعد اگر قدرت

پھر جوانی یا جوش اُس کو بخش دیتی تو ظن غالب ہے کہ وہی نا فراغیش جو دوسروں کو منع
کرتا تھا خود ایسے جلسوں میں شریک ہوتے اور پُر جوش کاموں کے پورا کرنے میں اظہار
حوصلہ کرتا نشہ کی اشیار استعمال کرنے والوں کی حالتیں بتارہی ہیں کہ نشہ کی حالت میں
اہل تہذیب سے بھی وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو اُن کی شان کے مناسب نہیں ہوتیں۔
علیٰ ہذا القیاس مرض کی حالتوں میں قوی آدمی بھی ایسے افسردہ اور پریشان ہوتے ہیں
جیسے سب مریض آدمی گو اُن کی حالتیں باہم کسی قدر متفاوت ہوں۔ اس سب بیان سے
یہ امر واضح ہو چکا کہ عارضی حالتیں افعال نفس اور خیالات میں تغیر پیدا کر دیتی ہیں اور قوی
حالتیں ضعیف حالتوں پر غالب آجاتی ہیں لیکن جس غرض سے میں نے یہ تقریر شروع کی
ہے اُس کو بیان کرنے سے پیشتر یہ امر بھی بیان کر دینے کے لایق ہے کہ یہ حالتوں کا تغیر
سوائے افعال نفس و خیالات نفس کے ذات نفس میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتا بلکہ نفس انسانی
صرف اُس عادت کی وجہ سے جو اُس کو منجانب خالق عطا ہوئی ہے حالتوں کا متبع ہے
مثلاً نفس انسانی کو جب حالت طفلی عارض ہوتی ہے تو اگرچہ اُس حالت میں جسم انسانی
اور ترکیب انسانی کی حالت ابتدائی ہوتی ہے لیکن اُس حالت میں بھی ذات نفس کی
نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی ابتدائی حالت میں ہے وجہ اُس کی یہ کہ نفس کو ذاتی ادراک
اُس وقت بھی حاصل ہوتا ہے لیکن دو سبب اُس کے ظہور ادراک کے مانع ہوتے ہیں
اولاً کم قوت ہونا دماغ کا۔ دوم جہل اِن اشیا کا جن سے اب اُس کو تعلق شروع ہوا ہی
اور جن کے اصطلاحی نام اب تک اوس کو تعلیم نہیں ہوئے۔ جوں جوں دماغی قوت کام
لینے کے لایق ہوتی جاتی ہے اور اسمائے اشیا پر علم ہوتا جاتا ہے اُسی قدر نفس انسانی
اُن حالتوں سے متمتع ہوتا جاتا ہے قدرت نے ابتدائی خلقت نفس سے اپنی مصلحت
کے مطابق جو قوت ادراک نفس انسانی کو ذاتی طور پر مرحمت فرمائی ہے وہ اُس کو
حاصل ہی۔ بعد میں عارضی حالتیں اُس کی قوت ادراک پر جس قدر پردہ ڈال دیتی ہیں

اسی قدر اُس کے ادراک کا ظہور کم ہو جاتا ہے۔ مگر عارضی طور پر ظہور ادراک کم ہو جانے سے یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ذات مدرک میں نقصان آیا ہو مثلاً کسی شخص کی آنکھ کی بصارت نزول الماء کی وجہ سے جاتی رہے تو اگرچہ بصارت جاتی رہنے کی وجہ سے روا جاً آنکھ والے اُس کو اندھا کہنے لگیں مگر ایسا کہنا حقیقتاً درست نہو گا کیونکہ دستکاری سے جب پردہ چشم سے پانی نکال دیا جاویگا پھر سب کچھ نظر آنے لگے گا۔ پس ثابت ہو گیا کہ پردہ چشم میں پانی آ جانے سے نفس انسانی کے ظہور ادراک کا رستہ بند ہو گیا تھا۔ اُس رستہ کے بند ہو جانے سے نفس انسانی اُس حالت کا بجسب عادت متبع ہو گیا۔ ٹٹول کر یا دوسروں کے سہارے سے چلنے لگا جب وہ آڑ سامنے سے ہٹ گئی پھر بدستور چلنے لگا اب میں ضروری تمہید بیان کرنے کے بعد اصل مطلب پر عود کرتا ہوں اور پھر اُسی ابتدائی فقرہ کو عرض کرتا ہوں یعنی یہ کہ موجودہ حالت پر آنے والی حالتوں کا قیاس کرنا نفس انسانی کی ایک بڑی غلطی ہے جو قوم یا جو شخص ایسی غلطی میں پڑتا ہے اُس کو سمجھنا چاہیے کہ وہ ادبار و تنزل کے نشیب کی طرف بپائے خود جاتا ہے اگرچہ اس غلطی میں مبتلا ہو جانے کی راہیں بہت سی ہیں لیکن میں اس محل پر مثال کے طور پر ایک دو امر کا بیان کرتا ہوں ایک یہ کہ کسی قوم یا کسی شخص نے عمدہ محنتیں اور کوششیں کر کے کوئی علم یا کوئی فن یا کوئی منصب یا حکومت حاصل کی اور حاصل ہو جانے کے بعد یہ خیال کیا کہ اب یہ کامیابی حاصلہ ہم سے کبھی زائل نہ ہو گی اور ایسے خیال کرنے کے بعد جو لازمی کوشش اُس کامیابی کی بقا اور درستی کے واسطے کرنا چاہیے تھی وہ ترک کر دی تو کوئی شک نہیں کہ ایسے خیال کے ساتھ ہی اُس کامیابی کے اجزا متفرق ہونے لگتے ہیں زمانے کی تاریخ میں ہزاروں نظیریں اس بیان کی تائید میں موجود ہیں۔ ہزاروں سلطنتیں بنی اور بگڑی ہیں لاکھوں خاندان نامور ہو ہو کر گمنام ہو گئے جو قوم یا جو خاندان یا جو شخص حصول کامیابی کے بعد اُس کی بقا و درستی کی تدابیر عین وقت پر کرتا رہے گا خدا کے فضل سے کامیاب رہیگا بدون تدابیر بقا و درستی کے کوئی منصب کوئی

علم کوئی فن کوئی ملکہ کوئی عمدہ عادت قایم نہیں رہ سکتی کیونکہ نفس انسانی حالتوں کا تبع ہے جب غفلت اختیار کی جاویگی تو نفس انسانی حالت غفلت کا تبع ہو جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ کوئی قوم یا کوئی خاندان یا کوئی شخص پستی کی حالت میں ہے اور اُس حالت میں یہ خیال اُس کے دل میں کامل طور سے منقوش ہو جائے کہ میری یہ حالت ایک لازمی حالت ہے مجکو ایسی حالت پر قانع رہنا چاہیے تو ایسے خیال نے گویا اُس قوم کے واسطے ترقی اور اقبال کا دروازہ ایسا بند کر دیا جس کے وا ہونے کی کبھی امید نہیں ہو سکتی کیونکہ جب حالت کی صلاح کا ارادہ ہی نہ کیا جائیگا تو کیونکر ترقی ممکن ہے قطعی طور پر خیال کرنا چاہیے کہ اگر ہم کامل اور مستقل کوششوں سے اپنی حالتوں کی اصلاح کریں گے تو خدا کی عنایت سے روزانہ ترقیات کا حاصل ہونا ممکن ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کسی شخص یا قوم کا ایسا نشان نہیں ملتا جو بغیر کوشش و محنت کے اوج ترقی پر پہنچی ہو۔ تیسرے یہ ہے کہ جس قوم یا جس شخص کو کسی منصب موجودہ کی زوال سے یا کسی سخت صدمہ پہونچنے سے افسردگی پیدا ہو کہ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اب حالت سابقہ حاصل ہونا غیر ممکن ہے اور اس وجہ سے ترک کوشش کی تو گویا اُس نے اپنے واسطے حیات افزا چشمہ کا رستہ بند کر دیا اور اپنے پاؤں میں خود کلہاڑی ماری۔ اب میں بقدر اپنے فہم کے یہ امر ثابت کر چکا کہ موجودہ حالت پر آنے والی حالتوں کا قیاس کرنا نفس انسانی کی ایک بڑی غلطی ہے پس ہم کو لازم ہے کہ ہم جب کوئی قابل قدر شے با مردی اور محنت سے حاصل کریں تو حصول کے بعد بھی اُس کی بقا و درستی کے واسطے ساعی رہیں حصول کمال میں اگر غفلت سے ابتدا میں کوشش نہ کی گئی ہو تو یہ خیال کر کے ترک کوشش نہ کریں کہ صرف ابتدا ہی میں حصول کمال کے دن تھے بلکہ جب موقع ملے حصول کمال میں کوشش کرے نفس انسانی کی ذات میں قوت ادراک موجود ہے مایوسانہ حالتوں میں جب افسردگی ستائے تب یہ خیال کر کے ترک کوشش نکرے کہ ہمیشہ ایسی ہی افسردگی رہے گی۔ بلکہ کوشش کر کے اعلیٰ حالت کی جانب بعنایتہٖ تعالیٰ آنا چاہیے جب حالت اعلیٰ حاصل ہو جائیگی

تب افسردگی خود زائل ہوجائے گی ۔

حضرات ۔ وقت قابل قدر ہے باغ ہستی میں آئے ہو تو رنگ چمن پہ فریفتہ ہو کر قیمتی وقتوں کو ضائع مت کرو سیر ایسے طریقہ سے اختیار کرو جس میں خود بھی دامن تمنا گلہائے مراد سے پُر کرو اور دوسروں پر بھی گل افشانی کرسکو۔ خدا کے فضل سے یہ اُسی حالت میں ممکن ہے کہ ہر وقت اپنی حالتوں کی اصلاح اور درستی کی طرف متوجہ رہو۔ الٰہی تیرا ہی فضل ہماری مایوسانہ حالتوں میں مددگار ہوتا ہے ہماری تاریک حالتوں کو روشن کر ہماری مشکلات کی ٹھوس گرہیں ناخن الطاف سے کھول۔ ہمارے دلوں میں جوشش، بازوؤں میں قوت، ہمتوں میں وسعت، کاموں میں برکت، مددگاروں میں ترقی دے۔ آمین

دعا و محنت

مرے دستِ دعا کو ناز ہے انگشتِ امت پر
دل پر آرزو دیتا ہے دستک بابِ رحمت پر
سوالِ ربِ ارنی ہی زبانِ شوق و رغبت پر
کمندِ نالہ پہنچی ذروۂ بامِ اجابت پر

خداوندا دلِ پُر غم کو جوشِ حق پرستی دے
روانِ آرزو مضطر ہے شور انگیز مستی دے

مرے الفاظ کے ڈھلنے کو دے اعجاز کا سانچا
نہ ہو ہموزن میری بات کے دنیا و مافیہا
الٰہی قدسیوں میں جا بجا ہو غلغلہ میرا
بجا دے قصرِ عالم میں مری توحید کا ڈنکا

دوہائی دیکے کہتا ہوں تری ذرہ نوازی کی
روانِ ناتواں زخمی ہے تیغِ بے نیازی کی

غلط فہموں کے زمرہ میں نہ کر یارب مجھے شامل
مجھے تو خادمانِ خاص کے حلقہ میں کر داخل
عنایت سے ہلالِ آرزو کو کر مہِ کامل
الٰہی دمبدم ہوں برکتیں مجھ پر تری نازل

رہے بڑھتا رضا جوئی میں تیری حوصلہ میرا
تمنا دمبدم میری بپا ہے ولولہ میرا

خیالی وسوسوں کی کشورِ دل میں حکومت ہے
زمانے میں جہاں دیکھا اسی الجھن میں دقت ہے
طبیعی طور سے ہر اک بشر جویائے راحت ہے
حصولِ مدعا کے واسطے سرگرمِ محنت ہے

خیالِ شاہدِ مطلب میں سب بیتاب پھرتے ہیں
ذکی ہوں یا کہ شیدا بے خور و بے خواب پھرتے ہیں

طریقِ سعی لیکن میں نے ہر اک کا جدا پایا
کوئی محنت کا دلدادہ کوئی محوِ دعا پایا
کسی کو ناخنِ ہمت سے گرہیں کھولتا پایا
کہیں تسبیح درکف دل بسوئے کبریا پایا

مٹا پھرتا ہے کوئی کسب سامان تجمل پر
کوئی بے فکر سوتا ہے پڑا فرشِ توکل پر

کوئی ہے مدعی اس کا کہ سب محنت سے ہوتا ہے
دعائیں مانگ کر انسان ناحق وقت کھوتا ہے

وہی خرمن فراہم کر کے رکھتا ہے جو بوتا ہے
بکا میں کیا اثر رکھا ہے کیا زاری سے ہوتا ہے

حصول مدعا چاہے تو استعمال قوت کر
اثر اللہ نے محنت میں دے رکھا ہے محنت کر

کوئی کہتا ہے تاثیر دعا بے مثل نعمت ہے
دعائیں مانگنا خاصانِ حق کی طرز و عادت ہے

بقائے شوکت و سطوت دعا ہی کی بدولت ہے
دعائے صبح و آہِ شب کلید گنج راحت ہے

ہوئی ہیں کشوریں مفتوح خاصوں کی دعاؤں سے
اولٹ تختے گئے ہیں اولیا کی بد دعاؤں سے

مگر ہاتف نے کل شب یہ ہدایت مجکو فرمائی
یہ راز کبریا ہے اس میں کب تک روح فرسائی

کہ اے حیرت زدہ نیرنگ عالم کے تماشائی
مسافر سینکڑوں یاں کر گئے ہیں جادہ پیمائی

پڑی ہے راہ سیدھی اس سے جو بہکا گیا گذرا
بھٹکنے والے ماہر ہیں کہ اُن پر حال کیا گذرا

مہمات جہاں کے واسطے محنت پئے اشیا
کرے جو شخص اس کو ترک اور طالب ہو مقصد کا

ذریعہ ظاہری خالق نے ٹھیرایا ہے تو سمجھا
ہوا ناکام راہِ منزلِ مقصود سے بہکا

نہ کی جب شرط کی پروا گیا مشروط ہاتھوں سے
اہم مقصد کہاں ہوتے ہیں حاصل خالی باتوں سے

بہ ترک سعی تو مطلب میں کوئی کامراں کب ہو
حوادث کا جہاں کی کون جانے رنگ کس ڈھب ہو

بجا لا کر کے کوشش بھی نہیں لازم کہ مطلب ہو
تجربہ کس کو ہے جو دن میں گذر را دہی امشب ہو

کبھی آغاز میں انجام ظاہر ہو نہیں سکتا
بشر اسرار پر قدرت کے ماہر ہو نہیں سکتا

مگر اس راہ میں ظاہر جو تدبیریں موثر ہیں
حوادث کی سپر ہونے کو دو شرطیں مقرر ہیں
یقیناً منزلِ مقصود کے رستہ کی رہبر ہیں
یہ احسانات ربِ بے نیاز بندہ پرور ہیں

جو اس مسلک پہ چلتا ہے کہیں بھٹکا نہیں پھرتا
پہنچ جاتا ہے منزل پر کبھی الٹا نہیں پھرتا

بنام احتیاط اک شرط ہے دانا سمجھتے ہیں
خلاف حق سے بچنا برتر و اعلیٰ سمجھتے ہیں
برتنا اُس کا ہر اک کام میں اچھا سمجھتے ہیں
رضائے حق پہ چلنا مقصدِ اقصیٰ سمجھتے ہیں

ہمیشہ جانچتے رہنا کہیں ناحق نہ ہو جائے
دل دانا ہوس کے رنگ میں احمق نہ ہو جائے

یہ اول ہے سپر ہر حوادث باغ امکاں میں
یہ کشتی نوح کی بن جاتی ہے پُر جوش طوفاں میں
بہت کام آتی ہے جب ژالہ باری ہو گلستاں میں
کلاہِ ناز ہے فرصت میں چترِ سر ہے باراں میں

چمکتی ہے صفِ اعدا میں تیغِ جانستاں ہو کر
مہک جاتی ہے بزمِ خاص میں عنبر فشاں ہو کر

سپر ہے دوسری کرنا دعا خلاقِ اکبر سے
ملائے آنکھ رکھنا آستانِ پاک داور سے
زمینِ سجدہ کو نم کرتے رہنا دیدۂ تر سے
یقیں ہے اس عمل سے ابر الطاف خدا برسے

وہی پاکیزہ سیرت لوگ ہیں عالی مقاموں میں
جنھوں کے دل ہیں سوئے کبریا اور ہاتھ کاموں میں

کریں محنت تو ایسی دیکھ کر سب دنگ ہو جائیں
نہ ہوں دلدادہ دنیا پر نہ اُس سے تنگ ہو جائیں
جو سجدے میں جھکیں تو خاک کے ہم رنگ ہو جائیں
نہ دب کر صلح کر بیٹھیں نہ گرم جنگ ہو جائیں

ضرورت مقتضی ہو جس قدر اُتنا تعلق ہو
نہ اظہار تکبر ہو نہ پر دل لئے تملق ہو

الٰہی میں بھی ہوں گرم نظارہ تیرے گلشن میں
اسی جا ہی تہی دامن ہوں پھولوں کی خرمن میں

بجز اشک ندامت کچھ نہیں ہی میرے دامن میں
شکایت ہو اندھیرے کی ظہور روز روشن میں

نہال آرزو کو بارور کر اپنی رحمت سے
گرا جاتا ہوں یارب تھام لے دست عنایت سے

بچایا نوح کی کشتی کو تو نے جوش طوفاں میں
رہا محفوظ ماہ مصر قعر چاہ کنعاں میں

خلیل اللہ کو بے داغ رکھا نار سوزاں میں
نبی مرسل ہوں موسیٰ اور پھنسیں فرعون و ہاماں میں

ترے محفوظ کو کوئی ضرر پہونچا نہیں سکتا
عناصر چھو نہیں سکتے فلک دھمکا نہیں سکتا

تری رحمت کے ہوتے احمدی کیوں غم سے گھبرائے
ہر اک کے آستاں پر کس لیے سر ٹھوکریں کھائے

دل پر آرزو پر یاس کی پھر کیوں گھٹا چھائے
خدا ہم تجھ سا رکھتے ہیں تمنا کیوں نہ بر آئے

تو خود ہر چیز کا خالق ہے ہر شے پر توانا ہے
تجھے کیا دوسروں سے کچھ سفارش کرنے جانا ہے

اصول سعی

احباب سامعین میں مشکور ہوں کہ آپ صاحب میرے الفاظ کی قدر کرتے ہیں اور گاہ گاہ مجکو کچھہ بیان کرنے پر متوجہ کرتے ہیں - میں آج یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے بیانات سابق میں اکثر اوقات اس امر کو بیان کیا ہے کہ ہم کو اپنے مطالب کے حصول کے واسطے کوششیں کرتے رہنا چاہیے اب بھی اسی کے متعلق کچھ سمع خراشی کرتا ہوں ہمارے حکیم مطلق اور خداوند برحق نے جسکے ہم سب غلام اور مخلوق ہیں ہمارے واسطے اگر ہم سمجھ کر چلیں بہت سہولتیں رکھی ہیں اکثر امور میں ہم کو اختیار بخشا ہے اور اُن امور کے نتائج ہماری کوششوں پر منحصر فرما دیے ہیں اور بعض امور کے نتائج اگر ممکن ہوں لیکن کوششوں کے ساتھ اُن کے حصول کو ہم لازمی نہیں سمجھتے اور بعض امور کے نتائج ہم کو کسی حالت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتے ایسی حالت میں لازم یہ ہے کہ جس طرح ہمارے خداوند نے حصول نتائج کی حالتیں مقرر کی ہیں اُسی طرح کوشش کی پابندی کریں جن امور کے نتائج لازم الحصول ہیں اُن کی تعریف میرے خیال میں ان الفاظ سے پیدا ہو سکتی ہے یعنی جو امور ایسے افعال و اشیا سے متعلق ہوں جن پر ہم کو متصرفانہ قدرت حاصل ہو جیسے معاملات دنیا میں ہمارے منزلی اور تمدنی امور اور معاملات مذہب میں ارکان مذہب کی بجا آوری یہ سب ہماری کوششوں سے ضرور درست ہو سکتی ہیں اور اسوجہ سے زیادہ ضرورت ہم کو انھیں امور کی طرف متوجہ اور ساعی رہنے کی ہے اگر کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کا شوق پیدا ہو تو ان امور میں کوشش قائم رکھنے کی حالت میں دوسری طرف توجہ کی جائے یہ نہ ہو کہ دوسرے امور کے شوق میں امور لازم السعی ترک کیے جاویں اور جن امور کے نتائج ممکن الحصول ہیں اُن کی تعریف شاید اس عبارت سے پیدا ہے یعنی وہ امور جن کا تعلق ایسے افعال یا اشیا یا اشخاص سے ہو جن پر قابو حاصل ہونا نہ لازم ہو نہ محال ہو بلکہ ایک احتمالی حالت میں ہو جیسے بڑے بڑے

کاموں کے ارادے یا ایسے امور جن میں ہماری کوششیں ایک خاص حد تک پہنچکر واجب التوکل ہو جاویں مثلاً کاشتکار کی وہ حالت جبکہ وہ زمین تیار کرکے اور تخم افشانی کرکے بارش کے لیے دعا مانگتا ہو یا کسی سائل کی وہ حالت جبکہ وہ کامل کوشش کرکے کسی دیجاہ بادشاہ یا عالی رتبہ رئیس تک پہنچا ہوا ور اپنی حالت بیان کرکے جواب کا منتظر ہو۔ ان دونوں حالتوں میں کوشش کرنے والوں کی انتہا حد یہی تھی جہانتک وہ پہنچ چکے اب اچھا یا برا نتیجہ حاصل ہونا دوسرے کے اختیار میں ہی قدرت کو اختیار ہی مینہ برسائے یا نہ برسائے اور بادشاہ یا رئیس کو اختیار رہے سائل کی خواہش پوری کرنے یا نکرے قس علی ہذا معاملات دین میں کوئی طالب کسی صوفی یا مرشد سے کوئی خاص تعلیم ریاضت شاقہ کی بامید مشاہدۂ تجلیات باطنی حاصل کرکے ریاضت کی تکلیفات برداشت کررہا ہوا ور مشاہدۂ تجلیات کی آرزو میں مضطر ہو اُس حالت میں ممکن ہی کہ شاہد غیب اپنے جمال جہاں آرا کی کوئی جھلک دکھادے۔ مگر اس پر مجبور نہیں ہی چاہے نہ دکھائے۔ اور جن امور کے نتائج ممتنع الحصول ہیں اُن کی تعریف کے واسطے یہ الفاظ کافی ہیں یعنی ہم ایسے افعال واشیا کے ذریعہ سے حصول مقاصد چاہیں جن میں روائے مطالب کی استعداد قدرت نے نہیں رکھی یا ایسے مطالب کی تمنا کریں جن کا حصول فی نفسہ محال ہے مثلاً ہم یہ خواہش کریں کہ عمیق دریا کی موج خیز سطح پر بے تکلف پیادہ پا پَل کر عبور کریں جس طرح زمین کی سطح پر چلتے ہیں یا ہماری تمنا یہ ہو کہ ہمارا جہاز یا کشتی سطح زمین پر اُسی طرح رواں ہو جیسے پانی پر چلتا ہے یا ہم چاہیں کہ کوئی پتھر یا درخت ہمارے مانگنے پر کوئی ایسی شے ہم کو بخش دے جو اُس کی ذات میں موجود نہ ہو حاصل اس سب بیان کا یہ ہے کہ امور واجب التعمیل میں جن کے نتائج کو میں نے لازم الحصول کہا ہے ہمارے معاملات روزانہ کی درستی کے واسطے ضروری ہیں کیا معنی زیادہ تر ضرورتیں ہم کو انھیں امور کی طرف ہیں ان امور کے درست قائم رکھنے کی حالت میں مقتضائے ہمت یہ بھی ہے کہ اُن امور کی طرف بھی متوجہ ہوں جن کے نتائج کو میں نے ممکن الحصول کہا ہے لیکن کسی حالت میں اُن امور کی طرف متوجہ نہ ہونا

چاہیے جن کے نتائج ممتنع الحصول بیان کیے گئے ہیں! انسانی زندگی کے معین اوقات اس قابل نہیں ہیں کہ مفت ضائع کیے جا دیں یہ مقررہ اوقات ہم کو اس واسطے عنایت ہوے ہیں کہ انھیں مقررہ وقتوں میں ہم دنیا کی ترقیات اور درستی امور نفع رسانی میں بھی کامیاب ہوویں اور انھیں اوقات میں اُس دوسرے عالم کے سفر کے واسطے بھی ذخیرہ فراہم کریں جس عالم کی طرف ہم اپنے مجلسوں کو ہمیشہ سرگرم سفر ناگزیر دیکھتے ہیں اور جس کا خوف ہر ایک شخص کو لگا رہتا ہے اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ مرگ کیا ہے اور خوف مرگ کیوں ہے اور کیا ہماری کوشش سے اُس میں کوئی عمدہ نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ حالت مرگ کے متعلق کتب مذہبی میں جو کچھ لکھا ہے ہر ایک اہل مذہب کو اُسی کی طرف رجحان ہے لیکن عام طور پر ہر شخص ماہر ہے کہ مرگ اُس حالت کا نام ہے جبکہ یہ چند روزہ مہمان جس کو رُوح یا نفس ناطقہ کہتے ہیں اس عنصری پیکر سے ہمیشہ کے واسطے جدا ہو جاتا ہے اور خوف مرگ کی اصلی وجہ یہی ہے کہ انسان اپنی موجودہ حالت کو بہت دوست رکھتا ہے اگر موجودہ حالت میں تکلیف شامل ہو جاتی ہے تو خواہش تکلیف رفع ہو جانے کی کرتا ہے مرگ کی تمنا نہیں کرتا البتہ جب تکلیف ناقابل برداشت پہنچتی ہی اور اُس کے رفع ہو جانے کی امید بھی منقطع ہو جاتی ہی اُس وقت البتہ آرزوے مرگ کرتا ہے مرگ کے بعد بقاے نفس کی بابت اگرچہ دلائل عقلی موجود ہیں اور مذہبًا بھی پایا جاتا ہے تاہم چونکہ حالت بعد مرگ کی نسبت ایک مذبذب خیال رہتا ہے اپنی بقاے بعد مرگ کا کامل یقین نہیں ہوتا دہی قوت یہ وسوسہ دل میں ڈالتی ہے کہ تو فنا ہو جاویگا اگر اس فنا کے خیال سے نفس انسانی وجوہات بقا پر استدلال کر کے تسلی کر لیتا ہے تو یہ وسوسہ دل میں پڑتا ہے کہ یہ حالت موجودہ یہ دوست آشنا یہ میل جول نہیں رہیگا بہر حال چار قسم کے اندیشے خیال مرگ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ وقت مرگ تکلیف ناقابل برداشت ہوگی دوم یہ کہ مٹ جائیں گے سویم یہ کہ اگر باقی رہے تو تکلیفات پیش آویں گی اور اُن تکلیفات میں کوئی دردشریک نہ ہوگا چہارم یہ کہ موجودہ حالت یہ جسم یہ ہاتھ

باؤں یہ دوست آشنا یہ گھر بار یہ زن و فرزند یہ مال و دولت وغیرہ جدا ہو جائیں گے
اور اُن کی جدائی سے کمال قلق اور بیچینی ہو گی لیکن میرا خیال ہے کہ امور مفصلۂ ذیل پر غور
کرے تو حالت طمانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ امر اول کی نسبت یہ خیال ہے کہ البتہ وقت مرگ تکلیف
ہوتی ہے لیکن سب کے واسطے یکساں تکلیف نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے
واسطے بہت آسانی کے باطنی سامان مہیا کر دیتا ہے نیز وہ ایک آن واحد کی تکلیف اور ناگزیر
تکلیف ہے جس سے حفاظت کا کوئی چارہ نہیں اگر ہم تمام عمر اُس تکلیف کا دھیان کرتے رہیں تب
بھی وہ اُسی قدر باقی ہے جس قدر ارادۃ اللہ میں ہمارے واسطے معین ہوئی اگر اُس کا علاج کرنا
منظور ہے تو صرف یہی علاج ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی مرضیات کے کام کیے جائیں وہ مشکل
سے مشکل دقت کو آسان کر سکتا ہے وہ ہر طرح قادر ہے یہ امر بھی قابل تسکین ہے کہ منتظم حقیقی جب
کوئی راحت یا رنج کسی ذیحیات کے واسطے عطا کیا یا تا دیبًا اپنی حکمت بالغہ سے مہیا کرتا ہے
تو اُسی وقت اُس کی طبیعت کو بھی اُس کی برداشت کے واسطے ایک خاص حالت متحمل عنایت
کرتا ہے اس وجہ سے عین وقت پر تحمل ہو جاتا ہے۔ امر دوم کی نسبت یہ خیال ہے کہ ہماری ترکیب
ظاہری اور جسم غرض جو کچھ غذائیت سے حاصل ہوتا ہے ضرور اس حالت پر نہیں رہے گا،
الا نفس ناطقہ بفضلہ تعالیٰ باقی رہے گا اور مع العلم ذاتی باقی رہیگا اُس کی بابت دلائل
کثیرہ موجود ہیں اور خدا کے فضل سے مجکو اس امر کا منجانب اللہ قطعی علم دیا گیا ہے۔ امر
سوم کی نسبت یہ خیال ہے کہ سزا اور جزا اعمال نیک و بد کی البتہ ملنے کے مستحق ہم ہیں مگر
اسمیں میرا یہ گمان ہے کہ اعمال نیک کی جزا تو ضرور خداوند پاک دیگا کیوں نہ دے اُس کے
یہاں کیا کمی ہے البتہ اعمال بد کی سزا کے بھی ہم مستوجب ہیں لیکن چونکہ وہ پاک خداوند
اور قادر ذوالجلال ہے اختیار رکھتا ہے چاہے سزا دے اور چاہے محض اپنی شفقت سے
معاف فرمائے وہ اس امر میں مجبور نہیں ہے۔ امر چہارم کی نسبت یہ خیال ہے کہ حالت
موجودہ اور اشیار موجودہ کے ساتھ جو ہم کو دلبستگی ہے یہ دلبستگی بھی حالت موجودہ

تک محدود ہے جب حالت موجودہ کو ہم سے بُعد ہوتا جاویگا اُس کے ساتھ ہی حالت موجودہ اور اشیاے حالت موجودہ کی دل بستگی کو بھی ہم سے بُعد ہوتا جاویگا - یہ تجربہ ہم کو خود حالت حیات میں ہی ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ ہماری حالت طفلی کی دل بستگی مادر مہربان اور دایہ اور گھر کی کنیزوں کی محبت اور پھر چھوٹے چھوٹے ہم عمر بچوں کی الفت اور بازی طفلانہ تک محدود تھی پھر گیند بلّا اور کودپھاند اور یاران مکتب تک تھی - جب حالت طفلی سے نقل کر کے ہم کو گلشن جوانی کی گلگشت نصیب ہوئی تو ہماری دل بستگی بھی حسن پرستی و زور آزمائی و خود آرائی کی طرف منتقل ہو آئی - قس علیٰ ہذا جوں جوں حالت بدلتی گئی ساتھ ہی اُس کے دل بستگی بھی منتقل ہوتی رہی - آج اپنی حالت پر ہم قیاس کرتے ہیں تو جن اشیائے سے ابتداءً ہم کو دل بستگی تھی اور جو لوگ ہم کو اُس وقت عزیز تھے آج نہ وہ اشیا ہیں نہ وہ لوگ نہ وہ ہماری حالت اور نہ اُس حالت کے ساتھ اب کچھ دل بستگی ہے بلکہ حالت موجودہ و یاران صحبت موجودہ کے ساتھ دل بستگی ہے - کبھی کبھی گذشتہ حالتوں کا دھیان آکر جو طبیعت پر ایک اثر تھوڑی دیر کے واسطے پیدا ہو جاتا ہے اس کا سبب صرف یہی ہے کہ حالت گذشتہ سے زیادہ بعد نہیں ہوا جب زیادہ بعد ہو جائیگا پھر کبھی دھیان بھی نہ ہوگا اشعار ذیل اس وقت بے تکلف زبان پر آ گئے -

اشعار

الفراق اے جوشِ ایام شباب	الفراق اے بادہ و جام شراب
الفراق اے خندۂ دنداں نما	الفراق اے ذوق بزم جانفزا
الفراق اے جوشِ استغناے من	الفراق اے عشق بے پرواے من
الفراق اے پرسش جوئی دلبراں	الفراق اے آرزوے گلرخاں
الفراق اے آہ عالم سوز من	الفراق اے تیر گردون دوز من
اے ہواے باغ و بستاں الفراق	ذوق گلگشت گلستاں الفراق

ازخودی صدرم رمیدن الفراق	والہٗ ذزدیدہ دیدن الفراق
رخصت اے مشق خرام نازمن	الفراق اے شوخی اندازمن
سوے جانانم برازمن پیام	احمدی نامی است باقی والسلام

پس جبکہ یہ حال ہے تو ان سب امور کے واسطے ہمارے ہاتھ میں صرف ایک ہی علاج ہے یعنی یہ کہ ہم اپنے دینی و دنیوی کاموں میں استقلال کے ساتھ کوشش کرتے رہیں اپنے ہم جنسوں کی ہمدردی کریں اور حتی الامکان یہ ارادہ رکھیں کہ ہمارا دست توت جب کبھی ممکن ہو کسی ضعیف کی حمایت وحفاظت کے واسطے دراز ہو۔ اور ہم کو قطعی یقین کرنا چاہیے کہ ہم اپنے اُن افعال کے ذمہ دار ہیں جو ہمارے ذاتی ارادوں سے متعلق کیے گئے ہیں جن کے کرنے میں خود ہمارے ارادوں کو دخل ہے مستوجب جزا یا سزا کے ہم اُسی وقت ہونگے جبکہ ہم سے صدور فعل ہو یہ نہیں ہے کہ ہم قبل از صدور فعل مجرم یا مکرم قرار پاسکیں اگرچہ بالقوی یا بالمادہ ہم کچھ ہی اندرونی استعداد رکھتے ہوں لیکن نتائج افعال پانے کے مستحق ہم صدور افعال کے بعد ہی قرار پائیں گے۔ ہمارے خداوند نے اپنے بہت سے انعام تو ہم کو بدون خدمت ومحنت عطا فرمائے جیسے آنکھیں کان اعضائے جسمانی قوا صحت ہوا آگ پانی وغیرہ جن سے ہماری راحتوں کے سامان پیدا ہوتے ہیں ان اشیا کے پیدا ہونے میں ہماری کوشش کو مطلق دخل نہیں لیکن اُن فائدہ بخش اشیا سے فائدہ اُٹھانے اور حسب خواہش آرام پانے کو ہماری کوششوں پر منحصر فرمایا اب ہم کو اختیار ہی ہم سمجھ سوچکر جو بوئیں وہ کاٹیں اپنے برتر خداوند کی مرضیات کے کاموں میں دل لگا کر ہمیشہ کوشش کرتے رہیں اپنی نفسانی خواہشوں میں آکر وہ کام نہ کریں جو اُس پاک بندہ نواز کی مرضیات کے خلاف ہو جب تک ایسے امور کی پابندی رہیگی کچھ اندیشۂ مرگ نہیں ہے جب خدا کا فضل شامل حال ہی تو ہم کو اندیشۂ مرگ کیوں ہو۔ جرایم تو وہ بدبلا ہیں انکا نتیجہ دنیا میں پیش از مرگ مل جاتا ہے لیکن جو کوئی

شخص جرم نہیں کرتا اُس کو کوئی سزا نہیں دیتا بلکہ اُس کی عزت کرتے ہیں پھر وہ پاک بندہ نواز اپنے راست باز غلاموں کا ہر حال میں مددگار کیوں نہ رہیگا۔ اے ہمارے ازلی ابدی خداوند اے ہمارے مشکل وقتوں کے فریادرس! تو ہماری امداد فرما اور ہمکو حوصلہ دے کہ ہمارے اوقات عمر تیری ہی استرضا میں صرف ہوں۔ تجکو سب کچھ قدرت ہے۔ اے کرات اور سمندروں کی حالتیں بدلنے والے! کواکب اور کرات اور عناصر وہی اثر ظاہر کرسکتے ہیں جو تیرے فیض قدرت نے اُن کو عنایت فرمایا ہے یہ سب عظیم الشان اجسام معیّن و محدود حالتوں میں اسی طرح اپنا وقت گزارتے ہیں جس طرح ایک ادنیٰ ذرّہ یا نہایت چھوٹی جیتی جان۔ یہ سب اپنی معین عمر پا کر اسی طرح مٹ جائیں گے جس صورت سے نہایت کم وقعت پانی کا بلبلہ مٹ جاتا ہے تیرے دست قدرت نے اسی طرح لاکھوں بنائے اور مٹا دیئے۔ جس طور پر ایک مچھر اپنی ہستی کے مقابلہ میں ہم کو ایک چلتا ہوا پہاڑ خیال کرتا ہے اسی طریقہ سے ہم اپنی ہستی کے مقابل پہاڑ کو بہت عظیم اور دیرپا سمجھتے ہیں۔ پہاڑوں کی بہ نسبت زمین ایک عظیم الشان چیز ہے اور زمین کی نسبت آفتاب اور آفتاب کی نسبت شمس الشموس۔ لیکن یہ سب عظمتیں تیرے دست قدرت کی نوک ناخن کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ تیرے سہل سے آہنگ قدرت نے بے انتہا دیرپا اشیا بنائیں اور مٹا دیں با اینہمہ تیری شفقت کی وہ شان ہے کہ باوصف ان بڑے بڑے سامان قدرت کی مصروفیت کے ضعیف اور کمزور چیونٹی کے سامان تفریح مہیا کرنے میں بے پروائی نہیں کرتا۔ مچھر کی خیالی تمنا کے دیکھے ہیے اشارات پر فیض عشرت پہونچاتا ہے۔ جبکہ تو ایسا ہے تو پھر تیرے سوا وہ کون ہے جس کی طرف ہم بھول کر بھی آنکھ اُٹھانے کو گوارا کریں تو ہی ہم کو کافی اور بس ہے۔

نظم

ذرا اغیار پر جھکنے نہ دے سر اپنے شیدا کا ہوں مشتاق تجلی لن ترانی مت سنا مجکو	نہیں دشوار کچھ تجکو روا کرنا تمنا کا میں آشفتہ نہیں دلدادہ کچھ تقلید موسیٰ کا

لبِ رحمت سے اگر قم باذن اللہ سنتا ہوں
ترا جویا نہیں محتاج قم لبہائے عیسی کا

ہوائے گلشنِ دیدار میں گرم پریدن ہے
قفس سے دم خفا ہوتا ہے مرغِ رشتہ بر پا کا

غرض کیا میکدو نے خم کشان ربانی کو
ہماری آنکھہ میں رتبہ نہیں کچھ جام و مینا کا

خیالی وسوسوں میں زندگی کے دن گذرتے ہیں
قدم رکتا نہیں ہے توسن عمر سبک پا کا

تمنائیں بہت ہیں کاش وسعت اس کی کافی ہو
سوالی بن کے دامن تیا پھرتا ہوں صحرا کا

ترے جویا زمانے میں ہیں سب پوچھتے پھرتے
وہ صورت ہی کہاں نہاں ہے سب کچھ جسکا ہے خاکا

الٰہی احمدی لایا ہے جنس آرزو ارزان
ترا ہی فضل گاہک ہو تو ٹھیرے نرخ اشیا کا

امدادِ مستحقین

اے سامعین میں آج سادہ الفاظ میں وہ بات بیان کرنا چاہتا ہوں جو عام سے
اور جس سے قریب قریب ہر شخص واقف ہے اگرچہ میرا یہ بیان شاید مطبوع نہو لیکن پھر بھی مجھے
کچھ کہنا اور آپ صاحبوں کو کچھ سننا چاہیے ہر شخص جانتا ہے کہ ہم انسانوں میں سب افراد یکساں
حالت میں نہیں پیدا ہوئی ہیں باعتبار حالت صحت و مرض کے یکساں ہیں نہ سعادت و شقاوت
میں یک رنگ ہیں بلکہ ہر فرد خاص کی ایک جداگانہ حالت ہے اس موقع پر مجکو حالتوں کی تفصیل
کرنے کی ضرورت نہیں نہ اُن قدرتی مصلحتوں سے بحث کرنا مقصود ہے کہ نوع واحد میں مختلف
الحالت افراد کیوں پیدا کیئے گئے۔ یہ تو حکیم مطلق کی مرضی ہے اُس یگانۂ برحق نے جو مناسب
سمجھا دہی کیا۔ ہم کون ہیں جو اسرار قدرت سے بحث کریں ــــ ع ہرکس انچہ باید داد دادند
میں صرف ایک خاص ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہم انسانوں میں بعض افراد ایسے پائیے
جاتے ہیں کہ اُن کو صحت و تندرستی مال دولت علم و حکمت تحکم و تحشم سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔
بعض متوسط الحال ہوتے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ باوصف ادبار و مصیبت کے امراض صعبہ
میں بھی مبتلا رہتے ہیں بایں ہمہ اعضائے معمولی جسمانی میں بھی کوئی نہ کوئی بیکار ہوتا ہے۔
غور کرو کیسی متفاوت حالتیں ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہر شخص کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اپنی حالت
کا موازنہ دوسروں سے کرتا رہے اگر اپنی حالت سے دوسروں کی حالتیں بہتر دیکھے تو اُن وسائل
و اسباب پر نظر کرے جو دوسروں کو حاصل ہیں اور پھر بقدر امکان اُس کے حصول میں استقلال
کے ساتھ تدریجی کوششیں اور واہب مطلق سے دعا کرتا رہے اور اگر اپنی حالت کسی کی حالت سے
بہتر پاوے تو حتی الامکان اُس شخص کی مدد وہی کا اُس حالت میں ارادہ کرے جس میں نقصان
واقع ہوا ہے۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ افراد عالم غیر متناہی ہیں کوئی شخص کس کس
کی حالت درست کر سکتا ہے تو میں جواب میں کہہ سکتا ہوں کہ کفیل سب کی حالتیں درست کرنے

کا یا دوسرے افراد کی طبیعتوں میں جوشش حمایت پیدا کر دینے کا خالق بر حق ہے۔ انسان کا
فرض بقدر اُس کی وسعت اور مقدرت کے محدود ہے۔ پس بقدر وسعت و مقدرت امداد پہنچانا
اپنے فرض کے ادا کرنے میں داخل ہے۔ قابل غور دو امر ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص بقدر اپنی وسعت و
اور قدرت کے اپنی ذات خاص کو بخل سے بچائے بلکہ لفظ فیاض کے مستحق ہونے کا ارادہ
کرے۔ دوسرے یہ کہ امداد کی غرض سے جو کچھ صرف کیا جائے یا کوشش بجا لائی جاوے
وہ ٹھیک ایسا موزوں ہو کہ گویا اُسی طرح ہونا چاہیے تھا شاید کوئی صاحب یہ تردد ظاہر کریں
کہ ہر شخص لفظ فیاضی سے منسوب نہیں ہو سکتا۔ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جو خوش ہمت فرد در
اپنی دن بھر کی محنت سے دو آنہ پیدا کرے تو ظاہر ہے کہ ایسی قلیل رقم اُسی کے مصارف کو
مشکل سے کافی ہو گی با ایں ہمہ ایسی قلیل رقم میں سے ایک ایک دمڑی اس غرض سے جدا کرتا
جاوے کہ کسی دوسرے مستحق اعانت کی اعانت میں صرف کرے گا تو کوئی شبہ نہیں وہ
مزدور لفظ فیاضی کا مستحق اُس امیر کبیر سے کم نہ ہو گا جو ایک کرور کی مملکت میں لاکھ روپیہ
سالانہ امداد میں صرف کرتا ہو۔ اس وقت طوالت کلام مناسب وقت نہیں حاصل مطلب یہ
ہی کہ بقدر مقدرت خیرات کرنا اور بقدر قوت امداد پہنچانا ایسے ضروری امور ہیں کہ نہایت توجہ سے
اس طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اُس کے طریقہ تعمیل کی کامل جانچ کرتے رہنا چاہیے۔ ہم اپنے
اکثر ابنائے جنس کو کامل فیاض پاتے ہیں بلکہ بعض صاحبوں کی فیاضی اسراف کے درجہ تک
بڑھ جاتی ہے لیکن جس جگہ مستحقین مدد کا امتیاز نہیں ہوتا وہاں شاید فیاضی کے بارآور نتایج کی
امید کرنا محض خیالی ہو۔ ہم کو ہمارے احکام مذہبی صاف صاف ہدایت کر رہے ہیں اور عقل
بھی بتا رہی ہے کہ ہمارے صدقات و خیرات اُن بیکس اپاہجوں کی دستگیری اور امداد میں صرف
ہوں جو اپنی حالت کے اعتبار سے غایت درجہ ترحم کے مستحق ہوں یقیناً دوسرے مذاہب کے
احکام میں بھی ایسے ہی لوگ مستحق رعایت و رحم ہیں۔ میں آرزو سے کہتا ہوں کہ اپنے پسینے کی
کمائی میں سے ہر شخص ایک حصہ ضرور ایسا نکالے جو ایسے لوگوں کی پرداخت میں صرف ہو۔

ہم مسلمانوں میں فیصدی اڑہائی روپیہ یعنی چالیسواں حصہ مال کا زکوٰۃ دینا صاحب نصاب پر فرض ہے مذہب ہنود میں بھی دھرم پن کا بابت ذکر ہے گو خاص حسابی تعداد کی تفصیل نہ ہو۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جس مذہب میں جو ہدایت ہو اُس کی پابندی ضرور ہے لیکن صرف اُس کا اپاہجوں کی پرداخت میں ہونا چاہیے۔ میرا ہمدرد دل یہ بھی چاہتا ہے کہ اعتقادی رسوم کی بجا آوری میں جو فراخ حوصلگی سے روپیہ صرف کیا جاتا ہے کاش اُس میں بھی زیادہ نہیں تو نصف حصہ ان مستحقین رحم کا نکالا جائے تاکہ اس وجہ سے اُس اعتقادی رسم کی زیادہ برکتیں بڑہ جائیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ یہ بھی کیا جائے کہ مستحقین رحم کی پرداخت سے جس اجر یا ثواب کی عند اللہ امید ہو وہ اُس برگزیدۂ بارگاہ احدیت کی ملکیت کردیا جاوے جس کے حصول رضامندی کے واسطے اعتقادی رسم ادا کی گئی ہو مثلاً عشرہ محرم میں جب مجالس حسنین علیہما السلام منعقد کی جائیں اور اُن میں محبان حسین علیہ السلام کے اجتماع اور مرثیہ خوانی کی مدارات اور تعزیہ داری کے اہتمام میں صرف کیا جائے اُس کا نصف محتاجیں مستحق رحم کی پرداخت کے واسطے لگا کر ثواب اُس کا حسنین علیہما السلام کی ملکیت کردیا جاوے۔
قس علیٰ ہذا مجالس میلاد شریف میں یا گیارھویں شریف میں یا اولیاء اللہ کے عرسوں اور مزاروں کی روشنیوں میں صرف کرنا ہو تو نصف اُس کا اس کار خیر میں صرف کر کے اجر اُس کا اُس برگزیدۂ الٰہی کی ملکیت کردیا جائے بالیقین اس طریقہ میں بہت برکات ہیں اور جس قوم کے واسطے مخصوص کردیا گیا ہو اُس کی عمدہ تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ اُس قوم مخصوص میں جو اپاہج مستحقین رحم ہوں اُن کو دینا چاہیے۔ اب اس قدر بیان کرنا باقی ہے کہ اس سب تقریر میں لفظ محتاج سے میری مراد کیا ہے محتاجیں مستحق رحم ظاہرا یہی لوگ ہیں یعنی وہ اندھے اور لنگڑے جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو نہ کوئی اُنکا سرپرست ہو نیز وہ یتیم لڑکے جن کے مربی نہ رہے ہوں بہرحال ہیش از زمانہ سن بلوغ وہ محتاج ہیں وہ ضعیف بیوائیں جن کو کہیں معاش کا سہارا نہ ہو میں آپ صاحبوں سے التجا کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے کوئی نئی بات نہیں بلکہ وہی ہے جس کو تم سب جانتے ہو لیکن قابل قبول ہے۔

نظم

سحرِ نشاط ہی دوستاں کریں ٹھاٹھ سب کو بلائیں ہم — سجیں تن پہ خلعت بے بہا ملیں عطر بزم سجائیں ہم
رہ گلستاں ہی کھلا ہوا روشوں پہ فرش بچھائیں ہم — کریں گلفشانی خوشی خوشی بہ سرور سب کو سنائیں ہم

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنا ریں ہم

دری تہم صبائے رمیدہ خو ہے وسیع دامن آرزو — تو کہاں سے لائی یہ رنگ و بو جو مہکتی پھرتی ہی کو بکو
ترا رنگ گلشن دہر میں یہ جما کہ دھوم ہے چار سو — تو بہر چمن کہ جہاں رسی نفسے بپیام زما بگو

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

زر و سیم و کجکلہ و قبا در و لعل و گنج گراں بہا — دف و کوس و طبل و علم لوا لب نہر و باغ طرب فزا
گل و گلبن و شجر و ثمر نئے و نغمہ و سحر و مسا — شب عیش و روز نشاط زا ہی اُسی کا لطف کیا ہوا

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

کھلیں پھول کیوں نہ چمن چمن رہیں کیوں نہ بلبلیں نعرہ زن — سہی سرو کیوں نہ کھچیں تنیں یم نہر کیوں نہ ہو جوش زن
وہ گھٹائیں جھومتی آتی ہیں یہ اشتیاق میں قطرہ زن — بزبان خاص خودش چنیں لب رعد گفت سخن بمن

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

کہو فلسفی سے کہ ذو فنوں تری سن چکا میں چگون و چوں — نہیں تجکو گر اثر جنوں تو یہ اتنی بحث بڑائی کیوں
تو خود اپنی اصل بتا تو دے کہ تو عین روح ہی یا کہ خون — ہیں اگر حواس بجا ترے تو یہ بات مان جو میں کہوں

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

مجھے چھوڑ کشمکش جہاں ادب ضرورت این و آں
صفِ انبیاؤ ملائکہ بو فور شوق و طرب جہاں
تمہیں ساتھ رکھوں کہاں کہاں مجھے مل چکا ہے وہ آستاں
پس و پیش ہیں بہ ادب کھڑے مجھے دیکھ کر یہ کہا کہ ہاں

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

مجھے بال شوق جو لے اُڑا سوئے سدرہ میرا گذر ہوا
یہ مقام پاک ہے مشغلہ یہاں غیر طاعت کبریا
کہا جبرئیل نے مرحبا نفسے نشین و کرم نما
نہیں کچھ کسی کا بھی مشغلہ بحضور دل بہ صنم در آ

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

وہ خدائے جل جلالہٗ نہیں جس کا مثل کوئی کہیں
کیے خلق لطف سے اب بھی وہ کہے کن تو ہوش کو ہیں
ازل و ابد بشر و ملک شجر و حجر فلک و زمیں
نہ سبب کا رنگ جمے یہاں نہ علل کی دال گلے کہیں

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

مجھے جوش لطف کرے خدا نہ ہو دل کو الفت ماسوا
قدم طلب تری رہ میں ہوں حرم حضور تلک رسا
تری رٹ لگی رہے درمیان میں خفی و جلی سحر و مسا
تہ دل سے ہووے بہ آرزو لب فرط شوق سخن سرا

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

زہے ذات پاک جلیل ما بحیات و مرگ کفیل ما
کرم عمیم مظہرش دم درد و یاس خلیل ما
زہے رہنما و دلیل ما بہ قیام ما و رحیل ما
ہم از و ست جملہ متاع ما چہ کثیر ما چہ قلیل ما

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

مرے پاک خالقِ بے نشاں تری جستجو ہو کہاں کہاں
تو نہاں ہے یہ ہے جو کچھ عیاں تری قدرتوں کی ہیں سب نشاں
تجھے جسم چھو نہ سکے کبھی نہ نظر میں لا سکے جسم جاں
مجھے عشق خاص نصیب کر مرا ورد ہو یہ تمام زماں

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بہ خلوص حمد و ثنائیں ہم

تری کائناتِ وسیع میں خط حد ملک کوئی جائے کیا
پس و پیش کا نہ نشان حد چپ و راست کا نہ کہیں پتا
نہ نشیب کی کہیں ابتدا نہ فراز کی کہیں انتہا
تری ذات خود ہی علیم تر وہ ازل سے کوئی مجھے اس سے کیا

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

سحرِ نشاط ہے چین ہے در فیض حق سے ہے یہ ندا
ہیں غلام اُس کے من و شما وہ ہے شاہ مستعد عطا
جو مراد ہو کہو مو بمو کھلے حال دل کا ذرا ذرا
خوشی خواہ چاہیں سو مانگ لیں نہیں دخل غیر کسی کو کیا

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

میں پھرا ہوں دہر میں چار سو پے صید طائر آرزو
نہ مٹی حرارت دل کہیں نہ جگر کا بند ہوا لہو
نہیں چھوڑا جادہ جستجو نہ رُکا کہیں نہ تھما کبھو
مگر اب ہیں آپ طبیب ہوں جو ملا یہ باب شفائی ہو

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

دل احمدی کو ابد تلک ہی یہیں سے خواہش برتری
کہیں دور ہو یہ فسردگی دل پُر ہراس کی تھرتھری
نہ خیال جن و بشر کبھی نہ ہوائے زہرہ و مشتری
بدن نزار کی کنپ کنپی نظر آئے نور خدا ذری

در کبریائے کریم پر اُٹھو ملکے سر کو جھکائیں ہم
بخشوع ذکر خدا کریں بخلوص حمد و ثنائیں ہم

انعقادِ مجالس

حضرات! میں آج کچھ دیر آپ صاحبوں کے خیال کو ایک ضروری امر کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ میرے بیان میں کوئی لفظ یا کوئی مفہوم کسی صاحب کے مناسب طبع نہ ہو تو محض اس امر پر خیال کر کے مجکو قابل معافی سمجھیں گے کہ میں نے صرف ہمدردی کی راہ سے سمع خراشی کی ہے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری قوم یا ہمجنساں معاصر کے گروہوں میں جو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اُن مجالس کے انعقاد میں ایک مفید تدبیر شامل کر دی جائے تو نہایت مستحسن معلوم ہوتا ہے۔ لفظ مجلس سے میری مراد اُس اجتماع قوم سے نہیں ہے جو واسطے ادائے احکام مذہبی کے عبادت گاہوں میں فراہم ہو کر ادائے فرض مذہبی کرتے ہیں۔ میں اپنے بیان میں اُن مجالس کو بھی مستثنیٰ کرتا ہوں جن میں مذہب کے احکام کے متعلق وعظ و ہدایت ہوتی ہے میری التماس کے الفاظ کو اُن مجالس کے بیان تک محدود سمجھنا چاہیے جو شادی کی تقریبات یا اعلیٰ دعوتوں کی تقریبات میں منعقد ہوتی ہیں اُن میں وہ مجالس بھی شامل ہیں جو اعتقادی امور کے متعلق منعقد ہوتی ہیں جیسے میلاد شریف کی مجلسیں یا عشرۂ محرم کی سالانہ مجلسیں ہیں ان مجالس کے امتیاز و تخصیص کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ میرے خیال کے بموجب ہم انسانوں کی حالتیں ہمیشہ اس امر کی حاجت مند رہتی ہیں کہ اُن کی جانچ اور بحالت ضرورت اصلاح کرتے رہنا چاہیئے۔ پس مجالس وعظ و ہدایت تو خود اسی غرض سے منعقد ہوتی ہیں کہ اُن میں احکام مذہبی اور اصلاح اخلاق کی ہدایت ہوتی ہے۔ بدیں وجہ اس موقع پر صرف اُنھیں مجالس کے متعلقات کا ذکر کرنا مناسب وقت ہے۔ جو سطور بالا میں مذکور ہوئے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری قوم میں شادی کی تقریبات میں یا اعلیٰ دعوتوں کی تقریبات میں جب محفلیں منعقد کی جاتی ہیں تو بیشتر توجہ سب شرکائے محفل کی ان امور کی جانچ پر متوجہ ہوتی ہے کہ مالک خانہ و مہتمم بزم نے تکلفات ظاہری میں کہاں تک عالی ہمتی کی ہے مکان کی آرائش میں کیسا اہتمام کیا ہے۔ رقص و سرود کے متعلق کیسے سامان

ہوے ہیں۔ غرض اسی قسم کے خیالات سب کے دماغوں میں جاگزیں ہوتے ہیں اور مالک خانہ کی مدح وذم انھیں امور کی درستی و نادرستی سے متعلق ہوتی ہے اگر مصارف فضول میں دریا دلی کی جاتی ہے تو مالک خانہ اُس زرکثیر کو بے اندازہ صرف کر دینے کے صلہ میں لفظ مرحبا سنکر خیالی سرور میں پھولا نہیں سماتا۔ اور اگر کسی امر میں سہو بشری کی وجہ سے کوئی فرد گذاشت ہو جاتی ہے تو اپنے ہچشموں میں ہدف تیر ملامت ہوتا ہے۔ القصہ علت غائی اس تمام محنت اور خرچ کی ایک خیالی امید مرحبا اور وہ بھی احتمالی حالت میں ہے۔ سوائے اس خیالی امید کے کوئی اخلاقی یا تمدنی نفع کسی کو نہیں پہونچتا۔ حالانکہ لازم یہ ہے کہ جس موقع پر اکابر خاندان یا اکابر قوم جمع ہوں اُن کے اجتماع سے کچھ نہ کچھ اخلاقی یا تمدنی فائدہ حاصل ہونا چاہیے۔ شاید میرے اس بیان پر کوئی صاحب اعتراضات ذیل کریں۔ اول یہ کہ شادی کی تقریبات یا دعوتوں کی تقریبات کچھ قومی پنچایتیں نہیں ہوتیں کہ اُن میں ایسے زاید امور پر غور و فکر کیجائے خوشی اور آزادی کے موقع پر افسردہ اور غور طلب معاملات کا پیش ہونا گویا بزم شادی کا برہم کر دینا ہے۔ دوسرے یہ کہ شادی اور دعوتوں کی تقریبات میں عالی حوصلگی سے خرچ کرنا اور مہمانوں کی مدارات میں ہر قسم کے اہتمام کرنے کسی حالت میں قابل اعتراض نہیں ہو سکتے۔ میں جواب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بیان متذکرہ بالا سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ اکابر مجلس کے روبرو کوئی افسردہ امر پیش کیا جائے یا ایسے غور طلب معاملات پیش کیے جائیں جن سے وقت ضائع اور طبیعت متفکر ہو جائے یہ بھی مراد نہیں ہے کہ کوئی اجنبی امر پیش کیا جائے نہ یہ مقصود ہے کہ بقدر وسعت تکلفات و خرچ سے باز رہا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ اُن کو امور متعلقہ تقریب کی جانچ کا موقع دیا جائے اور جب وہ مبارک تقریب انجام کو پہنچے تو اُس وقت اُس تقریب کے سب مراتب ہر ایک حاضر وقت کے ذہن میں موجود ہونگے اُس وقت تجربہ کاران موجودہ آپس میں اس امر پر بحث کر کے ایک نتیجہ مستخرج کیا کریں کہ ایسی تقریبات میں آیندہ کے لیے کوئی امر اصلاح طلب ہے یا نہیں اگر ہے تو کون

اور اُس کی اصلاح کیا ہے ۔ عام اس سے کہ وہ اصلاح مصارف بیجا کے متعلق یا ترتیب محفل کے متعلق یا قرینہ نشست کے باب میں ہو اور بعد اُس کے اُن سب مراتب اور اصلاح کی مطالب کو تحریر کر کے دستخط کر دیا کریں اگر ایسا کیا جائے تو میرا گمان ہے کہ رفتہ رفتہ بہت کچھ اصلاح ہو جائے اور اس عمل کا اثر اخلاق اور تمدن پر بھی ضرور پڑے اور کسی حالت میں ایسے عمل سے رونق بزم میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا ۔ یہانتک میں نے معمولی قومی مجالس کی بابت گفتگو کی اب میں چند الفاظ اعتقادی محافل کے متعلق التماس کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ آپ سب جانتے ہیں کہ اعتقادی مجالس بڑے شوق اور آرزو سے منعقد ہوا کرتی ہیں ۔ محافل میلاد میں عاشقان سرور کائنات بپاے سر حاضر ہوتے ہیں ذکر شہادت کے جلسوں میں محبان اہلبیت بہ تمنا شریک ہو کر یاد شہدائے کربلا میں آنسو بہاتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں جو حضرات ایسی بابرکت محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں اُن کی عالی ہمتی اور خلوص صرف زر کثیر اور مصروفیت سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے اور جو صاحب شریک ہوتے ہیں اُنکا شوق اور ولولہ بھی قابل ستائش ہے ۔ اس محل پر مجکو اُن پر نفسانیت اختلافی مسائل کے بیان کی کچھ ضرورت نہیں جو فی الحقیقت اسلامی قوت کے پارہ پارہ کر دینے اور اہل اسلام میں تخم خصومت کے بونے کے باعث ہوئے ہیں ۔ میں صرف اسی قدر کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ باعتبار اعتقاد اور جوش محبت کے یہ مجلسیں فی نفسہ مہبط خیر و برکت ہوتی ہیں ۔ میں بھی ایسے جلسوں میں شریک ہوا ہوں اور صادقان پر شوق کو ضبط رُبا جوش کی بیتاب حالتوں میں پایا ہے ۔ ایسی دلچسپ حالت کے متعلق اگر مجکو افسوس ہی تو صرف اس قدر ہے کہ وہ خلوص اور جوش اُسی وقت معین تک محدود ہوتا ہے جب تک اُس موقع پر موجود رہتے ہیں ۔ جب چلے ہیں تو پھر کچھ اثر باقی نہیں رہتا اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان مجلسوں میں محض واقعات کے بیان پر اکتفا کی جاتی ہے مثلاً مجلس میلاد مبارک میں ذکر پیدایش و معراج و وفات جناب سرور کائنات کا ہوتا ہے اور مجلس عزا میں ذکر سفر و معاملات اہل کوفہ اور مصائب کربلا کا بیان ہوتا ہے ان واقعات کے بیان سے

اول یا بعد کوئی ایسا ذکر نہیں ہوتا جس میں ترک منہیات اور بجا آوری احکام مذہبی کے متعلق ترغیب ہو یا ہمدردی باہمی و دستگیری ضعفا کی بابت حوصلہ پیدا ہو حالانکہ یہ ضرور ہونا چاہیے۔ اول اس وجہ سے کہ مثلاً مجلس میلاد منعقد کرنے سے جبکہ یہ غرض ہے کہ جناب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح ہمارے حسن عقیدت سے خوش ہو تو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس عمل کے شامل کرنے سے اور زیادہ خوشی کا باعث ہوگا کیونکہ جو احکام الٰہی اُس برگزیدۂ کونین کی وساطت سے اہل امت کو پہنچے ہیں اُن کی ترویج و ترغیب جس قدر ہو اسی قدر بہتر اور داخل حُسن عمل ہے۔ بخصوص اس وقت میں کہ علم دین اور علمار امت کم ہوتے جاتے ہیں کفر و بدعت زیادہ پھیلتی جاتی ہے اور واعظان بے ریا کم عنقا رکھتے ہیں۔ دوم اس وجہ سے کہ ذکر شہادت کی مجلسیں بھی اسی آرزو سے آراستہ کی جاتی ہیں کہ جناب سید الشہدا کی رضامندی حاصل کی جائے پھر کیا یہ مناسب نہیں کہ ذکر شہادت کے اول یا بعد باتفاق باہمی کوئی ایسی تجویز قرار پایا کرے جس سے ضعفا یا محتاجین کو کافی فائدہ پہنچے تاکہ جناب ممدوح کی خوشنودی اور بھی زیادہ ہو۔ جہاں تک میں غور کرتا ہوں میرے خیال میں تدبیرِ متذکرۂ صدر کا برتاؤ ایسے نازک وقت میں جیسا کہ اب ہے لازمی ہوگیا ہے ایسے ہی عمل سے اُس خلوص کی تصدیق ممکن ہے جو بڑے دعوے اور نمائش سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

اے ابدی ہادی اور سچے مددگار ہم پر رحم کر۔

خیال خاص

حضرات! ایک دو صاحبوں نے اپنا تردد مجھ سے اس بات میں ظاہر کیا کہ ہمارے ذاتی افعال میں اگر مشیت ایزدی کو دخل ہے اور ہمارے افعال اُس کے مطابق ظہور پاتے ہیں تو پھر ہمارے واسطے جزا و سزا کیوں رکھی گئی ہے اور جبکہ جزا و سزا کا ہم سے وعدہ ہوا ہے اور احکام اوامر و نواہی ہمارے واسطے صادر ہوئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے افعال میں ہم مختار ہیں۔ مشیت ایزدی کو ہمارے ذاتی افعال میں کچھ دخل نہیں۔ میں اس کے متعلق بیان کرتا ہوں کہ یہ ایک بہت پرانا خیال ہے ہر ایک زمانہ میں لوگون کے دلوں میں خطور کرتا رہا ہے اور آیندہ بھی کریگا۔ علمائے مذہب نے ہر ایک زمانہ میں جوابات روشن دییے ہیں اور دیں گے میں نہ عالم ہوں نہ یہ مجلس مذہبی احکام کے بیان کے واسطے منعقد ہوئی ہے۔ میں اس وقت کے مناسب حال ضروری بات بیان کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایسے بے سود خیالات کی فکر و تردد میں عمر عزیز کے بے بہا وقتوں کو ضائع کرنا اُن کاہل پسند بہانہ طلب طبیعتوں کا کام ہے جو آخر کار کف افسوس ملنے کے لایق رہ جاتے ہیں۔ ہم کون ہیں جو ایسے باطنی تعلقات قدرت کے واسطے ظاہری شہادتیں اور ثبوت تلاش کرتے پھریں کیا ہمارے علم و تحقیق نے تمام و کمال غوامض قدرت کے دریافت کرنے سے فرصت پائی صرف ایک یہی امر باقی رہ گیا ہے کہ بدون اس کی تحقیق کے ہمکو تعمیل احکام نہ کرنا چاہیے۔ بایں ہمہ ہمکو اس امر کی تحقیق کی ضرورت کیا ہے ہم مخلوق ہیں محکوم کو یہ منصب حاصل نہیں ہوتا کہ حاکم کے مصالح اختیاری سے بحث کرے اور اپنی تعمیل حکم کو اُس کے معلوم کرنے پر منحصر رکھے۔ ہماری فہم عالی کی تو یہ حقیقت ہے کہ ابھی تک ہم یہ بھی نہیں سمجھے کہ ہمارے جسم عنصری میں یہ کون گرم کار ہی کہاں سے آیا ہے کیا ہے کہاں جائیگا۔ ہمارے ارادوں کی تحریک کہاں سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکر ہمارے اعضاے ظاہری احکام باطنی کی تعمیل کرتے ہیں جہاں تک میں غور

کرتا ہوں ہم کو یہ غور کر لینا کافی ہے کہ ہرگاہ قدرت نے اپنی مصلحت سے ہم کو یہ علم نہیں دیا کہ ہم مختار ہیں یا مجبور ہیں اور باینہمہ ہم کو تعمیل احکام کا حکم اور قوت اور عقل اور اعضا عنایت کیئے تو ایسی حالت میں ہمارے لیئے یہی بہتر ہے کہ ہم بخوشی خاطر تعمیل احکام کریں اور اگر بدقسمتی سے ہمارے دل سے یہ خدشہ نہ جائے کہ شاید ہم مختار افعال گردانے گئے ہیں تب بھی ہماری نجات کا سیدھا راستہ یہی ہے کہ تعمیل احکام کریں تعمیل احکام کرنے کی حالت میں ہرایک طرح ہمارے ہاتھ بازی رہیگی۔ اس دلیل سے کہ تعمیل حکم کرنے میں ہم مجبور اس امر پر ہونگے کہ نیک کام کریں اور بد افعال سے بچیں پس نیک کاموں کا بدلہ ہرایک حالت میں عمدہ ملے گا۔ اور بد افعال کا نتیجہ ہر ایک صورت میں بُرا ہوگا۔ جبکہ یہ حال ہے تو ہم کو ایک یہ امر کہ آیا ہم مختار ہیں یا مجبور ہیں معلوم ہوا تب کیا ہے اور معلوم نہ ہوا تب کیا ہے۔ اب میں یہ بیان کرتا ہوں کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں جب کوئی کاریگر کسی شے کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اُس شے کی نسبت یہ ضرور قرار دے لیتا ہے کہ وہ شے کس مدت تک قائم رہیگی اور اُس سے کیا کام نکلیں گے جب تک اس امر پر کامل غور و فکر نہیں کرتا تب تک بنانے کا ارادہ ہی نہیں کرتا جبکہ دنیا کے کاریگروں کا یہ حال ہے تو اُس صانع حقیقی نے کیونکر اپنی مصنوعات کی انتہائی حالت تک نظر نہ فرمائی ہوگی کیب ممکن ہے کہ ہمارے افعال و عادات میں مقدرات الٰہی کو دخل نہ ہو یہ بھی ظاہر ہے کہ اکثر اوقات پیشین گوئیاں حرف بہ حرف صادق آتی ہیں۔ ایسی حالت میں آثار و علامتیں آنے والی اشیا کی پیش از ظہور ظرف مرکان میں آکر اپنا عکس ہیں ڈالتیں تو کیونکر پیشین گو ایک واقع کو پیش از وقوع بیان کر دیتا ہے اور اس کا ظہور مطابق بیان کے ہوتا ہے جبکہ ایسا ہی تو ہم کیوں یہ خیال نہ کریں کہ مشیت الٰہی سے امور کائن اولاً غیب میں مہیا ہو جانے ہیں پھر ظہور پکڑتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ ہرگاہ امور کائن اور ہمارے افعال و عادات میں قدرت موثر ہے تو ہم مستحق جزا و سزا کیوں کیا خدا ناکردہ خداوند جلیل کا یہ جابرانہ فعل ہے نعوذ باللہ منہ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ خیال محض غلط ہے ایسے سوالات کا شافی جواب علمائے مذاہب نے ہمیشہ عمدہ دیا ہے

اور دیں گے ۔ یں حاضرین وقت کے مناسب حال یہ بیان کرتا ہوں کہ اول لفظ جبر
کے معنی کی صراحت کرنا چاہیے بلفظ جبر یا لفظ جابر کے بیان کرنے کے وقت سائل کے
ذہن میں اُن تکلیفات کا عکس ہوتا ہے جو بُرے افعال کی پاداش میں کسی مجرم کو پہونچتے ہیں
اسی وجہ سے اُس تکلیف کا دہیان کرکے وہ اُس تکلیف کو بُرا اور جس کے ارادہ سے وہ تکلیف
پہونچی ہو اُس کو جابر خیال کرتا ہے حالانکہ تکلیف اور راحت کا اثر ایک نسبتی اثر ہے ہر ایک
ذیحیات اُس اثر یا فعل کو بُرا کہتا ہے جو اُس کے مزاج اور موجودہ حالت کے خلاف ہو
ورنہ فی الحقیقت خالق آثار کے نزدیک دونوں کی حقیقت یکساں ہے ۔ فرض کرو ایک شراب
پیے ہوئے حار مزاج جوان آدمی کو ٹھنڈی ہوا نہایت سرور بخشتی ہے وہ اُس کو بمنزلہ بہشت کے
حاصل حیات سمجھتا ہے اور وہی ٹھنڈی ہوا ایک مرطوب بوڑھے آدمی کو ایسی تکلیف رساں
ہے کہ وہ اُس کو دوزخ کی تکلیفات سے نسبت دیا پسند کرتا ہے ایسی حالت میں اس کا فیصلہ
کیا ہو سکتا ہے کہ وہ شے بُری ہے یا بھلی ۔ ہم ثابت کر چکے کہ اچھی اور بُری اشیا ء کا ہمارے ساتھ
ایک نسبتی اثر ہے ہم اپنے موافق شے کو اچھی اور مخالف کو بُری کہتے ہیں ایسی حالت میں جبکہ ہمارے
مفہوم کی غلطی ہے تو ہم نفس شئے و نفس اثر شئے کو حقیقی بُرائی یا بھلائی کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے
اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ خالق الاشیا نے بُری چیزیں یا تکلیفات کیوں پیدا کیں مثلاً ایک باغبان
نے اپنے باغ میں سب طرح کے درخت لگائے اُن میں کڑوے اور کھٹے اور میٹھے پھل پیدا
کیے اور سیاحوں کو دونوں اثمار کے مزے اور خواص بھی بتلا دیے اور راہیں بھی بیان
کر دیں ۔ پس بعض اُن سیاحوں میں سے میٹھے پھلوں کی طرف راغب ہوئے اور دوسرے
ساتھیوں کو بھی اُسی طرف بُلایا دوسرے ساتھیوں میں سے جو لوگ اُن کے ساتھ گئے یا اُن کے
بُلانے پر گئے اُنھوں نے خوش قسمتی سے شیریں اور لذیذ پھل کھائے اور جو لوگ کڑوے اور
کھٹے پھلوں کی طرف گئے اُنھوں نے وہ بدمزہ پھل کھائے ۔ بعد میں جو لوگ کھٹے اور
تلخ پھلوں کے چکھنے کے بعد میٹھے اور شیریں اثمار کی تلاش میں پھر آئے وہ شیریں کام ہوئے

جن لوگوں نے اُنھیں تلخ اور ترش پھلوں پر بسر کی اُن کو ہمیشہ تلخ کامی نصیب رہی۔ غور کرو مالک باغ نے تو اپنے باغ میں مصلحتوں کے مطابق سب قسم کے درخت لگا دیئے اور خواص اُن کے بتا دیئے اور باعتبار اس کے کہ وہ سب اشجار مالک باغ کی ملکیت میں ہیں اُن میں ہر ایک شجر کو عام اس سے کہ وہ شجر اچھا ہو یا بُرا باغ کے مالک کے ساتھ باعتبار ملکیت ہونے کے یکساں نسبت ہے کیونکہ ہر ایک شجر کو اُس نے اپنی مصلحت کے مطابق لگایا ہے جبکہ ہم کو باغ کی سیر کی اجازت دی گئی تو ہماری تلاش اور ہمت پر منحصر ہے ہم جیسے شجر کے پاس جائیں گے ویسا ہی پھل پائیں گے۔ اب میں مناسب وقت چند اشعار پڑھتا ہوں جو میں نے آج ہی لکھے ہیں

الٰہی خاطر مجروح کو مرہم عنایت کر		قتیل یاس صرف رقص بسمل ہے حمایت کر
نہ ہو جس کی نہایت ایسی رحمت کی ہدایت کر		مرا خود تو ہی ہادی بن مجھے تو ہی ہدایت کر

گدائے بیشۂ ور سے شاہ کا کوچہ نہیں چھٹتا
نگاہِ شوق سے دیدار کا لپکا نہیں چھٹتا

مری فریاد برسوں گنبد گردوں میں گونجا کی		صدائے بازگشت گنبدی کانوں میں آیا کی
اثر کو آہ میری تا فضائے عرش ڈھونڈا کی		لبِ تشنہ مئی انگور فضلِ حق کو تاکا کی

خُم رحمت کو جھک جھک دیکھتی ہے چشم پیمانہ
در فیض خدا پر صرف پا کوبی ہے دیوانہ

خداوندا زبان شوق کو جوش طلاقت دے		نحیف خستہ جاں کو رستم دستاں کی طاقت دے
کرے ہمچشمی جبریل وہ پشہ کو ہمت دے		گدائے بے سروپا کو شہنشاہانہ شوکت دے

روان قطرۂ ناچیز ہو دریا کے جوشوں پر
سبق لے جائے طفلِ نارسیدہ تیز ہوشوں پر

تمنا ہے ترے آثار قدرت کو بیان کیجے		زمین شعر کی رفعت بڑھا کر آسماں کیجے

ضیائے فکر سے اس رات کو انجم فشاں کیجے
مکاں کو چھوڑیے کچھ دیر سیر لامکاں کیجے

عجب اللہ نے بخشا اثر معجز بیانی کو
وہ اُترے آتے ہیں جبریل میری ہم زبانی کو

الٰہی تیری مدحت کے لیئے کیا فکر کی جائے
کہاں ہو دوسرا جس سے تری تشبیہ دی جائے
تمنائی کی جیب آرزو کس طرح سی جائے
شراب اشتیاق حمد کن ہونٹوں سے پی جائے

ترے جویا کو مل سکتا ہو تجسا دوسرا کیونکر
یہ مخلوق پائے زور بازوئے خدا کیونکر

سمک سے تا سما چکر لگائیں باغ امکاں کا
مگر دیکھ لیں پڑتال لیں دنیا و مافیہا
پھریں راہ طلب میں عمر بھر پھر کیا ہو سکتا
تصور جس کا دل میں لائیں ہم خالق ہو تو اُسکا

جہاں دیکھو وہاں اقرار ہے تیری خدائی کا
ہر اک سو جوش زن ہے بحر تیری کبریائی کا

جلیل بندہ پرور تو توانا ہے یگانہ ہے
ترے باب کرم پر جبہہ فرسا سب زمانہ ہے
ترا بذل کرم نامنقطع ہے جاودانہ ہے
سوا تیرے جو کچھ ہے خواب ہو یا اک فسانہ ہے

فنا کی سیل کی موجوں میں ہر ممکن کی ہستی ہو
یہاں پائندہ دریا ہے نہ صحرا ہے نہ بستی ہو

مٹے لاکھوں شہنشاہان عالیجاہ ہو ہو کر
سرائے دہر میں شب آئے تڑکے چل دیے سو کر
یہی سودا جو نقد عمر لائے تھے گئے کھو کر
وہی پھل پائیں گے واں جو گئے ہیں بیج یاں بو کر

کتاب دہر کا ہر صفحہ ان ناموں سے رنگیں ہو
جہاں دیکھو نیا دعویٰ نیا آئیں نیا دیں ہو

ہزاروں نازنیں صدہا پری رو خوش ادا لاکھوں
کروروں فلسفی از بس محقق رہنما لاکھوں

ادا فہمان عرفاں انبیا و اولیا لاکھوں ۔ خدا جویان حق ہیں صوفیان باصفا لاکھوں

معین وقت پاکر بیٹے اپنی اپنی راہوں سے
تجھے تکتے ہوے امید وارانہ نگاہوں سے

اُسے کیا غم ہی جس بیڑے کا یارب ناخدا تو ہو ۔ اُسے کیا خضر سے مطلب ہی جس کا رہنما تو ہو
مرا ہادی مرا مونس ہو میرا غم رُبا تو ہو ۔ جو ہونا چاہیے وہ ہو نہ کہو اب مجھسے کیا تو ہو

طلب میں تیری سب پھرتے ہیں تو مطلوب عالم ہی
تو ہی مقصود عالم ہے تو ہی محبوب عالم ہی

پئی صنعت تو کچھ اسباب کی حاجت نہیں رکھتا ۔ نہ اشیا کے بنانے کو تجھے آلات کی پروا
نہ تو تکمیل صنعت کے لیے پابند مدت کا ۔ ترے آہنگ قدرت میں جو کچھ آیا سو ہو گذرا

خداوند زمین و آسماں کیا بات ہی تیری
نرالے ڈھنگ ہیں تیرے نرالی ذات ہی تیری

بڑے استاد نے مجکو سکھایا ہے فن حکمت ۔ مرا ایماں ہی پکا نہیں ہیں منکر قدرت
کہاں کا جسم کیسی روح کیسی عقل کیا قوت ۔ فقط تیرا ارادہ ہے ہر اک معلول کی علت

اشاروں میں یہاں عالم کے عالم بنتے مٹتے ہیں
فروش خلق صحن بود میں بچھتے سمٹتے ہیں

کوئی ہو منکر قدرت تو سمجھائے ذری آکر ۔ کہ خاک و باد و آب و نار پیدا ہو گئے کیونکر
یہ کس شے سے بنے اور کیوں جگہ پائی تلے اوپر ۔ سبب کیا ہے کوئی ہے خشک ان میں اور کوئی تر

بنائی خاک کس نے ٹھوس کیوں سیّال ہی پانی
ہوا کس وجہ سے روشن عذار نار نورانی

خرد کس نے بنائی اور قوت کس نے پیدا کی ۔ کوئی مخزن تھا ان کا یا کہ قدرت سے ہویدا کی

نباتی جنس میں نشو و نما کیونکر مہیا کی
عنایت کی بشر سے سست طینت کو یہ چالاکی

اولی العزمی سے جو گردوں تلک پھندے لگاتا ہے
دُرِ مقصود کو دریا کی تہ سے ڈھونڈ لاتا ہے

کہاں سے آئیں یہ اٹکھیلیاں رفتارِ خوباں میں
جو محشر خیز چالیں چلتے ہیں گلزارِ امکاں میں

بہار آتی ہے کس کے فیض رحمت سے گلستاں میں
کہاں سے پھول خوشبو لاتے ہیں بھر بھر کے داماں میں

گھٹائیں کالی کالی کون برساتا ہے گلشن پر
بچھایا کس نے فرشِ مخملی صحرا کے دامن پر

سرا پا یام پر رکھا ہے کس نے نور کا مغفر
کہاں سے پائی ہے فرقِ لیالی نے سیہ چادر

بہ شرق و غرب کیوں رہتا ہے مہر و ماہ کو چکر
یہ کس نے منطقہ ترچھا لپیٹا دوش گردوں پر

بنے کیونکر ثوابت کیسے سیارے بنائے ہیں
یہ کس شئے سے بنے کس ہاتھ نے سارے بنائے ہیں

تغیر کس لیے عالم کو ہے کیا اس میں حکمت ہے
بدلتا ہے زمانہ رنگ ہر دم کیسی حیرت ہے

مغیر کون ہے جو اس قدر با علم و قوت ہے
تصرف جس کا ہے ہر چیز میں ہر شئی پہ قدرت ہے

یہی پاتے ہیں ہم جس جا نگاہِ غور جاتی ہے
ہر اک شئی بنتی ہے بڑھتی ہے گھٹتی مٹتی جاتی ہے

قسم اُس ذات اقدس کی فدا ہے میری جاں جس پر
یہ سب کچھ ہے اک ادنیٰ سا ظہور قدرت داور

اگر ہم سب کے سب افراد عالم ہوں ثنا گستر
ازل سے تا ابد ہر موئے تن سے صد زباں ہو کر

بیاں ہو وصف اک شمہ نہ اُس سرکار عالی کا
کہاں تک دائرہ پھیلے گا میدانِ خیالی کا

جلیل بے نیاز پاک داور بندہ تیرا ہوں
شکستہ دل قتیل یاس ہوں بالکل نکما ہوں

کیا کیا ہے جو کچھ مانگوں میں کس گنتی میں ہوں کیا ہوں
فقیر بد سلیقہ ہوں گدائے بے سر و پا ہوں

نگاہیں روبرو ہوتی نہیں فرط ندامت سے
مگر سنتا ہوں اُدعونی ترے بہاے رحمت سے

الہی احمدی ہے منتظر باب کرم وا ہو
تری قدرت کے قرباں لطف ہو گریہ تماشا ہو

کسی سے مجکو کیا مطلب میں تیرا ہوں تو میرا ہو
حضوری میں کہوں میں ورد دل تو جلوہ فرما ہو

بپا پے برسے ابر فضل ہر ساعت گھٹا اُٹھے
اجابت لینے آئے جب مرادست دعا اُٹھے

الہی احمدی ہے منتظر باب کرم وا ہو
کسی سے مجکو کیا مطلب میں تیرا ہوں تو میرا

ہمّت مَردانہ

اے ہمت مردانہ جگر میں تری جا ہے
تو ہو مرے ہمراہ تو پروا مجھے کیا ہے

مت آنکھ چرا مجھ سے اگر شرطِ وفا ہے
سایہ ترے شہپر کا بہ از بالِ ہما ہے

تو فضلِ الٰہی کی نشانی ہے جہاں میں
ہر بزم میں چرچا ہے ترا کون و مکاں میں

احباب اُٹھو ہمت مردانہ وہ آئی
اب پھینک دو کچکول گدایانہ وہ آئی

ہمراہ لیے شوکت شاہانہ وہ آئی
کس ٹھاٹھ سے آتی ہے عروسانہ وہ آئی

مردوں سے تو ملنے میں اسے عار نہیں ہے
نامرد سے البتہ سروکار نہیں ہے

ہم مرد توانا ہیں کوئی حیز نہیں ہیں
آزاد ہیں پابستۂ دہلیز نہیں ہیں

دنیا میں گئی گزری ہوئی چیز نہیں ہیں
سل بٹّہ سے پس جائیں وہ کشنیز نہیں ہیں

کیوں بحرِ حمیّت نہ بہت جوش میں آئے
جب ہمتِ مردانہ خود آغوش میں آئے

اب کام جو کرنا ہے وہ مردانہ کریں گے
محنت سے علاجِ دلِ دیوانہ کریں گے

ہر حال میں برتاؤ شجاعانہ کریں گے
اندوہ کی تکلیف کی پروا نہ کریں گے

رہتا نہیں اندوہ جہاں حُسنِ عمل ہے
مردوں کی بلا دور یہ مشہور مثل ہے

ہم مرد ہیں غیروں کا سہارا نہیں لیتے
جو شیر ہیں صید اور کا مارا نہیں لیتے

پیراک ہیں دریا کا کنارا نہیں لیتے
ہو آہوِ مشکیں کہ چکارا نہیں لیتے

لالچ کی نگاہوں سے نظر تک نہیں کرتے
اس راہ دنائت سے گزر تک نہیں کرتے

ہم مرد ہیں محنت سے کبھی جی نہ چرائیں
بے کار نہ بیٹھیں کبھی بے کار نہ جائیں

اوقات معین ہیں ہر اک کام پر آئیں
ہمت یہ رہے دوسروں کا ہاتھ بٹائیں

مفلس ہوں تو کچھ غم نہیں ہمت رہی عالی
بلور سے بہتر ہے مرا جام سفالی

ہے نانِ جویں مرغ و مزعفر سے زیادہ
ٹوپی ہے مری تاجِ سکندر سے زیادہ

کمبل ہے مرا خلعتِ پُر زر سے زیادہ
وسعت مرے گھر کی مجھے کشور سے زیادہ

ہے دولتِ جاوید پسینے کی کمائی
آئینہ سے اعلےٰ ہی مرے دل کی صفائی

ہم دولتِ قاروں کے لئے جھوٹ نہ بولیں
عشقِ لبِ میگوں کے لئے جھوٹ نہ بولیں

اور ملک فریدوں کے لئے جھوٹ نہ بولیں
یادِ قدِ موزوں کے لئے جھوٹ نہ بولیں

اندوختۂ غیر کو چھونے سے غرض کیا
مردوں کے لئے خواہش بیجا کا مرض کیا

اک دانہ میسر ہو تو ہم بانٹ کے کھائیں
محسن رہیں احسان کسی کا نہ اوٹھائیں

افسردہ لئیموں کی طرح منہ نہ چھپائیں
لینے کو نہیں بس ہیں ضعیفوں کی دعائیں

عمر بسیت دلِ نازکم ایں ولولہ دارد
نامردی و مردی قدمی فاصلہ دارد

جو مرد ہیں رشوت نہیں لیتے نہیں دیتے
کونین کی نکبت نہیں لیتے نہیں دیتے

یہ مزد دنائت نہیں لیتے نہیں دیتے
انصاف کی قیمت نہیں لیتے نہیں دیتے

رہتے ہیں ہر اک حال میں انصاف کے پابند
آئینہ کی صورت ہیں دلِ صاف کے پابند

کاہل نہیں طامع نہیں نامرد نہیں ہم
دیں اوروں کو تکلیف وہ بیدرد نہیں ہم
بے کار پڑے رہنے سے دل سرد نہیں ہم
ہیں مرد جفاکش کوئی شب گرد نہیں ہم

محنت میں جو پابندی اوقات کریں گے
کس واسطے پھر ایسے خیالات کریں گے

بے کار وہ دن زیست کے دنیا میں گزارے
یا بہہ کے گیا ہو یم ہستی کے کنارے
محتاج جو ہو جائے کسی درد کے مارے
کچھ کر نہ سکے قوت بازو کے سہارے

مردانِ اولی العزم تو بیکار نہ بیٹھیں
اوروں کے بھروسے پہ زناں وار نہ بیٹھیں

کیا ناز ہے ہم خود تو دیا نہ ہلائیں
صد حیف ہے غیرت کو اگر کام میں لائیں
اوروں کی مشقت سے جو پیدا ہو وہ کھائیں
اِک چلّو بھرے پانی میں کیوں ڈوب نہ جائیں

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

پابندی ناموس ہے کار اہل حیا کا
لغزش نہیں کرتا قدم ارباب صفا کا
نگرانیِ افعال ہے شیوہ عقلا کا
انداز پسندیدہ ہے مردانِ خدا کا

ہر صورتِ خوش دیکھ کے گرتے نہیں آہیں
قبضے میں جگر رکھتے ہیں قابو میں نگاہیں

ہر چال کے وارفتہ و شیدا نہیں ہوتے
در در صفتِ نقشِ کفِ پا نہیں ہوتے
ہر شوخ سے سرگرم تمنا نہیں ہوتے
ہرجائی نہیں بنتے ہیں رسوا نہیں ہوتے

دل پر بھی نہ قابو ہو تو مردانگی کیا ہے
اتنی بھی نہ ہو عقل تو فرزانگی کیا ہے

منکوح گل اندامون سے عشرت نہ کریں کیوں
خود لائے جنھیں بیاہ کے الفت نہ کریں کیوں
ہیں جن کے لئے اُن سے محبت نہ کریں کیوں
مطلوب رضا جو سے مروّت نہ کریں کیوں

پھر رہیں کس لئے ان سیم تنوں سے
جادو نظروں حور وشوں گلبدنوں سے

یہ صاحب عصمت یہ وفادار یگانہ
آنکھوں میں حیا دل میں ادب طرز تبانہ
یہ زینت ایوان یہ رونق وہ خانہ
بے جا نہ تبسّم نہ تکلّم نہ ترانہ

ہمراہ رہیں تا نفس بازپسین یہ
ہم شاد تو یہ شاد حزیں ہم تو حزیں یہ

مردانِ خدا آؤ کریں عہد بہم ہم
بے کار نہ ہوتے پھریں ہر بزم میں خم ہم
اب کیوں رہیں وابستۂ زنجیر الم ہم
محنت کریں ہو جائیں ذوی المجد و کرم ہم

جو ڈھونڈتے ہو دور وہ نزدیک ملیگا
دیکھو بہ تعمق تو یہیں ٹھیک ملے گا

اے خالق اکبر مجھے توفیق عطا کر
نالے کو مرے اپنی حضوری میں رسا کر
باندھوں میں کمر تیری رضا پر تجھے پا کر
رفعت دے مجھے خاک ندامت سے اٹھا کر

تجھ سے ہی ترا احمدی امداد طلب ہے
فریاد کناں در پہ ترے داد طلب ہے

آسایش حقیقی

یارانِ باصفا! آج میں اِس مسئلہ کے متعلّق بقدر گنجائش وقت کچھ عرض کرتا ہوں کہ انسانی ہستی کی علت غائی کیا ہی۔ انسان کیوں پیدا ہوا اور اُس کے ضروری فرائض کیا ہیں کیونکہ یہ مسئلہ سخت مشکل اور حقیقت حقہ کا علم بجز اوس بے مثل ازلی ابدی کے جس کا صرف آہنگِ قدرت خلاق الاشیا ہی ہر بشر کو ایسا نہیں دیا گیا جس کو قطعی سمجھ لیا جائے کیونکہ اوج معلومات پر رفعت حاصل کرنے کے وسائل بازہنی جو کچھ نام رکھا جائے یہی مقررہ تاویلات ذہنی یا محدود قیاسات دماغی ہیں جو ذہنی یا کسبی طور پر ہم کو حاصل ہوئے ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں لکالا جا سکتا کہ ہم اس مذبذب حالت معلومات سے گھبراکر غور و فکر کی عادت کو خیرباد کہکر ابلہانہ فراغ بالی حاصل کریں یا اپنے حق میں یہ بدفالی کریں کہ ہمارے آئینہ تصورات میں صورِ حقہ عکس افگن ہی نہ ہونگے ہم ادراک حقیقت واقعی سے ناامید نہیں ہیں خاص خاص وقتوں میں ہمارے کان سے اس ٹلیفون کا سرا ملجاتا ہی جو فضائے قدرت کے غیر تناہی بُعد تک چلا گیا ہی۔

اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو میرے خیال میں انسانی ہستی پر تین حقوق کا بار ہی جس کو راستبازی کے ساتھ ادا کرنا حیات دنیا میں فرض خیال کیا جا سکتا ہی۔ اوّل حقوق خالق دوم حقوق مخلوق۔ سوئم حقوق ذات خود حقوق خالق اُس کے پایہ اور انداز کے لائق ادا ہونا ممکن نہیں کیونکہ ادائے حق کے لئے لازمی شرط قواعد عرفیہ میں یہ ہونا چاہئے کہ اگر کوئی محسن اپنی ذات خاص پر احسان کرے تو اوس احسان کے معاوضہ میں کوئی ویسا ہی احسان یا احسان کی قیمت یا قیمتی خدمت ادا کی جائے ایسی حالت میں عطیات الٰہی کا معاوضہ کرنا یا اُسکی کوئی قیمت ادا کرنا یا خدمت سے بدلا کرنا تو محض ناممکن ہی کیا معنی کس کس انعام خداوندی کا شمار کیا جائے اور کس نعمت کا کہاں سے معاوضہ کیا جائے۔ ہم اپنی قوت اپنی صحت اپنی حواس

دل پر بھی نہ قابو ہو تو مردانگی کیا ہے
اتنی بھی نہ ہو عقل تو فرزانگی کیا ہے

منکوحِ گل اندام سے عشرت نہ کریں کیوں
خود لائے جنھیں بیاہ کے الفت نہ کریں کیوں
ہیں جن کے لئے اُن سے محبت نہ کریں کیوں
مطلوبِ رضا جو سے مروّت نہ کریں کیوں

پھر پھریں کس لئے ان سیم تنوں سے
جادو نظروں حور وشوں گلبدنوں سے

یہ صاحبِ عصمت یہ وفادار یگانہ
آنکھوں میں حیا دل میں ادب طرز یگانہ
یہ زینتِ ایوان یہ رونق وہ خانہ
بے جا نہ تبسّم نہ تکلّم نہ ترانہ

ہمراہ رہیں تا نفسِ بازپسین یہ
ہم شاد تو یہ شاد حزیں ہم تو حزیں یہ

مردانِ خدا آؤ کریں عہد بہم ہم
بے کار نہ ہوتے پھریں ہر بزم میں خم ہم
اب کیوں رہیں وابستۂ زنجیرِ الم ہم
محنت کریں ہو جائیں ذوی المجد و کرم ہم

جو ڈھونڈتے ہو دور وہ نزدیک ملے گا
دیکھو بہ تعمق تو یہیں ٹھیک ملے گا

اے خالقِ اکبر مجھے توفیق عطا کر
تا سے کو مرے اپنی حضوری میں بسا کر
باندھوں میں کمر تیری رضا پر تجھے پا کر
رفعت دے مجھے خاکِ ندامت سے اٹھا کر

تجھ سے ہی ترا احمدی امداد طلب ہے
فریاد کناں در پہ ترے داد طلب ہے

آسایش حقیقی

یارانِ باصفا! آج میں اِس مسئلہ کے متعلق بقدر گنجائش وقت کچھ عرض کرتا ہوں
کہ انسانی ہستی کی علت غائی کیا ہی۔ انسان کیوں پیدا ہوا اور اس کے ضروری فرائض کیا ہیں
کیونکہ یہ مسئلہ سخت مشکل اور حقیقت حقہ کا علم بجز اوس بے مثل ازلی ابدی کے جس کا صرف
آہنگِ قدرت خلاق الاشیا ہی ہر بشر کو ایسا نہیں دیا گیا جس کو قطعی سمجھ لیا جائے کیونکہ اوج
معلومات پر رفعت حاصل کرنے کے وسائل یا ذہنی جو کچھ نام رکھا جائے یہی مقررہ تاویلات
ذہنی یا محدود قیاسات دماغی ہیں جو ذہنی یا کسبی طور پر ہم کو حاصل ہوئے ہیں لیکن اس سے
یہ نتیجہ نہیں لکالا جا سکتا کہ ہم اس تذبذب حالت معلومات سے گھبرا کر غور و فکر کی عادت کو خیرباد
کہکر ابلہانہ فراغ بالی حاصل کریں یا اپنے حق میں یہ بدفالی کریں کہ ہمارے آئینہ تصورات میں
صور حقہ عکس افگن ہی نہ ہونگے ہم ادراک حقیقت واقعی سے ناامید نہیں ہیں خاص خاص وقتوں
میں ہمارے کان سے اس ٹیلیفون کا سرا ملجاتا ہی جو فضائے قدرت کے غیر تناہی بُعد تک
چلا گیا ہی۔

اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو میرے خیال میں انسانی ہستی پر تین حقوق کا بار ہی جس کو
راستبازی کے ساتھ ادا کرنا حیات دنیا میں فرض خیال کیا جا سکتا ہی۔ اوّل حقوق خالق دوم
حقوق مخلوق۔ سوئم حقوق ذات خود حقوق خالق اُس کے پایہ اور انداز کے لائق ادا ہونا
ممکن نہیں کیونکہ ادائے حق کے لئے لازمی شرط قواعد عرفیہ میں یہ ہونا چاہئے کہ اگر کوئی
محسن اپنی ذات خاص پر احسان کرے تو اوس احسان کے معاوضہ میں کوئی ویسا ہی احسان
یا احسان کی قیمت یا قیمتی خدمت ادا کی جائے ایسی حالت میں عطیات الٰہی کا معاوضہ کرنا یا اُنکی
کوئی قیمت ادا کرنا یا خدمت سے بدلا کرنا تو محض ناممکن ہی کیا معنی کس کس انعام خداوندی کا
شمار کیا جائے اور کس نعمت کا کہاں سے معاوضہ کیا جائے۔ ہم اپنی قوت اپنی صحت اپنے حواسوں

اپنے اعضا کے عوض میں کیا پیش کر سکتے ہیں خوشگوار پانی یا حیات افزا ہوا کا کیا بدلہ ہو سکتا ہے
اگر ہم یا کوئی شخص اون غیر متناہی نعمائے ایزدی کی بیشمار تعداد کو سرسری نظر سے بھی جانچنا
یا موازنہ کرنا چاہے جو اس ناتمام فانی مگر انسانی ہستی کے واسطے وفور رحمت سے گویا ہر دم
برسائی جاتی ہیں تو کیا قرنہا قرن میں عشر عشیر بھی مطلع ہو سکتے ہیں اگر نہیں تو کیا ایسے معطی اور
ایسے واہب کا یہ حق نہ ہونا چاہئے کہ اُس کے یگانہ ہستی کا بلا شرکت غیرے اقرار کریں اور
دل سے سمجھیں کہ ان نعما کے عنایت فرمانے میں اس بے مثل و نظیر کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہی
اور اپنے سچے ارادے اور بے لوث دل سے ہر روز اول اُسی کی حضور میں عاجزانہ اور رضاوقانہ
سجدات عبادت بجالائیں اور ایسے سجدات کے وقت آئینہ خاطر میں نہ کسی عنصر کا عکس پڑے
نہ ستارے کا اثر سمائے نہ فلک انصاف بالائے طاعت ہی جب کہ یہ امر مسلّم قرار پا چکا کہ
سب نعمتیں خاص خدا کی عنایت کی ہوئی ہیں، وہی خلاق الاشیا ہے کسی دوسرے کی شرکت
اس عطیہ میں نہیں ہی. با اینہمہ اگر ہم اس معطی کا احسان نہ مانیں یا اُس کے احسان میں کسی
دوسرے کو سہیم و شریک سمجھیں تو گویا ہم نے حقوق خالق پر بدنیتی کے ساتھ پردہ ڈالنا چاہا
اور اپنا نام ان بدنصیب خائن غاصبوں کی فہرست میں لکھایا جو کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔
ہماری گردن پر بے شک اُس بے مثل فیاض کا ان لاتعداد اکرام و عطیات کے ہوتے
ہوئے یہ حق ہی کہ ہم ہر روز اپنے بستر خواب سے جدا ہونے کے بعد دلی آرزو سے اول
جس کام کو شروع کریں وہ اسی ازلی ابدی کی بے ریا عبادت ہو اور جب اپنے کاروبار
معیشت میں مصروف ہوں تو ہمارے دل کا رُخ قطب نما کی طرح اس طرف ہو۔ دوسرا
حق ہم پر اُس مخلوق کا ہی جو ہماری زندگی کے زمانے میں ہمارے ہمعصر ہو یہاں یہ سوال
پیدا ہوتا ہی کہ لفظ مخلوق کے استعمال ہونے سے ہمارے تعلقات کا رشتہ اشیاء عالم کی
غیر محدود تعداد تک پہونچ سکتا ہی. پھر کیا کوئی بشری قوت ایسے بار کا تحمل کر سکتی ہی۔ میں
چند الفاظ میں اس کا جواب دیتا ہوں وہ یہ ہی کہ لفظ مخلوق بقید ہمعصر استعمال کرتے ہے

گو کسی درجہ تک تعلقات کو وسعت ہوتی ہو لیکن بقدر طاقت ہم اُسی بوجھ کے برداشت
کرنے کو مامور ہیں جس کا تعلق ہم سے کیا گیا ہی یا جہاں تک ہماری رسائی ممکن ہی جو زمین ہمارے
قبضہ میں ہو ہم پر اُس کا حق ہی کہ ہماری کوشش سے وہ آباد اور پر رونق ہو۔ جس قوم میں ہم
پیدا ہوئے ہوں یا جن لوگوں سے تعلقات ہوں اُن کا ہم پر حق ہے کہ بقدر امکان انصاف
کی پابندی کے ساتھ اُنکی مدد یا خدمت کریں۔ فیض قدرت ہمارے تعلقات میں جس قدر
وسعت بخشتا جائیگا اُسی قدر بار کے برداشت کرنے کی ذمہ داری بڑھتی جائیگی۔ ہمارے
ابنائے جنس میں تین درجہ کے افراد سے ہمارے تعلقات ہیں ایک وہ افراد جو ہم سے بڑے
ہیں اگرچہ ان افراد کے خاص خاص حقوق جداگانہ بھی بقدر اُن کے مدارج کے ہیں لیکن حقوق
عام میں وہ سب افراد یکساں مشترک ہیں۔ ان افراد کے حقوق عام ایک ادب اور دوسرا
طاعت ہی۔ بڑے افراد کی حد میں ہمارے بزرگان مذہب بزرگان خاندان سلاطین و امرا اُستاد
اتالیق ادیب اور سب وہ لوگ جو ہم سے درجہ میں بڑے ہیں شامل ہیں اُن میں ہر ایک فرد
مستحق ہی کہ ہم بقدر اُس کے درجہ اور اُس کے حق کے ادب و اطاعت کریں۔ دوسرے
وہ افراد جو ہمارے برابر ہیں اُن کا ہم پر حق ہی کہ ہم اُن کے ساتھ خوش اخلاقی اور محبت سے
پیش آویں ان افراد میں سب وہ لوگ داخل ہیں جو عمر یا علم یا عزت یا قوم یا پیشہ میں ہم سے درجہ
مساوات کا رکھتے ہیں تیسرے وہ افراد ہیں جو ہم سے چھوٹے ہیں اُن کا حق ہی کہ ہم ہمیشہ اُن کے
ساتھ بقدر مناسب شفقت اور مدد سے پیش آتے رہیں۔ ان افراد میں وہ سب لوگ شمار
کئے جاتے ہیں جو درجہ یا عمر یا قوم یا عرف میں کم تعبیر کئے جا سکتے ہیں۔ تیسرا حق ہم پر اپنی
ذات خاص کا ہی۔ یہ چند روزہ مہمان جو اس کاشانۂ عنصری میں جلوہ افروز ہوا ہے
یہ بھی حقوق خاص رکھتا ہی اس کے حقوق کے امتیاز اور قرارداد میں اعتدال قایم کرنا ایک نہایت
نازک معاملہ ہی۔ اکثر اس میں افراط و تفریط ہو جانے سے بڑے بڑے نقصان عائد ہوتے
ہیں۔ بعض طبیعتیں اُس کے حقوق سے بے پروائی کر کے اس کو سراسر محنتوں اور آلام کا

نشانہ بنادیتی ہیں۔ جیسے بعضے وہ خسیس تاجر جو اپنے اکثر اوقات عمر کو حصول دولت کی دھن میں صرف کریں مگر اس محنت سے جو مال و دولت نصیب ہو اس سے کوئی آسائش دنیوی یا نفع اُخروی کچھ بھی حاصل نہ کریں اور بعض طبیعتیں اُس کے حقوق کے موازنہ کرنے میں نہایت مبالغہ کرتی ہیں۔ جیسے اکثر خود غرض عیاش خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں ہر ایک فائدہ پانے کے واسطے بذات خاص ہم ہی مستحق ہیں کوئی دوسرا شخص مثل ہمارے حق نہیں رکھتا اور اس وجہ سے وہ اپنے اندوختوں کو اپنی اپنی خواہشوں پر تصدق کر دینا بہتر سمجھتے ہیں لیکن تجربہ شاہد ہی کہ سیدھے اور سیدھے مسلک سے جس قدر تجاوز کیا جاتا ہے اسی قدر نقصان اٹھانا پڑتا ہی۔ اگرچہ ہمارے ہوشیار اور متنبہ کرنے کے لئے قدرتی واقعات اور لازمی نتائج وقتاً فوقتاً ہم کو مثل ناصح مشفق زبان حال سے ہر قدم پر ٹوکتے ہیں مگر ہم جس خیال میں مصروف ہوتے ہیں اس میں محو ہو جاتے ہیں کسی نتیجہ اور کسی ٹوک کی پروا نہیں کرتے۔ ہم اپنی بے اعتدالیوں کے لازمی اثر مترتب ہوتے دیکھتے ہیں مگر ذرا نہیں چونکتے طرفہ اُس پر یہ ہی کہ اپنے خیالی شوق میں جب کسی بے اعتدالی سے کوئی تکلیف اٹھاتے ہیں تو اُس حالت میں بھی اُس بے اعتدالی کو قایم رکھنا چاہتے ہیں صرف اُس کے نتیجہ لازمی کے بدلنے کا علاج دریافت کرتے پھرتے ہیں اور جب کچھ علاج نہیں ملتا تو قدرت کی شکایت کرتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اس کا علاج بے اعتدالی کے ترک کے سوا اور کچھ نہیں ہماری ذات خاص کا ہم پر یہ حق ہی کہ ہم حقیقی عزت اور آسائش پاویں مگر یہ اسی حالت میں ممکن ہے جبکہ ہم نہایت احتیاط سے اپنے افعال پر قابو حاصل کریں اور نہایت منصفانہ طریقے سے اُس پر بالاستحکام قایم رہیں سب سے اول ہم کو ضرورت ہی کہ ہماری محنت و آسائش کا پلہ برابر رہے۔ بالبداہت ثابت ہی کہ ہر ایک محنت عام اس سے کہ وہ دین کے کام میں کی جائے یا دنیا کے صرف اس غرض سے کی جاتی ہی کہ اُس کے صلہ میں آسائش نصیب ہو پس ہم کو لازم ہی کہ ہم اپنی محنتوں اور آسائشوں کے اوقات اور اقسام نہایت غور و فکر سے

قرار دیں اور جہاں ہماری طبیعت فیصلہ کرنے میں تامل کرے وہاں قدرتی اثروں کی شہادتیں تلاش کریں آسائش کا لفظ ایسے معنی رکھتا ہی جس کا اطلاق کسی خاص حالت پر نہیں ہو سکتا کیونکہ کبھی ہم سکون میں آسایش پاتے ہیں کبھی مشی میں کبھی ہم کو جلوت پسند آتی ہی کبھی خلوت۔ لیکن ہر ایک حالت میں یہ امر کلیہ مسلّم ہی کہ ہر ایک آسایش ہم کو ہماری خواہشوں کے حصول میں ملتی ہے اور خواہشوں کے حصول کا ذریعہ قدرت نے محنت قرار دیا ہی جس کے اعتدال کے متعلق یہ بحث ہی چونکہ حقیقی عزت نیکی اور فیاضی سے اور حقیقی آسائش محنت سے نصیب ہوتی ہی۔ اس وجہ سے مناسب ہی کہ ہم کسی قدر اُن تحریکوں اور تنبیہوں کو بھی بیان کریں جو قدرتی طور پر ہم میں رکھی گئی ہیں اگر ہم چشم بینا اور گوش شنوا پیدا کریں تو ہم کو اپنے گرد وپیش کی اشیا اور ہماری ہر ایک حالت سے کبھی تنبیہ اور کبھی داد ملتی ہی۔ دیکھو کاہلی کی حالت چونکہ مضر ہی اسی کے واسطے بیرونی اور اندرونی تنبیہ موجود ہی اندرونی تنبیہ یہ ہی کہ کاہل رہنے اور محنت نہ کرنے سے فضول بدنی تحلیل نہیں ہوتے طبیعت بھاری اور دل اُداس رہتا ہی۔ کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ بیرونی تنبیہ یہ ہی کہ کاہل آدمی سے چونکہ کسی کو مدد نہیں پہونچتی اس واسطے قدر کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا پس خود کاہلی کی حالت متنبہ کر رہی ہی کہ اُٹھو محنت کرو تاکہ کھانا ہضم ہو دل کی اُداسی دور رہو۔ کام درست ہوں۔ کسی کو مدد پہونچے۔ محنت کرنے کی عادت چونکہ مفید ہی اُس میں مصروف رہنے کی حالت سے ہماری ہمّت اور لیاقت کی صحیح داد ملتی ہے۔ ہم جس سلیقہ اور محنت سے مصروف ہوتے ہیں اُسی اندازہ کی کامیابی ہوتی ہی روزانہ تجربہ زبان حال سے کہہ رہا ہی کہ زر سُرخ وسفید کی تھیلیاں نفیس لباسوں کے بقچے خوش مزہ غذاؤں کے خوان بلند نامی کے خطاب برتر اعزازوں کے تمغے محنت کی میزوں پر چنے ہوئے ہیں ہر شخص کو اُن میں سے بقدر لیاقت وہمت مل جاتا ہی شفیق قدرت نے ہماری اخلاقی حالتوں میں بھی اثر رکھے ہیں جب ہم فریب کی راہیں نکال لیتے ہیں یا دوسروں کے

حقوق پر ہاتھ بڑھاتے ہیں تو آغاز فکر سے خود ہمارا دل ہمارے فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ہماری عزت خود ہماری نظروں میں نہیں رہتی پھر جیسا کرتے ہیں ویسا صلہ پاتے ہیں۔ افعال کے اثر بہت ہی سریع الظہور ہیں جب ہم اداءً یا خطاءً یا فعلاً کسی کی بے ادبی کا ارادہ کریں تو ہم کو یقین کر لینا چاہئے کہ ہم نے نفرت اور خصومت کا ایسا بیج اُس کے دل میں بویا ہے جس کی کونپلیں فوراً پھوٹ آئیں۔ علیٰ ہذا القیاس جب ہم سچے دل سے کسی کی مدد یا ادب یا تعظیم کرتے ہیں تو اگرچہ ان سادہ الفاظ میں ہم کو کوئی زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر ہماری الفت ہماری عظمت نہ فقط اُن دلوں میں بلکہ ناظرین و سامعین کے دلوں تک میں جذب مقناطیسی کا کام کرتی ہے۔ آمدم برسرِ مطلب اب ہم کو عزت و آسائش مطلوب ہے تو ہم کو لازم ہے کہ ہم اپنے افعال میں سیدھے سادھے راستباز اور مودّب نفع رساں رہیں اور اپنی محنت و آسائش کا صحیح موازنہ کریں ریاضت معمولی میں ہماری محنتیں ہر روز اُس حد تک محدود رہیں جہاں تک فضول بدنی تحلیل ہو کر حرارت غریزی کا انتعاش ہو جائے یہ نہ ہو کہ رطوبات اصلی کی تحلیل شروع ہونے تک محنت کی جائے اور امور معیشت میں ہماری محنتیں اُس حد تک محدود ہوں جب تک آج کا کام آج ہی انجام پا جائے۔ سیدھا حساب کرنے کے واسطے محنت کا قدرتی پیمانہ دن ہی سورج کی روشنی آغاز طلوع سے کہتی ہے کہ میں تیرے کاموں میں مدد دینے کے لئے قدرتی مشعل ہوں ایسی حالت میں دن کو کاموں میں محنت کرتے رہنا گویا ایک قدرتی تحریک کا تبع ہے علیٰ ہذا القیاس آرام و آسائش کے واسطے کارپردازان غیب نے رات مقرر فرمائی ہے جس وقت شام ظلمت کی خاموش قناتیں اطراف عالم میں نصب کرتی ہے اس سے یہ اشارہ ہے کہ میرے پردے میں دل کی جائز خواہشوں پر کامیاب ہو۔ ای خداوند عالم اپنے وسیع اشفاق اور بے مثل برکات سے ہماری رگوں میں وہ خون اور خون میں وہ جوش دے جس سے ہمارا نام بھی خاص مردان خدا کی فہرست میں لکھے جانے کی عزت حاصل کرے آمین ثم آمین۔

مفتاحِ تقدیر

حضرات آج میں لفظ مقدر کے معنے اور اُس کے امور متعلقہ کی بابت بقدر گنجایش وقت کچھ التماس کرنا چاہتا ہوں تاکہ میں ظاہر کرسکوں کہ یہ لفظ کاہل پسند بہانہ طلب طبیعتوں کو کیا سہارا دئے ہوئے ہے اور مجھیں منہیات اِس کے پردہ میں کیا کچھ کرگزرتے ہیں اور اپنی بے احتیاطیوں کا الزام کس بے ادبانہ طریقوں سے قدرت پر لگاتے ہیں ظاہر ہے کہ لفظ مقدر کے استعمال سے باہمی بحث وگفتگو میں وہ اندازۂ الٰہی جل جلالہٗ مراد لیجاتی ہے جو خالق الاشیا کے آہنگ قدرت میں افراد مخلوق کی ہر فرد خاص کے واسطے اُس کی آیندہ آنے والی حالت کی بابت مقرر ہے اور اس لفظ کے مفہوم کا تصور اور اُس پر بحث اس ضرورت سے کی جاتی ہے تاکہ ہم اپنے عملی افعال کے نتائج اور جزا و سزا کی حقیقت پر علم حاصل کرکے اس چند روزہ زندگانی کے سفر طے کرنے کا آسان اور اچھا مسلک اختیار کریں اس تلاش و تجسس میں بہت کچھ عرق ریزیاں ہوئیں اور ہوں گی کہیں افعال مخلوق میں خالق کے تصرفات کی بابت بحث ہے کہیں مذہبی اوامر و نواہی کے حق بجانب ہونے نہ ہونے کے متعلق گفتگو ہے کہیں عملی افعال میں افراد مخلوق کے اختیاری و غیر اختیاری حالت پر تاویلات ہیں مگر جہاں تک میں نے یہ بحثیں دیکھیں یا سُنی ہیں اُن میں ہر ایک فریق کو اپنے خیال میں ایسا ایک طرف جھکا ہوا پایا ہے کہ ہمارے عملی افعال کو اُس سے پوری مدد نہیں ملتی بلکہ نقصان پہنچتا ہے ایک فریق کے افراد خود کو اپنے عملی افعال میں مختار جانتے ہیں اُن کے دلوں میں تصرفات خالق کی نسبت ایک بے اعتقادی سی پائی جاتی ہے وہ سوائے ظاہری نتائج افعال کے اس بات سے اکثر بے فکر پائے جاتے ہیں کہ کوئی غیبی قوت ہمارے افعال کی نگراں اور جزا و سزا دینے کو آمادہ ہے وہ یا تو خداوند جلیل کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو ایک ایسی بیکار و بے پروا قوت سمجھتے ہیں کہ

جس نے صرف ایک مرتبہ مخلوق کو پیدا کر دینے کی تکلیف گوارا کر لی تھی اب اُس کو کچھ غرض ہم سے یا ہمارے افعال سے نہیں ہم آزاد و مختار چھوڑ دیئے گئے ہیں جو چاہیں سو کریں جس ضعیف کو چاہیں پامال کر دیں جس محبوب شئے پر چاہیں تصرف کر لیں - دوسرے فریق کے افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نہ تو محض مجبور ہیں اور نہ بالکل مختار ہیں بلکہ ہماری حالت بین بین ہی لیکن کچھ تفصیل و تشریح نہیں کرتے کہ کن امور میں مختار اور کن میں مجبور ہیں. تیسرے فریق کے افراد خود کو اپنے عملی افعال کے صدور میں مجبور خیال کرتے ہیں اور اُن میں دو فریق ہیں جو افراد کاہلی کو پسند کرتے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ ازل کے روز جو جس کی قسمت میں لکھا گیا اب اس میں کمی بیشی ناممکن ہی ایسی حالت میں ہم کو عملی افعال میں کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہی اس خیال کی بدولت وہ کچھ بھی کوشش نہیں کرتے اور بحالت کوشش نہ کرنے کے ہر ایک ناکامی اور محرومی پر قدرت کی شکایتیں کرتے ہیں اور جو افراد کاہل نہیں ہیں بلکہ کچھ کرتے ہیں وہ اپنے عملی افعال کے صدور کو حسب مشیت اور حسب مقدر سمجھ کر ارتکاب جرایم کو مذموم نہیں سمجھتے بلکہ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں. غرض جہاں دیکھا جائے عجیب خیالات ہیں اور اپنے خیالوں کی تائید میں عجیب تاویلات ہیں - امور بالا پر نظر کرتے ہوئے سوالات ذیل پیدا ہوتے ہیں -

(۱) اول یہ کہ کیا ہم اپنے عملی افعال کے صدور میں ایسے مختار ہیں کہ ہمارے ارادوں کو قدرت کا ہاتھ بھی نہیں روک سکتا -

(۲) دوم یہ کہ کیا ہم ایسے مجبور ہیں کہ اپنے ارادہ سے کچھ بھی نہیں کر سکتے یہ علم اور یہ قوت جو ہم کو قدرت نے عنایت فرمائی ہی محض فضول ہی -

(۳) سیوم یہ کہ اگر ہم بعض حالتوں میں مختار اور بعض حالتوں میں مجبور ہیں تو کچھ صراحت اُن حدود کی ہونا ضروری ہی تاکہ ہم کو ہمارے عملی افعال میں مدد ملے اور ہم سمجھیں کہ کس حد تک ہماری ذمہ داری ہی جس کو درست طور پر بجا لانے سے ہم مستحق جزا اور غفلت کرنے

سے مستوجب سزا ہوتے ہیں اور کہاں ہم مجبور اور قابل معافی ہیں۔
ان سوالات کے متعلق جہاں تک میں نے غور وفکر کی ہے اور قدرت نے جو امور میرے ذہن میں ڈالے ہیں وہ میں اس امید سے پیش کرتا ہوں کہ خداوند جلیل کے اثر بخشنے سے شاید میرے پیش کردہ مطالب رفع تردد میں کسی مشوش دل کے معین ہوسکیں۔ واضح ہو کہ میرے خیال میں کائنات کی کل اشیا کا وجود وعدم محض خالق کائنات کی مرضی اور ارادہ پر منحصر ہے ہم اشیائے ممکنہ میں ہر شے کو فرداً ونوعاً رنگ اور صورت اور خواص وعمر میں دوسرے اشیا سے جدا پاتے ہیں اس سے سمجھ میں آتا ہی کہ صانع نے ہر جزو صنعت کو کسی غرض خاص کے واسطے پیدا کیا ہو اور ہر جزو صنعت میں جو صفات ہیں وہ صانع کی مصلحت اور ارادہ سے ہوں گے مگر اُس نے افراد مصنوع کو سوائے ضروری اور محدود علم کے اپنی کُل مصلحتوں پر مطلع ہونے کا تمام وکمال علم نہیں دیا، ہاں جس کو جس قدر حس یا علم بہ تفاوت مراتب دیا گیا ہی اُسی قدر اُس کی ذمہ داری قایم کردی گئی ہی وہ بقدر اپنی حس یا علم کے اپنے افعال کے نتایج پانے کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہی اس واسطے ہم کو مناسب ہی کہ ہم اشیائے عالم کی حالتوں پر نظر ڈال کر اپنے واسطے کوئی مفید بات حاصل کریں قابل غور یہ امر ہی کہ ہم کائنات کی تمام اشیا میں بہ تفاوت مراتب دو حالتیں پاتے ہیں ایک طبعی حالت اور دوسری ارادی حالت۔ طبعی حالت سے وہ حالت مراد ہی جو کسی شے کو منجانب قدرت فطرۃً محدود بہ خواص مقررہ واسطے امتیاز نوع کے عنایت ہوئی ہو اور اُس کے طبعی افعال کے صدور میں اُس کا ذاتی ارادہ شرط نہ ہوا اور حالت ارادی سے وہ حالت مقصود ہی جس سے وہ افراد جو حالت ارادی سے متمتع ہیں اجزائے جسمانی یا اعضا یا دماغی قوتوں کو کسی طرف محض اپنے ارادہ سے حرکت دے سکیں یا متوجہ کرسکیں ان دونوں حالتوں کو تمام اشیائے عالم سے بہ تفاوت مراتب تعلق ہے جن اشیا کو محض طبعی حالت سے تعلق ہے اُن میں جو شے جس درجہ تک خاصہ طبعی کی

پابند ہی اُسی قدر مجبورانہ و غیراختیاری حالت میں ہی اور جب تک اس حالت میں ہی
وہ نہ مجرم قرار پاسکتی ہے نہ مکرم نہ مستحق جزا نہ مستوجب سزا اور جن اشیا کو حالت طبعی
کے ساتھ حالت ارادی بھی حاصل ہی اُن میں جو شے جس قدر افعال ارادی کے صدور
پر قادر پائی جائے اُسی قدر اس کا نفع وضرر اُس کے افعال سے منسوب اور اُس کے
حقوق پر مؤثر ہوگا صدور فعل و ترک فعل کی مناسبتوں کے ساتھ اُس کی ذمہ داری ہوگی
ایسی صورت میں واسطے سہولت بحث کے حالتِ ارادی کو ہم اختیاری حالت اور
حالت طبعی کو مجبورانہ حالت کے نام سے تعبیر کریں تو جائز ہی معطی غیب نے جسقدر جن
اشیاء کو حالت ارادی لطف فرمائی اُسی قدر اُن متحرکین بالارادہ کو مدارج ترقی پر پہنچنے
کے واسطے علم و قدرت بھی عنایت فرمائی ہی اور جن اشیا کو حالت ارادی اور علم بالذات
نصیب نہیں ہوا وہ اشیا قدرت کے ہاتھوں میں بمنزلہ غیرحسّاس کھلونے کے ہیں
اُن کو آنے والی حالتوں سے منتفع ہوکر نہ مسرور ہونے کا موقع ہی نہ متضرر ہوکر اندوہناک
ہونے کا اندیشہ ہی ہم دیکھتے ہیں جمادی اشیا صرف حالت طبعی کی پابند ہیں ذاتی علم
یا ذاتی ارادہ اُن میں کچھ بھی نہیں جب دیکھو اپنی ذات خاص میں وہ یکساں حالت میں
نظر آتی ہیں نہ زمانہ کی کسی گردش یا کسی دور سے وہ نہ تکلیف پانے کی استعداد رکھتے
ہیں نہ راحت پانے کی نہ وہ اپنے کسی فعل سے مجرم قرار پاسکتے ہیں نہ مکرّم قدرت
نے جو خاصیّت یا طبیعت اُن میں رکھدی ہی اُسی میں قانع ہیں۔ نباتی اشیاء کا
درجہ جمادی اشیائے سے جسقدر بڑھا ہوا ہی اُسی نسبت سے اعمال کے نتائج پانے کا استحقاق
اُن کو حاصل ہی۔ مثلاً نباتی اشیا جذب غذا اور دفع فضول کے قدرت رکھنے میں جمادی
اشیاء سے ممتاز ہیں تو اُسی کے ساتھ اُسی مناسبت سے اُن کی حالتیں غذا کے ملنے
اور نہ ملنے سے نیز غذا کے اچھے اور بُرے ہونے سے خوشنمائی اور بدنمائی میں بدل جاتی
ہیں تمام حیوانات میں بہ نسبت نباتات کے جسقدر علم و قوت ارادی زیادہ ہی

وہ اُسی قدر اپنے افعال کے نتائج میں نفع یا ضرر پاتے ہیں اُن کو اپنی حالت کے اعتبار سے یہ قدرت تو حاصل نہیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت کو بدل کر انسانی حالت میں یا اپنی غذاؤں کو ترکیب دے کر خوش مزہ کریں یا اپنی نوع کی حفاظت کے واسطے قلعہ بندیاں کریں مگر اسی کے ساتھ اس امر کے ذمہ دار وہ ضرور ہیں کہ اُن میں جس نوع کو جسقدر علم یا قدرت اپنی غذا کے تلاش کرنے اور اپنی حفاظت کے واسطے عنایت ہوئی ہو اُس کو کام میں لائیں اور اُن افعال میں ہوشیاری کے ساتھ مصروف رہیں جس سے اُن کو غذا اور حفاظت حاصل رہے وہ اپنے افعال میں جہاں غفلت یا بے احتیاطی کریں گے اُس کا نتیجہ ضرور دیکھیں گے۔

ہم انسانوں کو حالت کے اعتبار سے یہ قدرت تو حاصل نہیں کہ ہم اپنی فطری حالت مرکبہ کو کسی عنصر مفرد میں بدل ڈالیں یا اس زمین کی بود و باش ترک کر کے کسی دوسرے ستارے میں جا بسیں یا اسی قسم کے کسی ایسے فعل کا ارادہ کریں جس کی استعداد فطرتاً قدرت نے ہم میں نہیں رکھی مگر ہم کو علم اور قوت اور آلات قوت اور وسائل استعمال قوت اور عقل عنایت فرمائی ہی اور جن اشیا کی ہم کو ضرورتیں ہیں وہ کثرت سے مہیا فرما کر اُن میں آثار و خواص رکھے تا کہ ہم بحسب ضرورت اُن کے حصول میں دانشمندانہ احتیاط اور ہمت سے محنت کر کے کامیابی حاصل کریں اور اپنی اور اپنے بنی نوع انسان کی حفاظت اور ترقی کے واسطے کوشش کریں اور سب سے اول جزا و سزا کے مسئلہ کو سمجھیں کیا معنی اسی نازک مسئلہ کے دقیق نکات ذہن نشین ہو جانے کے بعد ہم فضل الٰہی کی بدولت سچے اور سیدھے مسلک پر گرم سیر ہو کر منزل مقصود تک بہ کامیابی پہنچ جانے کی امید کر سکتے ہیں چونکہ عالم میں جو اشیا خدا نے پیدا کی ہیں اُن میں سب کو بہ ترتیب قرب و بعد باہم ایک خاص تعلق ہی جب اُن میں باہم میل و فصل یا موثر او رمتاثر ہونے کی نوبت آتی ہی تو اُس کے نتائج ضرور پیدا ہوتے ہیں مگر اُسی مناسبت اور اُسی اندازہ کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں جس مناسبت

اور جس اندازہ سے باہم فعل و انفعال ہوتا ہی چونکہ اشیائے عالم میں بعض اشیا کو محض
قوت طبعی اور بعض اشیا کو قوت طبعی کے ساتھ قوت ارادی بھی اور بعض اشیا کو قوت طبعی
اور ارادی کے ساتھ قوت عقلی بھی حاصل ہے اور ان اشیا میں باذن خالقہا فعل و انفعال
باہم ہوتا رہتا ہے ہر ایک قوت اپنا غلبہ چاہتی ہے اور قوی قوت ضعیف قوت پر ہمیشہ
غالب آتی رہتی ہے مگر قوی اور ضعیف ہونے کی حالت میں ہمیشہ یکساں برابر یا ایک ہی
طرف قایم نہیں رہتی بلکہ قوت اور ضعف افراد اشیائے عالم میں منتقل ہوتی نظر آتی ہیں اور
ایک سب سے اعظم اور اعلیٰ قوت جس کا نام قدرت ہے ان سب اشیا کے فعل و انفعال کی
نگراں اور اُن میں متصرف پائی جاتی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ طبعی اور ارادی اور
عقلی قوتیں اپنے اقتدار اور غالب ہونے کے واسطے بالانفراد و بالاشتراک باہم مقابلہ
کرسکتی ہیں۔ مگر قدرت کا مقابلہ کوئی قوت نہیں کرسکتی پس ارادی اور عقلی قوتیں ذمہ دار
ہیں کہ جب تک طبعی اور ارادی اور عقلی قوتوں سے مقابلہ کی ضرورت ہو کریں مگر جہاں
قدرت کا قدم بیچ میں آئے وہاں مقابلہ ناممکن ہوگا اور ذمہ داری بھی نہ رہے گی چونکہ
ہم کو اپنی ذات خاص اور اپنے بنی نوع انسانوں کی حفاظت اور ترقی اور آسائش کی ضرورتیں
ہیں اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا تعلق بحسب ضرورت اور بحسب قرب و بعد سب اشیائے عالم
سے ہے تو ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک ہمارے امکان میں ہو ہم اشیائے عالم کے
خواص و آثار پر علم حاصل کرتے رہیں اور بپابندی انصاف اُس سے نفع حاصل کرتے
رہیں اور جب کبھی اُن اشیا میں اور اُن کی معینہ حالتوں اور اثروں میں تغیر پائیں اسی
وقت اُس تغیر کے مقدار اور میلان کو معلوم کریں کہ آیا وہ تغیر بیشی کی طرف ہے یا کمی کی
طرف اور وہ تغیر ہمارے تعلقات کو مفید ہوگا یا مضر اور اس تغیر کے اسباب اور تحریکیں
کہاں سے پیدا ہوئیں اور جانچیں کہ ہماری ذاتی قوت کہاں تک مضر تغیرات کو گھٹا یا
دبا یا مٹا سکتی ہے اور کہاں تک مفید تغیر پیدا کرنے یا مضر تغیر کو زائل کرنے کے واسطے

ہم اپنے افرادِ بنی نوع کی مجموعی قوت یا دوسری اشیاء سے مدد لینے کے بعد کامیاب ہوسکتی
ہیں اور کس موقع پر ہمارا دستِ سعی بالکل رُک جاتا ہے اور رک جانے کی وجہ کیا ہوتی ہے
یہ بھی ہم کو دیکھنا چاہیے کہ قدرت کے عطیات سے ممتنع ہونے کے واسطے کون کون مستحق ہیں اور
اور سب مستحقین کو کس طریقہ سے کس حد تک کوشش کرنے کا خود کو ذمہ دار سمجھنا چاہیے۔
کچھ شک نہیں عطیات الٰہی کا استحقاق بقدر ظرف و بقدر ضرورت ہر ایک جیتی جان کو حاصل
ہے اور اس وجہ سے لازم ہے کہ ہم احتیاط کے ساتھ اُنھیں اشیاء کے حصول میں کوشش کریں
جو ممکن الحصول ہوں اور جن کے حصول میں کسی کی حق تلفی نہ ہوتی ہو اور یقین کریں کہ ایک
غیبی قوت ہمارے دلوں کے اسرار پر مطلع اور ہمارے افعال کی نگراں ہے اس نے ہم کو
عقل و قوت عنایت فرما کر کچھ حاصل کر لینے کا موقع دیا ہے اب ہم کو اختیار ہے چاہیں
نعما سے بپابندی انصاف متمتع ہوں یا محروم رہیں یا سزا پانے کے لائق ہو جائیں امور ذیل
قابل غور ہیں:

(۱) ہم بقدر علم و بقدر قوت اُن سب افعال کے صدور میں مختار اور ذمہ دار ہیں
جن پر ہم کو علم و قوت و موقع حاصل ہے اور جہاں یہ ذرائع حقیقی طور پر رُک کر لاعلاج
ہو جائیں وہاں مجبور رہیں۔

(۲) جو قوت جس قدر ہمارے ذرایع کو روکتی ہے یا مٹاتی ہے وہ اسی قدر ہماری
ذمہ داری کا بار اپنے دوش پر لیتی ہے۔

(۳) ہماری ذمہ داری بقدر ہمارے علم اور قدرت اور موقع کے کم اور زیادہ ہوتی رہتی
ہے اپنے علم اپنی قوت اپنے موقع کو جب ہم خود ضایع کرتے ہیں اُس وقت قدرت کی
ناشکری اور اپنا نقصان ہم خود کرتے ہیں۔

(۴) اپنے علم اپنی قوت اپنے موقع حاصلہ سے جب ہم نتایج نافعہ حاصل کرتے ہیں
اُس سے اپنے فرض کی بجا آوری اور اپنے نفع جایز کا حصول اور اپنے معطی کی شکر گزاری

بکرتے ہیں۔

(۵) جو شے جس حد تک ارادی افعال پر قادر نہیں وہ اُس حد تک صدور فعل یا ترک فعل کی ذمہ دار نہیں۔

(۶) محدود مناسبتوں کے ساتھ علم اور قوت اور آلات قوت کی مدد اور ترقی کے واسطے جداگانہ ذرائع بھی قدرت نے پیدا کئے ہیں مگر اُن ذرائع کے حصول کا موقع دینا یا اُس سے محروم کر دینا قدرت کا کام ہی جس کو مقدر کہہ سکتے ہیں الّا اُن ذرائع تک رسائی ہونے کے بعد اُن سے متمتع نہ ہونا انسانی غلطی ہی اور اُس غلطی کا ذمہ دار رسائی یاب شخص ہے۔

(۷) عالم میں حصول مقاصد کے واسطے جس طرح ذرائع اور اسباب پیدا کئے گئے ہیں اُسی طرح بعض ذرائع و اسباب مقاصد کے حاج اور مانع بھی پائے جاتے ہیں جس طرح ہمارے مقاصد کی کامیابی کے واسطے طبعی اور ارادی اور عقلی قوتیں معاون ذرائع ہیں اُسی طرح بھی قوتیں دوسرے پیرایہ میں موانع اور سدّراہ ہوتی ہیں پھر اِن موانع قوتوں کے مقابلہ میں اگر ہماری ذاتی قوت یا ہمارے معاونین کی قوت اس قدر بڑھی ہوئی ہوتی ہی یا ہم اسقدر بڑھا سکتے ہیں کہ موانع قوتوں پر غالب آجاویں تو خدا کے فضل سے ہم کامیاب ہوتے ہیں۔ مثلاً غلہ کے پیداوار کی غرض سے ہم نے عمدہ تخم تجویز کیا اور بونے کا وقت ٹھیک وہی قرار دیا جو اُس غلہ کی نشو و نما پانے کے مناسب حال تھا اور زمین کو اُسی قدر گہرا جوتا اُسی قدر باریک کیا جس قدر ضروری تھا اسی مقدار سے کہاد اور پانی جو مناسب تھا اور پودوں کے بیدا ہونے پر اُن فضول نباتات سے صاف کرتے رہے پھر اُن حشرات الارض اور جنگل کے بہائم اور اُن بدمعاش چوروں سے جو زراعت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں حفاظت کی اور سب وہ تدبیرات برتیں جو کامل پیداوار اور حفاظت کے لئے ضروری ہیں اور اس طریقہ سے ہم موانع قوتوں پر غالب آئے اور کھیت کے سرسبز اور پیداوار کے پختہ ہو جانے پر اس کو کاٹ کر خرمن کیا

اور غلہ حاصل کیا تو ہم کامیاب ہوئے اور اگر ایسے موقع پر قدرت کے زبردست ہاتھ نے
ہماری کوشش کے نتایج کو بدلنا چاہا خرمن میں بجلی گری یا ایسا طوفان ہوا یا پانی کا آیا کہ ہماری
کوئی تدبیر نہ چل سکی اور غلہ برباد ہوگیا تو اس کا الزام بھی ہم پر نہ ہوگا ہم کاہل یا جاہل یا غافل
نہیں کہلائیں گے نہ قدرت کے تصرف کے عوض میں ہم کسی سزا کے مستوجب ہوں گے
ہاں دوران کوشش میں جس امر میں ہم غفلت یا بے احتیاطی کریں گے اور اُس کی وجہ سے
کوئی نقصان ہوگا تو اُس نقصان کے سوا ہم اُس طعن و ملامت کے بھی مستوجب ہوں گے
جو ہماری بداحتیاطی کی وجہ سے ہوگی اور اپنے اُن شرکا کے اتلاف حقوق کی جوابدہی
بھی ہم پر عائد ہوگی جو ہمارے نفع و ضرر میں شریک ہیں۔

(۸) ہمارے افعال کے ساتھ جزا و سزا کا لازم ہونا ایسا عام ہی کہ ہمارے روزانہ برتاؤ
میں آتا ہی ہم جس کا ادب کرتے ہیں وہ ہماری عزت کرتا ہی جس کی بے ادبی کرتے ہیں
وہ توہین کرتا ہی جس کی مدد کرتے ہیں وہ ہماری مدد کا ارادہ کرتا ہی جب اطاعت کرتے
ہیں عزت پاتے ہیں جب تمرد کرتے ہیں نفرت خریدتے ہیں ہمارے افعال ہمارے جسم
ہماری صحت پر مؤثر ہیں جب ترک غذا کرتے ہیں ضعیف ہوجاتے ہیں جب مقدار سے زیادہ
کھاتے ہیں امراض میں مبتلا ہوتے ہیں جب اندازہ اور مناسبت غذا کی قایم رکھتے
ہیں تندرست رہتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم اکثر اوقات ظالموں کو ظلم کرتے دیکھتے ہیں
مگر سزائیں پاتے نہیں دیکھتے حیوانات میں قوت والے حیوان کمزور حیوانوں کو اور قوت
والے ذی روح ضعیف ذی روحوں کو ستاتے ہیں شکار کرتے ہیں مگر کچھ بھی سزائیں نہیں
پاتے اسی طرح ہم بسا اوقات نیک کوششیں کرنے والوں کو اُن کی کوششوں کے صلے بھی ملتے
نہیں دیکھتے ہم نے یہ بھی بارہا دیکھا ہی کہ بدون کوشش بہت کچھ ملجاتا ہی تو میں اس کے متعلق یہ
التماس کرتا ہوں کہ جن ذی روحوں کی فطرت میں اُن کی بقائے نوع کے واسطے ایسی ضرورتیں
موجود ہیں کہ وہ دوسرے ذی روحوں کو فطرتًا شکار کرتے ہیں اگر شکار کرنے سے باز رہیں تو

زندہ نہیں رہ سکتے اُن کو درحالیکہ وہ اپنے تکلیف رساں افعال کے نتائج کے اچھے یا بُرے ہونے
میں کچھ امتیاز نہیں کر سکتے اُن محدود افعال کے ارتکاب تک قابل مواخذہ اس وجہ سے
اس وقت خیال نہ کریں کہ اُن افعال کے ارتکاب کی تجویز اُن کے ذاتی ارادہ سے قرار نہیں
پائی بلکہ قدرت نے اُن کی سرشت میں رکھی ہی تو ہمارا خیال اُن کی موجودہ حالت کی
نسبت جائز قرار پا سکتا ہی لیکن قدرت پر یہ الزام قایم نہیں ہو سکتا کہ اُس نے ایسی عادتیں
اُن کی سرشت میں کیوں قائم کیں جن سے دوسرے ذی روحوں کو ایذا پہنچتی ہی وجہ یہ ہے
کہ ہم قدرت کے مصالح پر مطلع نہیں ہیں اور یہ امر مسلم عام ہی کہ جب تک کسی قرارداد یا تجویز
کے متعلق مجوز کی مصلحت اور ضرورت معلوم نہ ہو تب تک اُس تجویز کی نسبت حقیقی اعتراض
وارد نہیں ہو سکتا ہمارے بنی نوع میں ماں باپ اپنی اولاد کو بغرض تادیب مارتے پیٹتے ہیں
اطبا کی تجویزوں پر مریضوں کو تلخ اور بدمزہ دوائیں پلائی جاتی ہیں ضرورۃً اعضا کی قطع برید کی جاتی
ہی بظاہر یہ سب امور تکلیف رساں ہیں لیکن کوئی ایسی تکلیف پہنچانے والوں پر اعتراض نہیں
کرتا اس کی وجہ صرف یہی ہی کہ ماں باپ کو اولاد کی نسبت اور طبیبوں کو اپنے مریضوں کی
نسبت سب لوگ شفیق خیال کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ایسے شفیقوں کا وہ فعل بھی جس کو ہم
ایذا رسانی خیال کرتے ہیں ضرور ایسی ضرورتوں پر مبنی ہوگا جس میں آیندہ اُن کی اولاد اور
اُن کے مریضوں کا نفع مقصود ہی بس درحالیکہ دنیا کے ماں باپ اور طبیبوں کے ایسے افعال
کو ہم اُن کے مصالح پر مبنی سمجھ کر قابل اعتراض نہیں قرار دیتے تو پھر قدرت پر جس کی شفقت ماں
باپ سے بمراتب زیادہ ہی ہم کو ایسی حالت میں کہ ہم اُس کے مصالح پر مطلع نہیں ہیں اعتراض
کا حق کیونکر حاصل ہو سکتا ہی اس سے زیادہ فطرتی افعال حیوانات پر استدلال کرنے کی اس موقع
پر اس وجہ سے ضرورت نہیں کہ ہم یہاں صرف اُن اُمور پر بحث کر رہے ہیں جو ہمارے افعال
ارادی سے علاقہ رکھتے ہیں اور اُن کی حقیقت یہ ہی کہ ظالموں کو ظلم کے ساتھ اُسی وقت سزا
نہ ملنے سے یہ کیوں فرض کیا جائے کہ اُن کو کبھی سزا نہ ملے گی قدرت کا ہاتھ کوتاہ اور قدرت

کا علم محدود نہیں ہے کہ وقت گزر جانے سے مجرم پھر قابو میں نہ آسکے گا نہ قدرت کے سزا دینے
کا صرف ایک ہی سادہ طریقہ بالمثل سزا دینے کا ہے جو ہمارے سامنے بلا انتظار ویسا ہی معاوضہ
ہو جائے جس کا ہم انتظار کرتے ہیں۔ منتقم حقیقی کی سزا دہی کے اصول اور اوقات تو اُسی
ذات مقدس کو معلوم ہونگے ہم تو دنیا کے سلاطین کو بھی فوری اور بالمثل سزا دیتے نہیں
دیکھتے ہر ایک ملک اور قوم کے قوانین سزا و جزا افراد قوم و افراد ملک کے طبائع اور حالتوں
کے موافق باہم مختلف ہوتے ہیں لیکن ہر ایک حالت میں مرتکبین جرم جن کے مجرم ہونے کا
علم بادشاہ یا عدالت کو ہوتا ہے سزا سے محفوظ نہیں رہتے اسی طرح ہم کو ہمارے افعال کے
نتائج فوراً حاصل ہوں یا بدیر مگر ملتے ضرور ہیں۔ اگر ہم ایک تختہ میں ببول اور دوسرے میں
آم بوئیں تو اگرچہ یہ دونوں قسم کے درخت ہماری فصلی پیداواروں کی طرح جلدی بارآور نہوں
اور ایک عرصہ دراز گزر جائے لیکن بارآور ہونے کے وقت اول الذکر قسم سے ہم کو کانٹے
اور دوسری قسم کے لذیذ پھل حاصل ہوں گے۔ ہمنے نوجوانی کی احتیاطیں بڑھاپے میں آیا اثر
رساں اور بے اعتدالیاں بہ زمانہ پیری تکلیف دہ پائی ہیں۔ نیک کوششوں کے صلے ملنے کے
متعلق بھی کوئی نا اُمیدی نہیں ہے جبکہ قدرت کا ہاتھ قوی اور ذرائع وسیع اور وقت نامحدود
ہے مخلوق کے معاملات خالق کے ساتھ صرف چندروزہ نہیں ہیں بلکہ دائمی ہیں پھر نیک کوششیں
صلہ سے کیوں محروم رہیں گی۔ اور جن کو بدون کوشش مل جانا بیان کیا گیا ہے یہ بھی خیالی تردد ہے
کیا معنی جب کہ ہم کو معطی کی مصلحتوں اور اندرونی اسرار قدرت پر ذرا بھی علم نہیں تو ہمارا
یہ قیاس کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ جس نے ہمارے علم اور ہمارے مواجہہ میں کچھ کوشش نہیں
کی اور کچھ پایا تو وہ بدون کوشش تھا ممکن ہے وہ عطیہ بھی کسی کوشش کا صلہ ہو جس پر ہم کو علم نہیں
غرض اندرونی معاملات قدرت کچھ ہوں ہم کو کسی طرح قدرت کے افعال پر اعتراض کرنے کا
حق حاصل نہیں نہ ہماری موجودہ حالت اور ذمہ داری ہم کو اس قدر مہلت اور اجازت دیتی
ہے کہ ہم اپنے عملی افعال کی اصلاح کے واسطے لازمی شرط یہ قرار دیں کہ جن امور میں ہم کو

تردوات پیش آئے ہیں اُن کی بابت ہم کو قدرت اپنی مصلحتوں پر مطلع کردے تب ہم اپنی
اصلاحِ اعمال پر توجہ کریں گے حال آنکہ اُن اُمور کے معلوم کرنے کا انتظار ہماری ضرورتوں
سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا اور ہماری ذمہ دار حالت کا ہرایک منٹ بیکار گزرنے سے وقتاً
فوقتاً ہمارا نقصان ہورہا ہی یہ توایسی مثال ہی کہ کوئی کم سمجھ کاشتکار جس کو شاہِ وقت نے اُسی کے
دوسرے ہم پیشوں کی طرح ایک قطعہ اراضی اور کچھ آلات کشاورزی اور تخم و تقاوی دے کر
ایک مقدارِ محاصل کے ادا کرنے کا ذمہ دار قرار دیا ہو وہ یہ کہے کہ میں کاروبار میں تب محنت
کروں گا جب اول مجھ کو یہ سمجھا دیا جائے کہ بادشاہ نے ہم کاشتکاروں کے واسطے جدا قانون
اور تجار کے واسطے جدا اور اہل حرفہ کے واسطے جدا کیوں قرار دیا۔ امرائے شاہی نے
کیا خدمات کی ہیں جو ایسے کروفر سے رہتی ہیں اور بیچارے غریب پیادوں اور چوکیداروں
کو ایسی کم تنخواہوں پر ادنے حالت میں کیوں رکھا ہی جیلخانوں میں آدمی کیوں قید
کئے جاتے ہیں یہ مختلف سزائیں کیسی ہیں یہ کیسا اندھیر ہی کوئی تازیانوں سے پٹوایا
جاتا ہی کسی کا گھربار مال اسباب چھین لیا جاتا ہی کسی کو انعام خلعت دئے جاتے ہیں اور
پھر یہ کہے کہ میں تو اپنے ہل کو اُس وقت ہاتھ لگاؤں گا جب مختلف توانین کے وضع
کرنے کی ضرورتیں اور اُن کے سب مطالب اور امرا کی تفصیلی خدمات جن کے صلہ میں
مقرب ہوئے ملازمین کے مختلف حالتوں کے وجوہ اور مجرمین کی مختلف سزاؤں کی کیفیتیں
اور بادشاہ وقت کے عنایت فرمانے اور عتاب کرنے کے اسباب بیان کردئے جائیں حالانکہ
اُس کی موجودہ حالت یہ ہی کہ بال بچے بھوکوں مررہے ہیں مہاجن اُس کی کاہلی دیکھکر قرض
دینے میں پس وپیش کررہا ہی موسم بیج بونے اور محنت کرنے کا گزرا جاتا ہی اور باایںہمہ مشکلات
جن مقاصد شاہی اور وضع قوانین اور مصالح سلطنت کے مطلع ہونے پر شرط لگائے ہوئے
ہی وہ قوانین اور دفتر جس زبان اور حروف میں ہیں اُن حروف کی شکلیں تک نہیں پہچانتا
اُس زبان کا ایک لفظ تک نہیں جانتا نہ ایوان شاہی تک کبھی رسائی ہوئی نہ دفتر شاہی پر

جانے کا اتفاق ہوا نہ کارگزاران دفتر شاہی کی حیرت خیز دانشمندیوں کے جانچنے کا موقع ملا ایسی حالت میں بجز اس کے کہ عمدہ موسم گزر جانے سے وہ اور اُس کے تمام بال بچے تباہ ہو جائیں کیا حاصل کریگا ہاں اگر وہ کام کے وقت اپنے کاموں میں پوری محنت سے مصروف ہو اور فرصت کے وقتوں میں دفترِ شاہی کے حروف اور زبان سیکھنے کی کوشش کرے اور کبھی کبھی ایوان شاہی اور دفتر شاہی میں رسائی پیدا کرکے وہاں کے کاروبار دیکھے تو اُس کو ضرور معلوم ہوگا کہ جو لوگ قیدخانوں میں مختلف سزائیں بھگت رہے ہیں اُن میں ہر ایک کے متعلق مختلف اقطاع ملک سے جرایم کی رپوٹیں دفتر شاہی میں پہنچکر بخوبی تحقیقات ہوکر فیصلہ ہوا ہی اور جس کو جو کچھ درجہ یا خدمت یا انعام دیا گیا ہے اُن کی کارگزاریاں بھی دفتر میں موجود ہیں وہ ایسے دفتر بھی معلوم کریگا جہاں بعض کاغذات راز معتمدان خاص کی تحویل میں رہتے ہیں جن کا حال بجز اُنھیں معتمدان امین کے کسی پر منکشف نہیں ہوسکتا اور بعض کاغذات راز خاص صندوقچوں میں بند ہیں جن کی کنجیاں جیب خاص میں ہیں اور تمام کاروبار سلطنت بالکل سلطانی احکام اور سلطانی مصلحتوں کے مطابق انجام پا رہے ہیں اور وہ سب احکام درست اور باقاعدہ اور سراسر مصلحت آمیز ہیں وہاں کسی کے ساتھ بغض نہیں عداوت نہیں سہو نہیں غفلت نہیں خودغرضی نہیں۔ اب میں چند اشعار عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

بگڑے ہوئے نصیب الٰہی سنوار دے		باغِ خزاں رسیدہ کو رنگِ بہار دے
بذلِ کرم کو حکم مرے کردگار دے		اُفتادگان خاک کو اونچی اُبھار دے

دریوزہ گر ہیں جمع ہم باب شاہ پر
بندے مچل پڑے درِ فیضِ اللہ پر

باہم ہوا ہے شاہ و گدا سے معاملہ		بندوں کا آپڑا ہی خدا سے معاملہ
تاریک منزلوں کا ضیا سے معاملہ		بھولے ہوؤں کا راہ نما سے معاملہ

سوئے فلک اُچکتے ہیں فرش زمین سے
مطلب نہیں وساطت روح الامین سے

نالے پہنچتے جاتے ہیں بیت السرور تک — ہم کچھ نہ ہوں مگر ہے رسائی تو دور تک
آمد شدِ پیام ہے ظلمت سے نور تک — ہے تار برق ذروۂ قصر حضور تک

عرش بریں تلک ہے رسائی کا سلسلہ
بندوں سے مل رہا ہے خدائی کا سلسلہ

ابرِ کرم سے برسی دھواں دھار اِک گھٹا — تاریک مشتِ خاک کو سرسبز کر دیا
پہنا کے جامۂ بشری کی ہمیں قبا — بخشے حواس علم دیا عقل کی عطا

حاکم کیا تمام جمادات پر ہمیں
بخشا تصرف اُس نے نباتات پر ہمیں

اللہ رے شیون عطیاتِ کردگار — پیدا کئے ہمارے لئے لیل اور نہار
شمس و قمر زمان و زمیں چرخِ زرنگار — اسباب بہر راحت و اوقات بہر کار

اعضا دیئے کہ کسبِ معیشت میں کام دیں
اُس پاک بے نیاز کی طاعت میں کام دیں

ہر چیز میں خواص ہر اک فعل میں اثر — رکھے کہ جلب نفع کریں جان بوجھ کر
چھوڑیں نہ راہ راست کو آتی ہوئی نظر — کھوئیں نہ وقت کار کو رکھتے ہوئے خبر

دل کو بچائیں فکر و خیال فضول سے
محفوظ اس گھر کو رکھیں خاک دھول سے

ہم کو ادائے فرض میں غفلت نہ چاہیئے — قدرت کے کاروبار میں حجت نہ چاہیئے
بیکار بیٹھے رہنے کی عادت نہ چاہیئے — بے وجہ ترک محنت و ہمت نہ چاہیئے

قدرت جہان کے بڑھنے سے رُکے رہیں
بہرِ دعا حضورِ خدا میں جھکے رہیں

قوت سے اپنی چاہیے ہر وقت کام لیں
افسردہ خاطروں کی خبر صبح و شام لیں

گرتے ہوؤں کو بازوئے ہمت سے تھام لیں
ٹوٹے ہوئے دلوں کی دعائیں مدام لیں

نازک مزاجیوں کی نہ پروا ذرا کریں
قوت کے وقت صرفِ رضائے خدا کریں

قوت ہی صرفِ ہمت و جرأت کی ذمہ دار
غورِ مدبرانہ عدالت کی ذمہ دار

شمعِ خرد ضیائے ہدایت کی ذمہ دار
محتاط طبع عصمت و عفت کی ذمہ دار

ان سب سے کام لینے کے ہم ذمہ دار ہیں
جب تک ہمارے دم میں ہے دم ذمہ دار ہیں

ہم بے کسانہ ڈرنے کو پیدا نہیں ہوئے
گھر میں پڑے ٹھٹھرنے کو پیدا نہیں ہوئے

قدرت کے شکوے کرنے کو پیدا نہیں ہوئے
چپ چاپ جینے مرنے کو پیدا نہیں ہوئے

پھر حق کے ہاتھ پاؤں ہلا کر تو دیکھ لیں
جو کچھ ملا ہے کام میں لا کر تو دیکھ لیں

دنیا میں زندگی کے فرائض کریں ادا
ہم کون ہیں جو حدِ ادب سے بڑھیں ذرا

رازِ مقدراتِ الٰہی میں بحث کیا
کہتے پھریں یہ کیوں نہ کیا اور وہ کیوں کیا

کس واسطے اُلجھتے پھریں کائنات میں
قدرت پہ اعتراض کریں بات بات میں

خوشنود ہو کے اُس میں جو حالت ہو عطا
تحقیقِ ممکنات میں کوشش کریں سدا

اصلاحِ حال کرتے رہیں صبح اور مسا
کیا غم چھپا رہے جو کوئی رازِ کبریا

رفتارِ زندگی ہو بہت دیکھ بھال کے
خواہاں فضول کے ہوں نہ طالب محال کے

کوشش کریں فلاح میں اپنی بساط بھر
کچھ کرنے والے ہوتے ہیں مقصد میں بہرہ ور

شاخِ نہال سعی رہے گی نہ بے ثمر
رکھا ہی کارساز نے ہر فعل میں اثر

ملتا ہے پھل ضرور ہر اک کارِ نیک کا
لیکن جدا جدا ہی سلیقہ ہر ایک کا

جس درجہ جس کو علم ہے قوت ہی جس قدر
ہو کچھ وسائل اُس کے معاون ہوں وقت پر

جیسے طریق سعی سے رکھتا ہے وہ خبر
موقع ملے نصیب سے جیسا ہے ہنر

ویسا ہی اپنی سعی میں وہ کامیاب ہو
دروازہ کھٹکھٹائے تو پھر فتحِ باب ہو

آؤ کریں سپاس خداوند ذوالمنن
خلوت میں اُس کی یاد ہو روح درون تن

چھوڑیں کہیں فضول خیالات ما و من
جلوت میں اُس کا ذکر ہو ہر بزم و انجمن

بذلِ کرم پر اُس کے بھروسا لگا رہے
یہ نخل ہر بہار میں پھولا پھلا رہے

اے کردگار میں ہوں ترا بندۂ ذلیل
جاؤں کہاں میں چھوڑ کے اس در کو اے جلیل

عاصی کا کون ہو ترے الطاف بن کفیل
ہوں میں وہ رہ نورد کہ سویا دمِ رحیل

ارباب قافلے نے مقاصد کی راہ لی
میں نے ترے کرم کے سہارے پناہ لی

گم کردہ منزلوں کا تو ہی خضرِ راہ ہو
تجھ بن ہے کون جس کو غریبوں کی چاہ ہو

ورنہ ترے فقیروں کا کیونکر نباہ ہو
بندہ نواز ادھر بھی کرم کی نگاہ ہو

ہر سو پڑے بھٹکتے ہیں پیچھے رہے ہوئے
موجوں سے سر پٹکتے ہیں کوسوں بہے ہوئے

یاں ہے تراوشِ مژۂ تر لگی ہوئی
امیدوار آنکھ سوئے در لگی ہوئی
اشکوں کی ایک جھڑی سی برابر لگی ہوئی
تیری ہے لو کلیجہ کے اندر لگی ہوئی

پردوں میں دل کے گونج رہی ہے ندائے ہو
کانوں میں آ رہی ہے برابر صدائے ہو

نوک زباں کو نطق سے مخفی پیام ہے
تفصیل آرزو کے لئے سعی تام ہے
بس آج تیرے زور طلاقت کا کام ہے
تصریحِ مدعا کا عجب اہتمام ہے

دل کہہ رہا ہے چیخ کے سامع ضرور ہے
بچھڑے ہوؤں کے وصل کو جامع ضرور ہے

لیکن میں کس زباں سے کروں عرض مدعا
یارب یہ درد کس سے کہوں میں ترے سوا
حسن عمل کہاں ہے جو طالب ہوں مزد کا
تیری سپرد ہے ترے عاصی کا ماجرا

مخفی نہیں ہے تجھ سے تمنائے احمدی
یہ تیرا آستاں ہے یہ سیمائے احمدی

رازِ نیچر

حضرات! آج جس مسئلہ کی صراحت زیر بحث ہی وہ اُن غور و فکر کرنے والے دماغوں کی توجہ کے لایق ہی جن کو ایسے مسائل کی طرف میلان خاص ہی۔ میں جو کچھ بیان کروں گا وہ میرے دماغی خیالات ہیں اِن خیالات کے اظہار کی ضرورت اگر ہی تو صرف اس قدر کہ بحالت درست اور صحیح ہونے کے شاید کسی متردد دل کو طمانیت دے سکیں۔

موجودہ وقت اور جدید تحقیقات اور جدید علوم خصوص علوم طبعی کے تجربوں نے بعض دماغوں پر کچھ ایسا اثر کیا ہی کہ وہ مذاہب کی وقعت سے بے پرواہ ہونے کے سوا عالم میں قوانین نیچر کے طرزِ عمل اور نتایج کو اُن کے اصول مقررہ کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہوا دیکھ کر ذات باری جل جلالہ کے وجود باجود سے انکار کرنے لگے ہیں میں اس مقام پر مذاہب کے نازک مسائل یا اُن کے اختلاف اور وجوہ اختلاف کے متعلق بیان کی ضرورت اس وجہ سے نہیں سمجھتا کہ علماء مذاہب خود موجود ہیں ہاں میں اُن حضرات کی اِس غلط خیالی پر بحث کروں گا جو وہ خداوند پاک کے وجود اور اُس کے علیم و قدیر ہونے اور متصرف فی العالم ہونے کے متعلق اِنکار کرتے ہیں میں اپنے خداوند کریم کی مدد پر بھروسا کرتے ہوئے اُمید کرتا ہوں کہ میں اُن کے خیالات کی غلطی ثابت کرنے کی کوشش کروں گا وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللہِ العَلِیِّ العَظِیمِ۔

میں نے ایک مضمون پڑھا ہی جس میں راقم مضمون نے نیچر کو متصرف فی العالم مان کر خداوند جلیل کے وجود باجود سے صاف الفاظ میں انکار کیا ہی اور اپنے خیالات کی صراحت کر کے اپنے نزدیک فیصلہ کر دینے کا دعوےٰ کیا ہی وہ مضمون طویل ہے میں اُس میں سے صرف اُن اصول کا انتخاب کرتا ہوں جن کو راقم مضمون قطعی و ناممکن التردید

سمجھتا ہی۔ جو کچھ وہ کہتا ہی لب لباب اُس کا یہ ہی:

امر اول۔ عالم میں تمام کاروبار نیچرل اسباب اور نیچرل تحریکوں سے ہوتے ہیں۔ سوائے نیچر کے کوئی مافوق العادت قوت اُس میں متصرف نہیں۔

امر دوم۔ اشیائے عالم کی پیدایش و بقاؤ فنا کے متعلق جو قوتیں اپنا عمل کرتی ہیں قانون قدرت کے خلاف کوئی کام نہیں ہوسکتا۔

امر سوم۔ انسانوں نے طوفان اور سکون اشجار اور انسانی خوشی اور مصیبت سی نتیجہ نکال کر اپنا ایک خدا اقرار دے لیا لیکن سائنس کی رو سے یہ خیال پوچ ہی سوائے نیچر کے اور کوئی قوت دنیا میں کام کرتی معلوم نہیں ہوتی۔

امر چہارم۔ بعض کا خیال ہی کہ علت العلل ضرور کوئی شے ہی اور یہ قانون قدرت اُسی کی طرف سے ایجاد ہوتے ہیں قانون مرتب ہونے کے بعد بھی وہ جو کچھ چاہے کرسکتا ہی مگر علم طبیعات سے معلوم ہوسکتا ہی کہ قوانین نیچر کبھی نہیں بدلتے علم طبقات الارض علم ہیئت کیمیا۔ نیچرل فلسفہ۔ علم نباتات۔ علم حیوانات کی رو سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ مافوق العادت ذات معاملات نیچر میں دست اندازی کرتی ہی۔

امر پنجم۔ بعض یقین کرتے ہیں کہ موسموں کے تغیر و تبدل اور امراض کے حدوث میں مافوق العادت ذات کا دخل ہی اور اسی وجہ سے مینہ برسنے اور امراض کے دفعیہ کے واسطے مافوق العادت ذات سے دعائیں مانگی جاتی ہیں لیکن اُن کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ خدا سے کبھی ایک مکان کے خود بخود تیار ہو جانے کی التجا کریں یا کسی لاینحل مسئلہ ریاضی کے حل ہونے کی دعا کریں اِس قسم کی دعائیں جھوٹی بلا ثبوت بنیادوں پر مبنی ہیں۔

امر ششم۔ جوش دل جذبات قلب اور خیالات کے قوانین اور وہ حالتیں جن پر خوشی و غم۔ نیکی اور بدی کا انحصار ہی ایسی ٹھیک اور غیر متغیر ہیں جیسے علم کیمیا صحت ضمیر کے قوانین پر نیکی یا خوشی اُسی طرح منحصر ہی جس طرح جسم کی صحت اُس کے منضبط قوانین پر

موقوف ہو ایسی حالت میں یہ عقیدہ رکھنا ہمارے واسطے مُضر ہو کہ مافوق العادت ذوات کے وسائل سے ہمیں کوئی چیز حاصل ہوسکتی ہو۔

(یہاں تک میں نے راقم مضمون کے خیالات کی مختصراً صراحت کی) اب میں اِن مطالبِ مُصرحہ کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرتا ہوں۔

اوّل نمبر ۱ میں یہ دعوےٰ کیا گیا ہو کہ عالم میں تمام کاروبار نیچرل اسباب و نیچرل تحریکوں سے ہوتے ہیں سوائے نیچر کے کوئی مافوق العادت قوت اُس میں متصرف نہیں۔ اس کے جواب دینے کے متعلق اول ہم کو لازم ہو کہ ہم نیچر کے معنی اور اُس کی ماہیت پر غور کریں۔

واضح ہو کہ بقول علمائے نیچر کے **نیچر** کا لفظ اپنی معانی اور مفہوم میں ایسی وسعت رکھتا ہو کہ وہ مادّی اشیاء عالم میں ہر ایک شے کی ہر ایک حالت اور نوعیت کے ساتھ ایسا چسپاں مانا جاتا ہو جس کی نسبت کہہ سکتے ہیں **مصرعہ**

بہر نامے کہ خوانی سر بر آرد

یعنی مخلوقات۔ کائنات۔ موجودہ انتظام اشیا۔ مجسم مجموعہ اسباب و نتائج۔ موجودہ حالتوں کو پیدا کرنے والی قوتیں۔ مقررہ اور باقاعدہ رفتار اشیا۔ مجموعہ اُن صفات اور حالتوں کا جو ہر ایک شخص یا شئے کو حاصل ہیں اور جن کی وجہ سے اُن میں باہم امتیاز ہو۔ قسم وضع حالت صفت وغیرہ۔ یہ سب نیچر کے معانی کے حدود میں داخل ہیں وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ بطور ایک واحد اور علیحدہ وجود کے ہو جس میں تمام محدود ذرائع اور قوتیں شامل ہیں اب میں اِس سب بیان کو اِن مختصر الفاظ کے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہوں کہ مادہ اور مادّی روح اور مادّی قوت کے سرشت یا فطرت یا بناوٹ کا نام نیچر اور مادّی اشیا کا نام نیچرل اشیا اور اِن سب کے افعال طبیعی کا نام لاء آف نیچر ہو اگر میں نے اپنے اس بیان میں غلطی نہیں کی ہو تو میں کہہ سکتا ہوں کہ نیچر مخلوق اور مصنوع ہو یا ترتیباً یوں کہو کہ نیچر مخلوق و مصنوع اول اور نیچرل اشیا بہ ترتیب سلسلہ جات مصنوع مابعد اور افعالِ

طبیعی یا لاز آف نیچر (جس نام سے اِن کو پکارا جائے) صانع مطلق جل جلالہ کی تجاویز انتظامی ہیں نیچر اگر اشیا کی معیت کے سوا اُس کا جداگانہ طور پر حسب عقیدہ علمائے نیچر کے پایا جانا ممکن ہو تو وہ عالم کے ایجاد و تکوین کا آلہ مانا جا سکتا ہی مگر وہ بذات خاص مالک اور موجد بالارادہ نہیں تسلیم ہو سکتا نیچر اُن قوانین کی تعمیل کا پابند ہی جو اُس کو مفوض ہوئی ہیں وہ خود مقنن نہیں وہ باوصف اُن تمام اقتدارات کے جو اُس کو حاصل ہیں ایک ذرہ برابر اُس حکم سے تجاوز نہیں کر سکتا جو اُس کو ملا ہی وہ بمنزلہ اُس فرماں بردار چاکر کے ہی جو ہر دم اپنے آقا کے فرمان کی تعمیل میں سرگرم کار ہو خالق عالم نے اپنی مصلحت خاص سے مادی اشیا، عالم میں ہر ایک شے کو عام اس سے کہ وہ شے بذات خاص دوسری اشیا کو کوئی مدد یا فیض پہنچانے والی ہو یا خود مدد یا فیض پانے والی ہو غرض معطی فیض ہو یا طالب فیض ہو جنساً و نوعاً و فرداً مقدار اور قوت اور خواص اور عمر میں باہم مختلف پیدا کر کے ہر ایک شے کو جداگانہ سرشت عنایت فرمائی تاکہ وہ اپنی اُس حالت کے اعتبار سے خاص کاموں کے صدور و ظہور کے واسطے مخصوص ہو اُس سرشت میں اُسی قسم کی قوت اور استعداد رکھی جس سے وہی افعال و آثار و خواص ظاہر ہوں جو اُس خداوند کی مدنظر ہوں عالم میں دو چیزیں بھی ایسی نہیں پائی جاتیں جو سرشت اور صفات اور افعال و خواص میں بالکل یکساں ہوں جو اشیا کہ بسیط ہیں وہ تو باہم اپنی سرشت اور صفات میں ذرا بھی مشابہ نہیں جو اشیا مرکب ہیں اور جنس اور نوع کے سلسلے میں مقید ہیں اُن میں بھی ہر ایک شے دوسری شے سے صورت اور رنگ مقدار اور قوت اور اثر میں یکساں نہیں اور اُن غیر متناہی اشیا میں ایک شے بھی اپنی سرشت اور اُس کے افعال و آثار و طرز عمل کو بدل دینے کی قدرت نہیں رکھتے نیز جس شے کو جو سرشت یا افعال و آثار دئے گئے ہیں اُن آثار و افعال کو اسی طرح پر ہونے یا نہ ہونے میں اُس شے کی خواہش یا اُس کی تجویز کو کوئی دخل نہیں اِس سے ثابت ہوتا ہی کہ تمام اشیا اپنے وجود میں بھی اور اپنی صفات و خواص میں بھی مختار نہیں بلکہ محتاج الی الغیر ہیں اور

ان تمام اشیائے مادی کو اپنے ہست و نیست اور تغیر کے متعلق کسی اور کی طرف افتقار ہی اور جس کی طرف اُن تمام اشیا کو اپنی حالتوں کے متعلق افتقار ہی وہ مادی نہیں کیونکہ بحالت مادی ہونے کے اُس کا بھی محتاج الی الغیر ہونا لازم ہوتا اور چونکہ وہ معطی شے مادی اور محتاج الی الغیر نہیں ہی وہی اُن کا صانع ہی اور سرشت اور قوت اور افعال و آثار جو کچھ مادی اشیا کو ملے ہیں وہ اُسی صانع کی طرف سے مفوضہ عطیہ ہیں اس عطیہ کے قیام و بقا اور حالتیں بدلنے یا متغیر ہونے یا فنا ہو جانے کے واسطے بھی صانع کے علم میں خاص مصلحتیں اور وقت مقرر ہیں جس شے یا جن اشیا کو جس وقت تک جس طریقہ اور جس حالت میں رکھکر جو کام اُن سے لینا مقصود ہوتے ہیں لئے جاتے ہیں ایسی حالت میں معتقدان نیچر کاروبار عالم کو نیچرل آثار سے ہوتا ہوا دیکھکر یہ خیال کس بنا پر کرتے ہیں کہ نیچرل اثر جو اشیا کو حاصل ہیں وہ خود بخود ہیں اور اُن میں کوئی مافوق العادت قوت متصرف نہیں اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ موجودہ اشیا کو موجودہ اثر جس طریقہ کے انتظام کے واسطے بخشے گئے ہیں وہ انتظام اب موجود و قایم ہی جب اُس کو منظور ہوگا کہ انتظام کی صورت دوسرے طور پر بدل دے فوراً اُس کی مرضی اور اُس کے منشا کے مطابق اُن اشیا میں اور اُن اثروں میں تغیر ہو جائے گو یا دوسری اشیا جدید اثروں کے ساتھ مُہیا کی جائیں گی غرض اشیا میں جو اثر ہیں وہ بڑھائے جا سکتے ہیں گھٹائے جا سکتے ہیں ایک سے دوسری شے میں منتقل کئے جا سکتے ہیں اپنے وجود اور اپنی ذات خاص میں موجودہ اشیائے عالم ازلی ابدی نہیں ہیں نہ اُن کی سرشت اور نہ اُن کے افعال و آثار ازلی ابدی ہیں بلکہ سب اشیا مخلوق اور اُن میں جو خواص و آثار ہیں وہ اُن کے خداوند اور خالق کے مفوضہ اور جو قانون قدرت اُن میں نافذ و جاری ہی وہ اُن کے صانع کا مجوزہ ہی لفظ اشیا کی تعبیر میں میری مراد صرف اشیائے مرکبہ محسوسہ بالحواس تک محدود نہیں بلکہ اُس وسیع اور اعظم منبع کو بھی ہیں بشرطیکہ وہ جداگانہ طور پر موجود ہو ایک شے تصور کرتا ہوں جس منبع سے معتقدان نیچر

کے خیال کے مطابق نیچرل اثر سب نیچرل اشیا کو منقسم ہوتے رہتے ہیں۔ اگر معتقدان نیچر
اس صاف اور صحیح عقیدہ کو تسلیم نہ کریں تو کیا وہ یہ بات ثابت کر سکیں گے یا کسی شے کا نام
لے سکیں گے کہ اِن مختلف الصفات مادی اشیاے عالم میں کوئی ایک شے ایسی ہی جو بہ شئیت
اور افعال و آثار خاص کی پابند ہونے کی حالت میں دوسری تمام اشیا پر حاکم او متصرف
ہونے کا دعوے کرے اور بذات واحد انتظام عالم کرتی ہو یا وہ یہ ثابت کریں گے کہ
اسی قسم کی چند مادی اشیا اپنے علم و ارادہ سے یا وصف باہم مختلف الصفات ہونے کے
اپنے سوا تمام اشیا پر منتظمانہ اقتدار رکھتے ہوں یا وہ اس امر کا ثبوت دیں گے کہ عالم
کی سب مادی اشیا باوصف مختلف الصفات اور مختلف الافعال ہونے کے انتظامِ عالم
بہ حیثیت مجموعی کر کے اپنی پیدائش اور اپنی بقا و فنا کے واسطے خود خالق خود مخلوق اور خود
صانع خود مصنوع ہیں جو محال عقلی ہی یا بدون پیش کرنے وجوہ معقول کے وہ اِسی امر
پر اصرار کئے جائیں گے کہ کسی انتظام کے واسطے کسی خاص منتظم یا مقنن یا مجوز کی ضرورت
نہیں ہم اپنے بیان کی تائید میں کچھ مثالیں بیان کرتے ہیں اول یہ کہ اسباب ظاہر تمام عالم
میں کارکن قوت یا یہ کہو کہ عامل قوت بیشک نیچرل قوت ہی لیکن نیچرل قوت پابند اس قانون
کی ہی جو اُس کے واسطے مقرر کیا گیا ہی اُس قانون کے خلاف کرنے یا اُس میں تغیر و تبدل
کرنے کا اُس کو بالکل اختیار نہیں وہ اپنے طرز عمل میں اُن قواعد کی تعمیل کرتی ہی جو مقنن
باعلم و ارادہ نے اپنی مصلحتوں کے مطابق اُس کے واسطے قرار دئے ہیں۔ تمام اشیا اپنی
منفرد حالتوں میں بھی اور بحالت مرکب ہو جانے یا مرکب کر دئے جانے کے مرکب حالتوں
میں بھی جب نیچرل اثر ظاہر کرتی ہیں تو اُنھیں خاص طریقوں سے ظاہر کرتی ہیں جو طریقہ
اُن کے آثار کے ظہور کے واسطے مقرر ہی اور وہی اثر ظاہر کرتی ہیں جو اُن میں رکھا گیا ہے۔
اُن کے امکان میں یہ بات کسی طرح نہیں کہ وہ اپنے ارادہ سے اپنے طرز عمل کو بدل دیں
یا اپنے اثر کو بدل کر کبھی دوسرا اثر ظاہر کر سکیں۔

طبعی قوّت یا نیچرل قوّت غرض جس نام سے اُس کو پکارا جائے عامل قوّت ہی مجوز قوّت یا مقنن قوّت نہیں۔

عالم میں ہم جو کام ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں یا جن افعال کا احساس ہمارے حواس کرتے ہیں بوجہ اِس کے کہ اُن افعال کا وقوع وظہور بظاہر ہم نیچرل قوتوں کے ذریعہ سے ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم کو اس غلطی میں پڑنا نہیں چاہیئے کہ نیچرل قوّت خالق عالم اور منتظم عالم وہ خداوند علیم نہیں ہی۔ نہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ خالق عالم اور منتظم عالم وہ خداوند علیم و قدیر ہے جس نے اپنی قدرت سے انتظام عالم قایم کرنے کو بہ حسب مصلحت خود ارکان عالم اور اشیائے عالم کو خواص خاص عنایت فرماکر انتظام قایم فرمایا ورنہ اگر ہم محض حواس کے حساب کے اتباع پر یہ خیال کرلیں گے کہ ہم جن قوّتوں سے ظہور افعال دیکھیں اُنھیں کو فاعل حقیقی کیوں نہ مانیں تو اِس کی مثال ایسی ہوگی جس طرح ہم ہر ایک مجسٹریٹ یا ہر ایک جج یا ہر ایک پولس کے سپاہی کو جب قانون کی تعمیل کرتے دیکھیں تو بوجہ اس کے کہ ہم نے احکامِ قانونی کو اُنھیں کی زبان اور قلم اور ہاتھوں سے نافذ ہوتے ہوئے دیکھا ہی یہی مان لیں کہ وہی مقنن بھی ہیں حال آنکہ مقنن وہ سلطانِ وقت ہی جس نے اپنی مصلحتوں کے مطابق دفعات قانونی قرار دیکر اپنے ماتحتوں کے ذریعہ سے اُس کی تعمیل قرار دی ہی اور ہر ایک عہدہ دار کو جس قدر تعمیل اور جس طریقہ سے تعمیل کا حکم دیا ہی وہ اُس کی تعمیل اُسی درجہ تک اُسی طریقہ سے کررہا ہی ممکن نہیں کہ اُس کی خلاف ورزی کرسکے۔

دوم یہ کہ عالم کے تمام مصنوعات اور مخلوق میں نظر کرنے سے خالق کے تصرفات کہیں بے واسطہ اور کہیں دوسرے ذرائع کی وساطت سے پائے جاتے ہیں اور یہ سمجھ میں آتا ہی کہ خداوند عالم نے عالم کے اولی ارکان کو بذات خاص پیدا کرکے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اُن ارکان اولی میں وہ قوّت اور استعداد قایم کی جس سے وہ اس کی منشا اور مرضی کے مطابق اپنی مفوضہ قوّت سے وہ کام کرتے رہیں جو اُن سے

مقصود ہی اور چونکہ منظور یہ تھا کہ کائنات کے کاموں کا وقوع وظہور اسباب پر منحصر کیا جائے
اِس واسطے اشیائے عالم کے پیدا ہونے اور بڑھنے اور متغیر ہونے اور فنا ہو جانے کے
واسطے ایک بڑا سلسلہ خواص و آثار کا عالم کے مادی اشیا کے واسطے قرار دیا ارکان
اول کی پیدائش کا اول کام اور اول تصرف صانع عالم کی ذاتی قوت سے بدونِ شرکت
کسی دوسرے ذرائع کے ہوتا ہی اور مابعد کام جو ارکان اول سے یا ارکان اول کے
بعد دوسری اشیا کے ذرائع سے ہوتے نظر آتے ہیں وہ فی الحقیقت اُسی مفوضہ قوت کی
وجہ سے ہوتے ہیں جو منجانب صانع عالم پہلے ارکان اول کو اور اس کے بعد ارکان اول سے
درجہ بدرجہ دوسری اشیا کو موافق اُس قانون قدرت کے جو اُن کے واسطے قرار دیا گیا ہی
حاصل ہوتی ہی کسی رکن عالم کی یہ مجال نہیں کہ وہ سوائے اُس خاصیت اور قوت
کے جو اُس کو منجانب خالق عنایت ہوئی ہی کوئی دوسری خاصیت یا قوت ظاہر
کر سکے یا اپنی مفوضہ قوت و خاصیت کو کسی دوسرے رکن عالم سے بدل سکے ہر ایک
رکن عالم پابند ہی کہ جس کو جس قدر قوت اور جیسی خاصیت دی گئی ہی وہ اُس کو اُسی طریقہ
سے کام میں لاتا رہے جو صانع عالم کا منشا ہی اُس علیم و قدیر نے جو ہمارا اور سب عالم
کا صانع ہی ہم نادانوں کی ہدایت کے واسطے اپنی مخلوق میں بھی بعض صفات ایسی عنایت
فرمائی ہیں جن کے عمل میں آنے سے ایسی مثالیں پیدا ہوتی ہیں جن سے اکثر شکوک اور
خیالات باطلہ رفع ہو سکتے ہیں مثلاً انسانوں کو ارادی اور عقلی قوت عنایت ہوئی ہے
جس کی بدولت ہم اپنی ذاتی قوت سے دوسری اشیا میں تصرف کر سکتے ہیں اور کام
لے سکتے ہیں اور بقدر امکان دوسری اشیا میں ایسا طبعی اثر بھی پیدا کر سکتے ہیں جس کے
پیدا کر دینے کے بعد ہمارا پیدا کیا ہوا اثر مدت تک قایم رہے وہ اشیا ہمارے مفوضہ اثر کو لئے
رہیں اور جب اُس اثر کو کام میں لانے کی ضرورت ہو تو وہ اشیا اُسی وقت ظاہر کریں
مثلاً شورہ ۔ گندھک اور کوئلہ ملا کر ہم باروت تیار کریں جس سے ہمارا یہ مطلب ہو کہ سخت

موقعوں پر اُس سے خاص قوت کا کام لیا جائے تو اِس میں شک نہیں کہ درستی سے
تیار ہو جانے کے بعد اگرچہ ہمارا ہاتھ اُس سے جدا ہو گیا مگر اب باروت ہر وقت تیار ہے
کہ اُس سے جب چاہو قلعہ اُڑا دو یا توپ داغ کر دشمنوں کو ہلاک کرو ظاہر ہے کہ اُن
اجزائے ثلاثہ کو ترکیب پانے سے پہلے جداگانہ طور پر یہ قوت حاصل نہ تھی اس قوت
کا پیدا کرنا ہمارے ہاتھ اور دماغ کا نتیجہ ہے ایسی حالت میں باروت کی قوت کو دیکھنے
والا اگر یہ کہے کہ یہ فعل جو باروت سے ہوا کسی صاحب علم و ارادہ کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے
باروت میں خود بخود تھا تو کیا یہ کہنا اُس کا درست تسلیم کرنے کے قابل ہو سکتا ہے
علیٰ ہذا القیاس گھڑی بنانے والے کاریگر ہزاروں گھڑیاں بنا کر فروخت کرتے ہیں
اُن میں ہر ایک گھڑی خواہ وہ کسی کے جیب میں ہو یا میز پر ہو اپنی اُس معینہ رفتار سے جو
کاریگر نے اُس میں رکھی ہے برابر کام دیتی رہے گی ایسی حالت میں گھڑی کی سوئیوں کو خود بخود
چلتا ہوا دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ گھڑی کی رفتار گھڑی کا طبعی فعل ہے کسی صاحب علم و ارادہ کا
پیدا کیا ہوا نہیں بلکہ ہر شخص اس کو کاریگر سے منسوب کریگا میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ یہ کل اشیا
صرف وہ محدود اثر ظاہر کر سکتے ہیں جو اُن میں بحکم اُن کے خالق کے رکھا گیا یا اُن تحریکوں اور
اثروں سے متاثر ہو سکتے ہیں جو دوسرے اشیا اُن کے متصل یا منفصل ہونے کے وقت اُن پر
ڈالیں مگر اُسی مناسبت اور اُسی اندازہ کے ساتھ وہ دوسری اشیا میں مؤثر یا دوسری
اشیا سے متاثر ہو سکیں گی جو مناسبت اور اندازہ مجوز حقیقی نے اُن کے واسطے تجویز کیا۔
میں یہ امر بطور کلیہ کے تسلیم کرتا ہوں کہ کائنات میں کوئی ایک شے بھی عام اس سے
کہ وہ کتنی ہی چھوٹی یا کیسی ہی بڑی ہو ذی روح ہو یا غیر ذی روح ہو بسیط ہو یا مرکب ہو
غرض کیسی ہی ہو وہ ضرور کسی غرض کے واسطے پیدا کی گئی ہے اور اُس کا وجود کسی نہ کسی
غرض کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے عالم میں کوئی شے بیکار نہیں پیدا کی گئی جب کہ یہ کلیہ مسلّم
ہے تو اس کے ساتھ ہی ماننا لازم ہے کہ ہر ایک شے کی جو حالت قایم کی گئی وہ سوچ سمجھ کر

حصول اغراض خاص کے واسطے قائم کی گئی ہے چونکہ عالم میں اشیا غیر تمناہی ہیں یا یوں کہو کہ وہ اپنی تعداد میں ممکن ہے تمناہی ہوں مگر ہماری عقل اُن کی تعداد کا تصور نہیں کر سکتی اور اُن میں ایک شئے بھی دوسری شئے سے بتمامہ یکساں اور مشابہ نہیں تو اِس سے سمجھ میں آتا ہے کہ مختلف اشیا پیدا کر کے اُن کو مختلف خواص و آثار عنایت کرنا ایک ایسے قادر و علیم کا کام ہے جو اپنے ارادہ و مرضی میں خود مختار ہے نیچر کی طرح کسی قاعدہ اور قانون کا پابند ہو کر افعال محدود اور مقررہ کرنے تک مجبور نہیں تمام وہ قوتیں جن سے انتظام عالم کا تعلق ہے اپنی اپنی خدمات کی بجا آوری میں ہر وقت سرگرم کار ہیں جس طرح چھوٹی چیزیں اور چھوٹے ذی روح پیدا ہوتے ہوئے اور فنا ہوتے ہوئے ہم کو نظر آتے ہیں اُسی طرح غیر متناہی عرصہ عالم میں ہر وقت بڑے بڑے کرات اور کواکب اور اجسام عظیم پیدا ہوتے اور بڑھتے اور گھٹتے اور فنا ہوتے رہتے ہیں ایک وقت میں اُن کے پیدا ہونے کے واسطے وہ ارکان اور اشیا جن سے اُن کے پیدا ہونے کا تعلق ہوتا ہے اُن کے پیدا ہونے کی ضروریات کا اہتمام کرتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ ارکان و اشیا جن سے اُن کے زوال اور فنا کا تعلق ہوتا ہے اپنے کاموں میں سرگرم ہو کر اُن کے زوال اور فنا کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اُن اجسام عظیمہ کے ساتھ نہ اُن ارکان اور اشیا کو کوئی ذاتی محبت تھی جن کی کوشش سے پیدا ہونے اور بڑھنے کی نوبت آئی اور نہ اُن ارکان یا اشیا کو ان اجسام عظیمہ کے ساتھ کوئی عداوت تھی جو زوال اور فنا کے درپے ہوئے۔ اسی زمین پر جب بہار کا موسم شروع ہوتا ہے چمنوں میں نہالان چمن سرسبز ہوتے ہیں پھول کھلتے ہیں۔ جب خزاں آتی ہے وہ تمام رونق جاتی رہتی ہے حالانکہ نہ بہار کے موسم کو چمنوں سے کوئی محبت ہے نہ خزاں کو کوئی عداوت بلکہ اُس علیم و قدیر کی منشا کی تعمیل میں یہ سب کچھ ہوتا ہے جو ازلی ابدی اور اپنے احکام کے نفاذ میں قادر ہے۔

جواب نمبر دوم

دوسرے نمبر پر یہ بیان ہوا ہی کہ اشیائے عالم کی پیدائش اور بقا و فنا کے متعلق جو قوتیں اپنا عمل کرتی ہیں وہ لا آف نیچر یعنی قانون قدرت کی تحریکوں کے مطابق عمل کرتی ہیں۔ قانون قدرت کے خلاف کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس بیان سے کیا حضرت کا یہ منشا ہی کہ جو قوتیں عالم کی پیدائش کے متعلق اپنا عمل کرتی ہیں ان کے واسطے کوئی قانون قدرت نہ ہونا چاہئے تھا اگر کوئی قانون قدرت نہ ہوتا اور محض بے ڈھنگی طور پر کار عالم چلتا تب یہ امر تسلیم کرنے کے لائق ہوتا کہ کوئی خدا اور متصرف اور مافوق العادت ذات موجود ہے کیونکہ اُن کے خیال میں بے ڈھنگے طور پر کام چلانا اُس کا کام ہوتا اور اب جو باقاعدہ طور پر قانون قدرت کی مطابق کام ہو رہا ہی اُن کے نزدیک یہ دلیل اس امر کی ہی کہ کوئی مجوز اور منتظم اور متصرف نہیں بلکہ خود بخود انتظام قدرت قایم ہی۔

جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اس امر کو بطور کلیہ کے پاتا ہوں کہ عالم میں تمام اشیائے ممکنہ صانع قدیر کی بنائی ہوئی اور پیدا کی ہوئی ہیں۔ ایک شے بھی ایسی نہیں جو نہ بنائی گئی ہو۔ اول اس وجہ سے کہ عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جو اپنے جسم یا وجود میں کم یا زیادہ اجزا نہ رکھتی ہو۔ عام اس سے کہ وہ اجزا کثیف ہوں یا لطیف یا الطف مگر اجزا کا ہونا ضروری ہے۔ پھر جو شے ایک ہی قسم کے اجزا رکھتی ہو وہ بسیط کہلاتی ہے۔ اور جس میں ایک سے زیادہ قسم کے اجزا ہوں اُس کا نام مرکب ہوتا ہی لیکن بہر حال کوئی شے ایک قسم کے اجزا رکھتی ہو یا ایک سے زیادہ قسم کے ہر ایک حالت میں ہر ایک شے کی حالت دیکھ کر پایا جاتا ہی کہ اجزائے خاص کو خلق کرنا اور مجتمع کرنا یا ایک سے زیادہ اجزا کو خلق کر کے مرکب کرنا کسی منتظم قدیر کا خاص فعل ہے اور کسی خاص غرض سے ہی۔

دوم اس وجہ سے کہ ہم اشیائے عالم کو خاص خاص وقتوں پر حالتیں بدلتے دیکھتے ہیں

اگر خالق الاشیاء اور منتظم عالم کوئی نہ ہوتا تو کسی شے کی حالت میں تغیر نہ ہو سکتا۔ پس عالم میں قانونِ قدرت کی تحریکوں کے مطابق اجرائے کار ہونا تو قطعی دلیل اس بات کی ہے کہ قانون قدرت کا مقنن اور مجوز ضرور موجود ہے۔ اس سے یہ اُلٹا استدلال کس بنا پر کیا جاتا ہے کہ قانونِ قدرت کی تحریکوں کے موافق کام ہوتا ہے تو کوئی مقنن اور مجوز اور مافوق العادت ذات نہیں ہے۔

جواب نمبر سوم و چہارم

تیسرے نمبر پر بیان ہوا ہے کہ انسانوں نے طوفان اور سکون اشجار اور انسانی خوشی اور مصیبت سے نتیجہ نکال کر اپنا ایک خدا قرار دے لیا لیکن سائنس کی رو سے یہ خیال پوچ ہے۔ سوائے نیچر کے اور کوئی قوت دنیا میں کام کرتی معلوم نہیں ہوتی۔

اور چوتھے نمبر پر کہا گیا ہے کہ بعض کا قول ہے کہ علت العلل ضرور کوئی شے ہے اور یہ قانون قدرت اُسی کی طرف سے ایجاد ہوتے ہیں۔ قانون مرتب ہونے کے بعد بھی وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے مگر علم طبعیات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قوانین نیچر کبھی نہیں بدل سکتے علمِ طبقات الارض۔ علمِ ہیئت۔ علمِ کیمیا نیچرل فلسفہ۔ علمِ نباتات۔ علمِ حیوانات کی رو سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ مافوق العادت قوت معاملات نیچر میں دست اندازی کرتی ہے۔

واضح ہو کہ تیسرے نمبر میں حضرت منکر نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اُن کا ذاتی خیال بغیر پیش کرنے کسی وجہ کے ہے ایسی حالت میں جو دعوے بدون دلیل کے ہو اُس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں چوتھے نمبر کے متعلق میں جو کچھ جواب دینا چاہتا ہوں وہ تیسرے نمبر کا بھی جواب قرار پا سکے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ علم طبعیات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قوانین نیچر کبھی نہیں بدلتے۔ علمِ طبقات الارض علم کیمیا۔ علم ہیئت۔ نیچرل فلسفہ۔ علم نباتات۔ علمِ حیوانات کی رو سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ مافوق العادت ذات معاملات نیچر میں دست اندازی کرتی ہے۔ میں اس کے جواب میں

افسوس کے ساتھ یہ خیال کرتا ہوں کہ منکر صاحب کے قیاس اور خیال میں اس قدر تنگی ہی کہ وہ ذرا بھی وسعت کے ساتھ حقیقت عقہ کی تلاش نہیں کرتے ورنہ ان کو ہر قدم پر نظر آتا کہ طبعی اشیا اگرچہ بذات خاص اپنا مفوضہ اثر اپنے اختیار سے چھوڑ دینے کی خود قدرت نہیں رکھتے لیکن مافوق العادت ذات کے ارادہ اور حکم سے اُن میں وقتاً فوقتاً امتیازات اور تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ ہم مثال کے طور پر عام حیوانات ہی کو اول لیتے ہیں۔ واضح ہو کہ جنس حیوانات میں جس نوع کے افراد کو چاہو۔ دیکھو اس کا ہر ایک فرد اُس نیچرل اثر یا طبعی اثر کی وجہ سے جو قادر ذوالجلال نے اُس کی نوع کے واسطے مخصوص کیا ہے اپنی ساخت اور اعضا میں مثل اپنی دوسری افراد کے ہوتا ہے۔ یا یوں کہو کہ اُس کو ہونا چاہئے لیکن ہر ایک فرد رنگ اور صورت اور عمر و خواص میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے یکساں نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں اُن کی حالتوں کا باہم متفاوت ہونا مافوق العادت ذات کے حکم اور مرضی سے نہیں ہی تو کیوں ایسا ہوتا ہی کیونکہ نیچرل اثر یا طبعی اثر کا اقتضا تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ تمام افراد کو بالکل یکساں طریقہ پر ایک ہی صورت ایک ہی وزن ایک ہی رنگ ایک ہی حالت پر پیدا کرکے ایک ہی عمر تک قایم رکھے حالانکہ ایسا نہیں ہے اِس کا جواب منکر صاحب شاید یہ دیں گے کہ افراد حیوانی کی نوع کا نیچر تو یہی چاہتا ہے کہ سب افراد کو ہر ایک طریقے سے یکساں حالت پر قایم رکھے لیکن دوسرے اسباب واشیا کے مانع اور مزاحم ہونے اور تصرف کرنے کی وجہ سے اُس یکساں ہونے کی حالت کی تکمیل نہیں ہو پاتی اگر دوسرے اسباب اور اشیا اپنے اثروں کو نہ پہونچائیں تو بے شک سب افراد نوع حیوانی اپنی ہر ایک حالت میں یکساں ہوں تو اُس کے متعلق یہ بیان ہو سکتا ہے کہ افراد حیوانی کے نیچر کا عجز تو ثابت ہو چکا کہ وہ اپنے نوع کے افراد کو اپنی مرضی کے مطابق یکساں قایم نہیں رکھ سکتا۔ دوسرے اسباب اور اشیا سے متاثر ہوتا ہے الا یہاں یہ امر خود

ثابت ہو گیا کہ سوائے نیچر کے کوئی اور منتظم علیم و قدیر ہے جس کے حکم سے وہ اسباب پیدا ہوتے ہیں جو نیچر کے فعل کو یکساں ہونے سے باز رکھتے ہیں۔ شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ جو دوسرے اسباب اور اشیا موثر ہوتے ہیں اُن کا محرک بھی نیچر ہے تو میں جواب میں کہہ سکتا ہوں کہ اس امر کے تسلیم کرتے ہی اصلی حقیقت نیچر کی قلعی کھلتی ہے یعنی یہ کہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ نیچر بالذات کوئی جدا گانہ ایسی شئے نہیں ہے جو خالق عالم یا منتظم عالم ہو بلکہ بذات خاص ایسی شئے بھی نہیں ہے کہ الگ تھلگ ہونے کی حالت میں اپنے علم اور اپنے اختیار سے سب اشیائے عالم کو فیض پہونچانے کی ذمہ داری لے سکے وہ تو جدا گانہ طور پر ایسی شئے بھی نہیں ہے کہ اشیا سے جدا طور پر اس کا وجود کہیں پایا گیا ہو نیچر تو ہر مادی شئے کی طبیعت کا نام ہے اور اس اعتبار پر عالم میں جس قدر اشیا مخلوق ہوئی ہیں یا ہوتی ہیں اُسی قدر طبائع اُن کے ساتھ مخلوق ہوتی ہیں۔ یہ عملدرآمد ہم چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی شئے کے ساتھ ہمیشہ پاتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح ہر شئے مخلوق ہے اُسی طرح ہر شئے کا نیچر مخلوق ہے۔ اب ہم اس مسئلہ کو ذرا دوسرے طرز سے بیان کرتے ہیں تاکہ اور صاف ہو جائے معتقدانِ نیچر نے جو ذات نیچر کو موثر فی العالم خیال کر کے اُسی کو سب کچھ مان لینے کا دھوکا کھایا ہے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خالق عالم نے جو تمام اشیائے عالم کو پیدا کر کے ہر شئے کے واسطے ایک خاص طبیعت پیدا کی اور اشیا کے وصل وفصل پر اُن کے اثروں کے اظہار کو منحصر فرمایا اور اسی طرح ہونے لگا تو کم سمجھ لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ جب کہ ہم ہر ایک کام اشیا کی نیچرل قوت سے ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو وہی خالقِ عالم اور منتظم عالم بھی ہے یا ہو گی حالانکہ یہ نہ سمجھے کہ ہر ایک شئے اور اُس کا نیچر صرف اُس حد تک جو اُس کے واسطے قرار دی گئی ہے اُس طریقہ کی پابندی کے ساتھ جو اُس کے واسطے مقرر ہے ایک خاص مدت تک جو اُس کے واسطے مقرر ہے ادائے خدمت کرتا ہے ایک

نباتات کے افراد اپنی حالتوں میں ایک دوسرے سے اُسی طرح مختلف الحالت ہیں جس طرح جنس حیوانات میں اُس کے افراد مختلف الحالت ہیں یعنی ہر ایک کی جنس میں جس قدر نوعیں ہیں وہ نوعیں باہم متفق الحالت نہیں ایک نوع کی افراد دوسرے نوع کی افراد سے بالکل جداگانہ صورت جُدا رنگ جدی ترکیب جسمانی رکھتے ہیں اور ہر ایک نوع میں اُس کا ہر ایک فرد اپنی حالت میں ایسی خصوصیت خاص رکھتا ہے کہ اُس کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے افراد نوع سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ہر ایک جنس اور ہر ایک نوع کی افراد کو خاص طبیعت اور خاص نیچرل حالت دنیا اور اپنی مرضی اور ارادہ سے اُن میں باہم موثر اور متاثر ہونے کی حالتیں قایم کرنا اور باوصف باہمی اختلاف کے اُن میں باہم متصل اور منفصل ہونے کے واسطے حدود قایم کرنا اور اس سب کچھ کرنے سے ایک عجیب بے مثل انتظام عالم قائم کرنا اگر اُس قدیر ازلی ابدی جلّ جلالہٗ کے تصرفات نہیں تو پھر کیا ہے یہ بات ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ نیچر کی توصیف میں چاہے جتنا مبالغہ کیا جائے لیکن ہر ایک صورت میں وہ اس قید سے آزاد کہیں نہیں ہے کہ وہ جہاں پایا جاتا ہے قاعدہ کا پابند اور اس پابندی کی تعمیل میں مجبور پایا جاتا ہے پھر جو شے اپنی حالت میں خاص صفات اور خاص افعال کی پابند ہو نیز وہ دوسری اشیا کے متصل ہونے سے اُن کے اثر سے متاثر ہو کر اپنی صفات حاصلہ کو کلًا یا جزءً ترک کردے یا اپنی حالت متغیر ہو جانے دے تو وہ سوائے اس کے کہ ایک محکوم اور مجبور شے کے نام سے تعبیر کی جائے وہ قادر اور منتظم شے نہیں مانی جا سکتی۔ دیکھو مثلاً ہوا ہے اس سے عالم کی جن ضروریات کا روا کرنا خداوند کو مقصود تھا انھیں ضروریات کے روا ہونے کی مناسبت کے ساتھ ہوا کو نیچر یا طبیعت جو کچھ اُس کا نام لیا جائے عنایت ہوا وہ اُنھیں طریقوں کے ساتھ دوسری اشیا میں اثر پیدا کرتی ہے اور اُنھیں طریقوں کے ساتھ پابندی کرتی ہوئی دوسری اشیا کے اثر کو قبول کرتی ہے جو طریقے اس کے واسطے مخصوص کئے گئے ہیں جن اشیا کو اس سے مدد یا قوت یا غذا پہونچنا قرار دیا گیا ہے وہ اشیا اس کے اتصال سے اپنی مطلوبہ ضرورتیں حاصل کرتی ہیں اور

جن اشیا سے اس کو خود کچھ حاصل کرنے کی ضرورت ہو وہ اُن اشیا کے اتصال سے یہ خود حاصل کرتی ہو اور ہر ایک ایسے فعل پر اُس کی اصلی حالت میں ایک قسم کا تغیر پیدا ہوتا ہو اور اس میں وہ مجبور ہے یہ امر بھی قابل بیان ہو کہ وہ اشیا جن سے ہوا کو یا جن کو ہوا سے موثر یا متاثر ہونے کا تعلق ہے اگرچہ کثیر ہوں مگر محدود ہیں نامحدود نہیں ہیں اور اُن کے سوا غیر متناہی اشیا ایسی ہیں جن کو ہوا سے اور ہوا کو اُن سے کوئی تعلق نہیں ہوا کی حالت خود ایسی ہو کہ وہ کہیں لطیف اور کہیں الطف کہیں کثیف اور کہیں اکثف ہو وہ خود یہ اختیار نہیں رکھتی کہ اپنی حالت ہر جگہ یکساں قائم رکھ سکے۔ یہی حالت پانی کی ہے کہ وہ جن ضرورتوں کے واسطے خلق کیا گیا ہو اُس کو اُن ضرورتوں کے واسطے خلق کے مطابق طبیعت دی گئی ہے۔ جن اشیا سے اُس کا تعلق باعتبار موثر ہونے یا اثر قبول کرنے کے ہو وہ اُسی طریقہ کے ساتھ اُس کی تعمیل میں مجبور رہے نیز پانی کی تعداد گو وہ کیسی ہی کثیر ہو مگر محدود ہی اُس کا ایک ایک قطرہ اور قطرہ کا چھوٹے سے چھوٹا جزو علم الٰہی میں گنا ہوا ہے وہ غیر متناہی اور نامحدود نہیں ہے۔ یہی حالت آگ اور خاک اور روشنی اور دوسری اشیا کی ہے یہی کواکب اور کرات کی ہے غرض ہر ایک شئے عام اس سے کہ وہ بسیط ہو یا مرکب عظیم ہو یا صغیر اپنی حالت میں باعتبار کمیت وکیفیت وخواص وآثار وعمر کے محدود اور مفوضہ خواص کے اظہار پر مجبور اور کسی غرض کے واسطے اور کسی خاص وقت تک موجود ہے غیر محدود نہیں ازلی ابدی نہیں۔

جواب امر پنجم

پانچویں نمبر پر یہ بیان ہوا ہے کہ بعض یقین کرتے ہیں کہ موسموں کی تغیر وتبدل اور امراض کے حدوث میں مافوق العادت ذات کا دخل ہے اور اسی وجہ سے مینہ برسنے اور امراض کے دفعیہ کے واسطے مافوق العادت ذات سے دعائیں مانگی جاتی ہیں لیکن اُن کو کبھی یہ خیال نہیں

اَمتاکہ خدا سے کبھی ایک مکان کے خود بخود تیار ہوجانے کی دعا کریں یا کسی لاینحل مسئلہ ریاضی کے حل ہونے کی دعا کریں۔ اس قسم کی دعائیں جھوٹی بلاثبوت بنیادوں پر مبنی ہیں۔ واضح ہو کہ حضرت منکر اگر ذرا غور کریں تو اُن کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ موسموں میں جو تغیر پیدا ہوتا ہے وہ کبھی خود بخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ اشیا جن کو تعلق موسموں سے ہے وہ ہر ایک موسم کے آغاز پر یا ہر وقت اُس مقدار اور اُس طریقے سے باہم موثر اور متاثر ہوتے ہیں جس مقدار اور جس طریقہ کی تحریک اُن میں منجانب قدرت پیدا ہوتی ہے اور اشیا کے باہم موثر اور متاثر ہونے سے وہی نتائج پیدا ہوتے ہیں جو قدرت کو منظور رہوتے ہیں ایسی حالت میں موسموں کے تغیر تبدل میں مافوق العادت ذات کا دخل ہے تو یہ تغیر و تبدل کیوں واقع ہوتا ہے۔ اگر مافوق العادت ذات کا دخل نہ ہوتا تو مختلف اشیا میں مختلف اثر کیونکر پیدا ہوتے اور اگر اشیا اور اُن کے آثار کو پیدا کر دینے کے بعد مافوق العادت ذات اپنے تصرفات روک لیتے تو وہ اشیا جن سے موسموں کا تعلق ہے صرف معینہ اثر بدوں کسی کمی بیشی کے یکساں ظاہر کرتیں اور اُس صورت میں ہر ایک موسم ہمیشہ یکساں حالت میں رہتے حال آنکہ ایسا نہیں ہے اگر یہ کہا جائے کہ موسمی اشیا میں دوسری اشیا کا اثر پڑنے سے تغیر و تبدل ہوتا ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس خیال کو چاہے جتنی دور تک لے جاؤ مگر انجام کار یہی ماننا لازم آویگا کہ جو شے نیچرل قیود میں جکڑی ہوئی ہے وہ صرف معینہ اثر ظاہر کرنے کی پابند ہے وہ یا تو وہ اثر ظاہر کریگی جو اُس میں پہلے سے رکھا گیا ہے یا اُس تحریک سے متاثر ہوگی جو اُس میں بالفعل پیدا کی گئی ہو لیکن اُس میں یہ استعداد ہرگز نہیں کہ وہ از خود اپنے معینہ اثر کے ظاہر کرنے میں اپنے امداد دے سے کمی بیشی کر سکے یا اپنی جانب سے تغیر و تبدل کی تحریک کر سکے یا ہر ایک وہ شے جو اپنی حالت اور اپنے خواص اور آثار میں محدود ہے وہ مخلوق ہے اور اُس کی قوت اور خواص اور آثار جو کچھ اُس میں ہیں وہ سب منجانب خالق مفوضہ ہیں ذاتی نہیں ہیں سوائے ذات باری جل جلالہٗ کے عالم میں تمام اشیا محدود اور مخلوق اور اُن کے قوے اور خواص و آثار سب مفوضہ ہیں۔ ایسی حالت میں اشیاے

عالم سے جو خواص و آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اُسی مفوضہ قوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہیں جو اُن اشیا کو دی گئی ہے اور اُن اشیا کے باہم مؤثر و متاثر ہونے پر وہی تغیر و تبدل پیدا ہوتے ہیں، یا ہو سکتے ہیں جن کے پیدا ہونے کے واسطے خالق عالم نے وہ استعداد ان میں رکھی ہے ایسی حالت میں معتقدان نیچر یہ کس بنا پر سمجھتے ہیں کہ موسموں کے تغیر و تبدل میں کسی مافوق العادت ذات کو دخل نہیں ہو اب ہم منکر صاحب کے اس خیال کی غلطی پر بحث کرتے ہیں جس میں وہ دعا کی بابت اعتراض کرتے ہیں اور مضحکہ کے طور پر کہتے ہیں کہ خدا سے کوئی مکان خود بخود تیار ہو جانے یا کسی مسئلہ ریاضی کے خود بخود حل ہونے کی دعا کیوں نہیں مانگی جاتی معلوم ہوتا ہے کہ منکر صاحب طریق دعا کی حقیقت کو بالکل نہیں سمجھے وہ جاہلوں کی طرح دعا صرف اُن الفاظ کو سمجھتے ہیں جو دعا مانگنے والے اپنی ضرورتوں کے وقت اپنی زبان سے کہتے ہیں واضح ہو کہ خداوند نے دنیا کو عالم اسباب پیدا کیا ہے زمین پر جو ذی روح پیدا کیے گئے ہیں اُن میں جن ضرورتوں کی استعداد رکھی گئی ہے اُن ضرورتوں کے روا ہونے کیواسطے مختلف سامان بھی مہیا کیے ہیں اور اُن سامانوں کے حصول کے ذرائع بھی پیدا کیے ہیں پس جو ذی روح اپنی ضرورتوں کے روا ہونے کے سامانوں کی تلاش اُن مقررہ ذرائع سے کرتے ہیں وہ اپنی خواہش اور قوت اور علم کی مناسبت کے ساتھ کامیاب اکثر ہوتے ہیں اور جو اُن ذریعوں کو ترک کرتے ہیں وہ ناکام رہتے ہیں ذی روحوں کے مقاصد کے حصول کے واسطے جس طرح دنیا میں دوسرے ذرائع ہیں اُن ذریعوں میں ذی عقول کے واسطے دعا بھی ایک ذریعہ ہے اگر طالب اپنے مقصد کے حصول کے واسطے حقیقی ذریعہ کی تلاش کریگا اور اُن موانع پر غالب آئیگا جو دوران کوشش میں پیش آویں تو اپنے مقصد میں بقدر کوشش کامیاب ہوگا اور اگر ذرائع کی تلاش میں غلطی کریگا یا کسی مقصد کے حصول کی کوشش میں حقیقی ذریعہ کو چھوڑ کر دوسرا ذریعہ اختیار کرے گا یا کوشش میں کمی رہے گی یا جو موانع پیش آویں اُن کو دور نہیں کر سکے گا یا کوشش بے ڈھنگی کرے گا

تو اُسی مناسبت سے نقصان اُٹھائے گا خداوند نے جس کے ہم سب مخلوق اور غلام ہیں ہماری ضرورتوں کے روا ہونے کے واسطے جمادات اور نباتات اور حیوانات کو پیدا کر کے ہم کو راہیں سکھلا دی ہیں کہ اِن موالید ثلاثہ ہیں سے ہماری کس ضرورت کا تعلق کس سے ہے۔ آیا اُن میں ایک سے یا زیادہ سے ہے اور کیا طریقہ اُس کے روا ہونے کا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہم کو سکھلایا ہے کہ بہت سے موقعوں پر اِن ذرائع کے ہوتے ہوئے بھی ہم کو اپنے خالق سے استمداد کرنا ضروری ہے اور اسی کا نام دعا ہے منکر صاحب کو سمجھنا چاہیے کہ مکان کے تیار ہونے کے واسطے خداوند نے ہم کو سکھایا ہے کہ ہم اول پتھر جمع کریں یا اینٹیں تیار کریں چونہ پکائیں۔ لکڑی تختے اور جو اُس کے متعلقات ہیں جمع کریں واقف کار کاریگر تلاش کریں اور مکان بنائیں یہ اشیا جن سے ہمارا مکان بن سکتا ممکن ہے خدا نے خود ہی پیدا کر دی ہیں اُن کے حصول کے طریقے تبلا دیے ہیں پھر ان چیزوں کے حصول کے واسطے باقاعدہ کوشش نہ کرنا اور صرف الفاظ دعائیہ سے اُن کا حصول چاہنا بدعقلی بھی ہے اور بے ادبی بھی ہے۔ اسی طرح کسی مسئلہ ریاضی کے حل ہونے کے واسطے اول علم ریاضی پڑھو اُس کے مسائل پر کامل غور کرو اساتذہ سے مدد لو اس پر بھی عقدہ حل نہ ہو تو بیشک خداوند سے دعا کرو اور امید رکھو کہ وہ اپنی قدرت بالغہ سے مشکل کو حل کر دے گا عام طور پر بھی جب ہم اپنے کاموں میں برکات حاصل ہونے کی دعائیں کرنا چاہیں تو اُن کاموں کے متعلقات میں کوشش کرتے ہوئے دعائیں کریں اگر ہم کو یہ خیال ہو کہ جب کاموں کے متعلقات کو ہم نے درست کر لیا تو پھر دعا کی کیا ضرورت ہے تو سمجھیں کہ ہمارے کاموں کے روا ہونے کے واسطے اُن کے متعلقات کی درستی اگرچہ لازمی شرط ہے لیکن متعلقات کے درست ہو جانے کی حالت میں بھی کامیابی لازمی نہیں ہے کیونکہ عالم میں حوادث ایسے کثیر ہیں کہ اُن کی وجہ سے بڑے بڑے کاموں میں خلل پڑ جاتا ہے اور ہزاروں محنتیں برباد جاتی ہیں بعض حوادث کے روکنے کی اُس نے ہم کو قوت دی ہے اور بعض حوادث کسی کے روکے نہیں رُک سکتے ہیں

جن حوادث کو ہماری قوت رُوک سکتی ہے ان کے متعلق ہم کو اُن حوادث کے روکنے کی تدبیر بھی کرنا چاہیے اور اپنی بقاے قوت اور حوادث سے محفوظ رہنے کے لیے دعا بھی کرنا چاہیے اور جو حوادث ہم سے نہیں رُک سکتے اُن کے رکنے کیواسطے اُس خداوند سے محض دعا کرنا چاہیے خداوند سے دُعا کرنا ضروریات ذیل کے واسطے ہونا چاہیے۔

ایک یہ کہ جن مشکل کاموں کا ہم نے ارادہ کیا ہے اور اُن کے متعلقات کی درستی شروع کی ہے اُن کے روا ہونے کے واسطے متعلقات کی درستی میں پوری کوشش کرتے ہوئے ترقی قوت اور بقائے قوت اور مضر حوادث سے محفوظ رہنے کی دعا کرنا چاہیے کیا معنی مضر حوادث کا پیدا نہ ہونے دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہاں بعض حوادث سے محفوظ رہنے کی سمجھ اور قوت ہم کو حاصل ہے لیکن ہمارے اختیار میں یہ نہیں کہ ہم اپنی سمجھ اور قوت کو اپنے ارادہ اور اپنی مرضی سے بدون کسی کمی یا تغیر کے قائم رکھ سکیں۔

دوم یہ کہ ہم نے جن امور کے روا ہونے کی امید میں کوشش شروع کی ہے اُس کے متعلق یہ دعا کرنا چاہتے ہیں کہ اُن کا نتیجہ وہی ہم کو حاصل ہو جس کی آرزو ہمارے دل کو ہے اگرچہ یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ ہماری ہر ایک دعا قبول ہو لیکن ہم کو ضرورت کے موقعوں پر جب دعا کی ضرورت ہو تو اپنی ضرورت کے روا ہونے کے متعلقات کے حصول میں کوشش کرتے ہوئے ضرور دعا کرنا چاہیے یہاں یہ مثال بھی قابل بیان ہے کہ دنیا میں جب کسی شاہ وقت کی پیشی سے کسی عہدہ یا منصب یا خدمت ملنے کے واسطے کوئی امتحان یا کسی علم کا حصول یا کسی قانون کا یاد کرنا شرط قرار پاتا ہے تو اُس خدمت یا منصب یا عہدہ کے طالب کو وہ شرط پوری کر کے عطائے خدمت یا منصب کی درخواست کرنا چاہیے امتحان کی شرط کو بالائے طاق رکھ کر نادانوں کی طرح خود بخود حصول منصب کی خواہش نہیں کرنا چاہیے جب کہ یہ حال ہے تو مکان کے خود بخود تیار ہو جانے اور مسئلہ ریاضی کے خود بخود حل ہونے کی دعا کرنا ایسا ہی بے ڈھنگا طریقہ ہے جیسا امتحان کی شرط کو بالائے طاق رکھکر حصول منصب کی خواہش کرنا لغو

بات ہے غرض حصول مقاصد کے واسطے ہم کو لازم ہے کہ جس محل پر جس قسم کی کوشش کی ضرورت
ہو وہی کریں جن مقاصد کے حصول میں ہمارے دماغی یا جسمانی محنت کی ضرورت ہو وہاں دماغی
اور جسمانی محنت کرکے کامیابی حاصل کریں جہاں ظاہری ذرایع ترک کرلا علاج ہو جائیں وہاں
اُس کوشش سے کام لیں جو اُس حالت کے واسطے مقرر ہے ہم ہر شئے کو ٹھیک وہاں ڈھونڈیں
جہاں ملنے کی اُمید ہو جب نباتات کا حصول ہم کو مقصود ہو ہم نباتات کی طرف جائیں اور
وہ آلات اور ذرائع اختیار کریں جن سے ہمارے مطلوبہ نباتات ہم کو ملیں جب جمادی
اشیا سے ہمارا مطلب نکلتا ہو تو اُسی کے مناسب حالت آلات اور ذرایع بہم پہنچانے
میں کوشش کریں یہی طریقہ حیوانات کے حصول میں برتا جائے انسانوں میں جس فن کے انسانوں
سے ہمارا مطلب حاصل ہوتا ہو اُنھیں کے پاس جائیں جب کسی مرض کا علاج مقصود ہو طبیب
کے پاس جب کسی معاملہ میں انصاف چاہنا ہو مجسٹریٹ یا جج کی خدمت میں حاضر ہوں جب کوئی
معاملہ حکام کے اختیار حاصلہ سے بڑھکر ہو شاہ وقت سے رجوع کریں غرض ہماری کوشش
یہ نہ ہونا چاہیے کہ جو کام ہم ایک مزدور سے لے سکتے ہوں اُس کا حصول مجسٹریٹ سے
چاہیں یا جو کام مجسٹریٹ کے یہاں پیش کرنے کے لایق ہو وہ وہاں پیش نہ کرکے شاہ
وقت کی پیشی میں پیش کریں یا جس کام کے واسطے کوئی محنت شرط ہو وہ شرط ادا
نہ کرکے بدون شرط حصول مقصد چاہیں پس ہماری دعا باقاعدہ ہونا چاہیے اور باقاعدہ
ہونے کی حالت میں ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ ہمارا خداوند جب کہ ایسا علیم ہے کہ اُس
کے علم سے عالم کی کوئی ایک شئے پوشیدہ نہیں وہ ہماری نیت اور ہمارے دل کی ہر
ایک حرکت پر مطلع ہے وہ ایسا قادر ہے کہ تمام عالم اور اُس کی تمام اشیا اور اُن
اشیا کے تمام افعال و آثار کو جب چاہے درہم برہم کر دے جب چاہے غیر متناہی اشیا
جدید پیدا کر دے جب جس طریقہ سے چاہے اُن کے افعال و آثار کو بدل دے تو ایسی
حالت میں ایسے خداوند کے موجود ہوتے ہوئے کیا وجہ ہے کہ اپنی خاص ضرورتوں کو

وقت ہم اس سے دعا نہ کریں اور قبولیت کی امید نہ رکھیں ہرگاہ دنیا کے معمولی بادشاہوں کو یہ قدرت ہے کہ جب قانون کسی کے حق میں کوئی فیصلہ کر چکے اور کسی جج کو اس میں دست اندازی کا اختیار باقی نہ رہے تب بھی سائل شاہ وقت سے رحم کی استدعا کر سکتا ہے اور شاہِ وقت مجرم پر رحم کر سکتا ہے اور محض اپنی مرضی سے قانونی حکم کو بدل سکتا ہے تو پھر وہ خداوند اپنے اُن تمام اقتدارات کے ساتھ کیا نہیں کر سکتا وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور ہم کو اُس سے سب کچھ امید رکھنا چاہیے۔

جواب نمبر ششم

نمبر ششم میں حضرت منکر نے بیان کیا ہے کہ جوش دل جذباتِ قلب اور خیالات کے قوانین اور وہ حالتیں جن پر خوشی اور غم، نیکی اور بدی کا انحصار ہے ایسی ٹھیک اور غیر متغیر ہیں جیسے علم کیمیا صحت ضمیر کے قوانین پر نیکی یا خوشی اُسی طرح منحصر ہے جس طرح جسم کی صحت اُس کے منضبط قوانین پر موقوف ہے ایسی حالت میں یہ عقیدہ رکھنا ہمارے واسطے مضر ہے کہ مافوق العادت ذات کے وسائل سے ہمیں کوئی چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ اس بیان سے منکر صاحب نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ عجیب بیڈھنگا ہے کیا معنی جوش دل جذبات قلب اور خیالات کے قوانین اور وہ حالتیں جن پر خوشی اور غم نیکی اور بدی کا انحصار ہے اگر ٹھیک اور غیر متغیر ہوں یا صحت ضمیر کے قوانین پر نیکی یا خوشی اُسی طرح منحصر ہو جس طرح جسم کی صحت اُس کے منضبط قوانین پر موقوف ہے تو اس سے یہ خیال کرنا کیونکر لازم آتا ہے کہ ہم کو مافوق العادت ذات کے وسائل سے یہ اشیا یا اُن کا اثر سے حاصل نہیں ہوئے منکر صاحب نے کچھ بیان نہ کیا کہ جوش دل وجذبات قلب یا خیالات کے قوانین کو تجویز کرنے والا اُن کے

خیال میں کون ہے میں حیران ہوں منکر صاحب اپنے خیالات کی تائید میں ہر ایک قسم کی
خیالی تاویلات سے خداوند جلیل جل جلالہ کے وجود با جود کے انکار پر جو زور دیتے ہیں
اُس میں اُن کی خاص غرض کیا ہے کیا یہ ہے کہ اس پیرایہ میں اُن کا ذہن خداوند کے
وجود کے انکار اور اُس کے نہ ہونے پر مطمئن ہو جائے تو وہ درستی اعمال اور اصلاح
اخلاق کی قیود سے آزادی حاصل کریں کیا معنی اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ کوئی خدا نہیں
ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ ماننا لازم آئیگا کہ جزا یا سزا کا دینے والا بھی کوئی نہیں اور
ایسی حالت میں ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں جن معاصی اور معائب کے ارتکاب میں ہم کو
کوئی خوشی یا کسی قسم کی لذت مل سکتی ہو یا کوئی نفع ہم کو حاصل ہو سکتا ہو وہ بے فکری سے
کریں زیادہ سے زیادہ احتیاط صرف اس قدر کافی ہے کہ حتی الامکان اُن مادی اشیا
کی خواص پر علم حاصل کریں جن سے ہم کو کام پڑتا ہے اور اُن میں مضر اشیا کے استعمال
اور مضر اشیا کے قرب سے پرہیز کریں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ برتاؤ کرنے میں وہاں
تک پابند احتیاط رہیں جہاں تک اصول سوسائٹی کے توڑنے کے متعلق ہم کو ابنائے
جنس مطعون نہ کر سکیں یا قانون مجریہ وقت کی رو سے ہم ماخوذ نہ ہو سکیں اس کے سوا
جس کام کو ہم بدون مواخذہ کے پوشیدہ طور پر کر سکیں وہ چاہے بُرا ہو اور اُس میں کسی کی
حق تلفی ہوتی ہو یا کسی کو ایذا پہنچتی ہو مگر ہم اُس کو بے فکری سے جب چاہیں کر گزریں مگر منکر
صاحب کو یقین رکھنا چاہیے کہ خداوند اپنے تمام اقتدارات اور کامل علم کے ساتھ موجود ہے
اُس کے علم سے کسی کا کوئی فعل چاہے وہ پورے احتیاط اور پردہ کے ساتھ کیا گیا ہو مخفی
نہیں رہ سکتا ہر شخص کو اپنے ہر ایک عمل کی جزا اور سزا پانے کی اُمید کرنا چاہیے آمدم بر سر
مطلب حضرت نے جوش دل جذبات قلب اور خیالات کے قوانین کی حالتوں کو جو ناقابل تغیر
بیان کیا ہے اُن کو لازم تھا اپنے اس دعوے کے ساتھ اُن اصول قوانین کو بھی بیان کرتے
جو اُن کے ذہن میں ہیں مگر بہر حال منشا اُن کا اس بیان سے یہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح عالم

کی اشیائے محسوسہ خارجی میں نیچرل اثر اور خاص قواعد کی پابندی ہر جگہ یکساں پائی جاتی ہے اُسی طرح تمام انسانوں میں دل کے جذبات اور دماغ کے خیالات بھی ایسے یکساں ہیں کہ اُن میں کمی بیشی یا اختلاف واقع نہیں ہوتا اسی وجہ سے منکر صاحب نے اپنے خیال میں فیصلہ کر دیا ہے کہ تمام اشیائے عالم عام اس سے کہ وہ حواس سے محسوس ہوسکتی ہوں یا معلومات عقلی میں داخل ہوں یکساں طور پر سب نیچرل قوانین کی یکساں پابند ہیں جس طرح جمادات نباتات اور عناصر کے خواص پر تجربہ کرنے کے بعد حکم قطعی لگایا جا سکتا ہے کہ اُن سے ہمیشہ فلاں تحریک یا فلاں عمل کرنے پر فلاں اثر ظاہر ہوگا اُسی طرح تمام انسانوں کے جذبات اور دماغ کے خیالات ہر ایک یکساں اثر ظاہر کریں گے جس طرح ہم آگ سے روشنی اور احراق کا کام ہمیشہ یکساں طور پر لے سکتے ہیں یا جس طرح ہم مقناطیس سے لوہے کو معینہ طور پر کھینچ سکتے ہیں اُسی طرح ایک مرتبہ جس دل یا جس دماغ کا جو کچھ تجربہ ہم کو ہو چکا ہے ہمیشہ ہر ایک دل اور ہر ایک دماغ سے اسی نتیجہ کی امید کرنا چاہیئے اور ایسی حالت میں جب کہ یہ امر مسلّم ہو چکا کہ تمام اشیائے موجودۂ عالم ایسے معین اور محدود افعال رکھتی ہیں جن پر ہم سہل تجربہ سے ماہر ہوسکتے ہیں اور ان تمام اشیا کے خواص اور افعال کو تمامہ معلوم کر سکتے ہیں تو ہم خود حاکم ہیں جس شئے سے چاہیں اپنی مرضی کے مطابق کام لیں کسی غیبی قوت سے خوف کرنے کی ہم کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ جب کوئی شئے سوائے اُن معینہ افعال و آثار کے جن کو ہم معلوم کر چکے ہیں کوئی نیا فعل کر ہی نہیں سکتی تو پھر ہم کو خوف کرنے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے مگر افسوس منکر صاحب اب تک یہ بھی نہیں سمجھتے کہ قوت طبعی اور قوت ارادی دو ایسی قوتیں ہیں جن میں صاف تفاوت ہے ایسی حالت میں ان اشیا کو بھی جن میں قوت ارادی موجود ہو طبعی قوت والی اشیا کی طرح محدود اثروں کے اظہار پر یکساں مجبور سمجھنا محض غلطی ہے اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ عالم میں تمام مادّی اشیا یا مادہ اور طبعی قوت سے مرکب ہیں اور اسی وجہ سے صرف اُن افعال و آثار کے اظہار پر مجبور رہیں جو صانع نے حسب

مصلحت خود اُن میں رکھے ہیں مگر ارادی قوت جہاں جس قدر ہی وہ اپنی مصلحت اور اپنی
مرضی کے مطابق کام کرتی ہے جہاں دیکھو مادہ طبعی قوت کا محکوم پایا جاتا ہی اور طبعی قوت
ارادی قوت کی محکوم نظر آتی ہے صانع عالم نے جن اشیائے مادی کو اس غرض سے پیدا
کیا ہی کہ وہ محدود اور خاص کاموں کے واسطے مخصوص ہوں اُن کو محض طبعی قوت عنایت
ہوئی ہے وہ اشیا سوائے اُن افعال کے اظہار کے جو اُن میں رکھے گئے ہیں اپنی مرضی
سے کوئی اور فعل نہیں کر سکتیں اور ہر ایک وہ شخص جو ان کے افعال و آثار کا صحیح تجربہ کرے
حکم قطعی لگا سکتا ہی کہ ان سے ہمیشہ فلاں افعال و آثار کا اظہار ہوگا جمادات نباتات عناصر وغیرہ
اشیا جو ایسی صفات سے موصوف ہیں اسی حد میں داخل ہیں ان اشیا کا نام ہم عامل اشیا
رکھ سکتے ہیں کیونکہ یہ اشیا ان محدود اثروں کی وجہ سے جو اُن میں ہیں تعمیل حکم کے واسطے
ہر وقت موجود ہیں خالق عالم اگر مادی اشیا اور طبعی قوت کے سوا کوئی اور قوت نہ پیدا
کرتا تو عالم کے کام بالکل ناتمام حالت میں رہتے اُس خداوند قدیر نے اپنی مصلحتوں کے
موافق مادہ اور اشیائے مادی اور قوت طبعی پر حکومت کرنے اور ان میں تصرفات کرنے
کے واسطے قوت عقلی پیدا کر کے اُس کو علم اور قوت تصرف کرنے کی عنایت فرمائی یہ
عقلی قوت جس کا نام ارادی قوت بھی ہے مادی نہیں غیر مادی ہی کیونکہ قوت طبعی کی
طرح یہ افعال خاص کی پابند نہیں ہی بلکہ کسی فعل کے کرنے اور نہ کرنے اور حسب
مصلحت خود کم یا زیادہ کرنے کا اختیار رکھتی ہے وہ جس نسبت سے جس جگہ ہی اُسی نسبت
سے درستی اور آزادی اور حکومت کے ساتھ ہی۔ غرض عالم کے ابتدائے انتظام پر نظر کی جائے
یا مابعد انتظام پر نیز قدرتی انتظام پر غور کی جائے یا مخلوق کے مابعد انتظام پر ہر جگہ اجزائے مادہ
اور مادہ بمنزلہ سامان و اسباب کے اور طبعی قوت مثل عامل و خادم کے اور ارادی و عقلی قوت مانند مجوز
اور مقنن اور متصرف اور حاکم کے پائی جاتی ہی یہ بھی ظاہر ہی کہ انتظام عالم اشیا یا اجزائے اشیا کے
اجتماع اور افتراق پر منحصر ہی عالم کی کوئی مادی شے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی لطیف ہو یا الطف

جب تک اس کے اجزا فراہم نہ کئے جائیں گے نہیں بنے گی اور بن جانے کے بعد جب تک وہ اجزا متفرق نہیں کئے جائیں گے نہیں بگڑے گی جب کہ یہ کلیہ مسلم ہے تو یہ امر بھی واجب التسلیم ہو کہ کسی شے کو بنانے کے واسطے اجزائے مادہ کو اپنے مرضی اور ارادہ سے فراہم کرنا اور ایک وقت خاص پر متفرق کر دینا یا اس میں مجتمع اور متفرق ہونے کی استعداد رکھنا صرف قوت ارادی اور عقلی کا کام ہے قوت طبعی کو اس مصلحت اندیشی میں ذرا بھی دخل نہیں اولاً اشیائے عالم کے بنانے کے واسطے قدرت کی قوت ارادی نے ذرات صغار مادہ کو پیدا کیا اور پھر ان ذرات صغار مادہ کو مجتمع کر کے مفردات ابتدائی اور مرکبات ابتدائی کو بنایا پھر ان مصنوعات میں وہ استعدادیں پیدا کیں جن سے درجہ بدرجہ مصنوعات مابعد کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور خواص و آثار خاص ظاہر ہوتے رہتے ہیں بہرحال عالم میں جو اشیا نظر آتی ہیں یا محسوس ہوتی ہیں اُن میں ایک شے بھی ایسی نہیں جو اولاً بدون ارادہ صانع اول کے اور بعد میں بغیر تصرف قوت عقلی و ارادی کے بنی ہو یا بن سکتی ہو ایسی حالت میں قوت طبعی کو جس کا نام نیچر بھی ہے ایسا فاعل مختار ماننا کہ اُس کے مقابلہ میں خداوند جل جلالہٗ کے وجود باجود سے انکار کرنا لازم آتا ہو کیسا ناتمام اور ناقص خیال ہے مجھ کو یہ بھی بیان کرنا چاہیے کہ لفظ نیچر کی تعریف جن صفات کے ساتھ علمائے نیچر نے بیان کی ہے وہ صفات مادہ اور اشیائے مادی اور قوت طبعی تک محدود ہیں غیر مادی قوتیں نیچرل اثروں سے جدا اور مستثنیٰ ہیں اگر معتقدان نیچر غیر مادی قوتوں کو اپنی تنگ خیالی کی وجہ سے تسلیم نہ کرتے ہوں تو اُن کے عدم تسلیم سے حقیقت حقہ کالعدم نہیں ہو سکتی اور اگر وہ غیر مادی قوتوں کو تسلیم کرنے کی حالت میں اُن کی نسبت نیچرل اثروں کو وسیع ماننے کے اعتقاد سے یہ کہنے لگیں کہ جو صفات غیر مادی قوتوں میں موجود ہیں وہ صفات مادی اشیا سے گو جداگانہ طور کے ہوں تاہم چونکہ صفات ہیں بدیں وجہ وہ صفات

خاص ان اشیا کا نیچر ہیں اور اس بنا پر نیچر کا تصرف اُن میں بھی ہے تو میں اس کے
جواب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُنھوں نے اپنی خیالی تائید کی ضرورت سے نیچر ایک ایسی
فرضی ہستی کا نام رکھ لیا ہے جس کا وجود ہر ایک موجود شے کے ساتھ ماننا لازم آتا ہو اور
یہ اس قسم کی مثال ہے جیسے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ تمام عالم میں جہاں دیکھو وجود اور
ہستی کے تصرفات ہیں سوائے وجود اور ہستی کے کوئی دوسری متصرف شے عالم میں
موجود ہی نہیں اہل مذاہب نے غلطی سے خدا کو یا اُس کے تصرفات کو تسلیم کر لیا ہے
ظاہر ہے کہ اس قسم کی بحث کو ایک طرح سے بہت بڑی قوت حاصل ہو گی کیا معنی کوئی
شے بھی جس کا نام لیا جائے یا تصور کیا جائے یہ ناممکن ہے کہ اُس کا وجود اور اُس کی
ہستی تسلیم نہ کی جائے تصور کرنے اور نام لینے کے ساتھ ہی اُس کے وجود اور اس کی
ہستی کو ماننا لازم آئے گا لیکن فوراً عقل فیصلہ کرے گی کہ ہستی اور وجود کا لفظ اگرچہ
تمام موجودات عالم پر باعتبار اُن کے موجود ہونے کے صادق آتا ہے لیکن ہر ایک موجود
کی حالت جداگانہ ہے کوئی قوی کوئی ضعیف کوئی دیرپا کوئی کم پا کوئی ہونے اور مٹ جانے
والا کوئی قایم رہنے والا اور غور کرے گی کہ اگرچہ صانع اور مصنوع دونوں پر اپنی اپنی
حالت میں تعریف وجود اور ہستی کی صادق آتی ہے مگر مصنوع اور صانع کے وجود اور
ہستی میں بڑا فرق ہے مصنوع کی ہستی ہونے اور جاتی رہنے والی صانع کی ہستی ازلی
اور برقرار رہنے والی ہے وہ اشیا جو ممکن الوجود کے سلسلہ میں مقید ہیں دوسری
قسم کی ہیں اور ذات پاک واجب الوجود کچھ اور ہی ہے ایسی حالت میں نیچر کو جو صرف
ممکنات کے ساتھ مخلوق ہوا ہے اور صفات خاص کا پابند ہے خداوند جلیل جل جلالہ کے
مقابلہ میں متصرف ماننا اگر بدعقلی نہیں تو اور کیا ہے خداوند خداوند ہی ہے اور مخلوق
مخلوق۔ ممکن ممکن ہے اور واجب واجب۔ کسی خیال اور کسی عقیدہ سے ممکن واجب
اور واجب ممکن نہیں ہو سکتا مادہ اور اشیائے مادی اور دوسری تمام وہ اشیا

ہو کہ مخلوق ہیں مخلوق ہی رہیں گی کسی کے حسنِ ارادت سے وہ مخلوق کے سلسلے سے آزاد نہیں ہو سکتیں اور وہ خداوند جو ازلی ابدی علیم و قدیر اور خالق ہے وہ خالق ہی رہے گا اُس کے اقتدار اور اُس کے تصرفات ہمارے ناتمام عقیدہ کی وجہ سے اس پاک ذات سے جدا اور منفک نہیں ہو سکتے وہ وہی ہے جو ہے جل جلالہٗ اب میں چند اشعار پڑھتا ہوں۔

مسدّس

الٰہی دردِ دل لفظوں سے لب تک آ نہیں سکتا
عجب ڈھب کی خلش ہے چین دم بھر پا نہیں سکتا
قبائے صوت اُس کو ناطقہ پہنا نہیں سکتا
خوشی سے جی نہیں سکتا ہوں مر بھی جا نہیں سکتا
بھیانک صورتیں افسردگی کی دل دکھاتی ہیں
نہیں میں چاہتا جن کو وہ شکلیں پیش آتی ہیں

تسلی کون دے کس کو غرض ہے خستہ حالوں کی
ہکموں کی ہوسناکوں کی درد بھرنے والوں کی
شکستوں کی پریشاں خاطروں کی پائمالوں کی
تحقیقوں کی سیہ کاروں کی آشفتہ خیالوں کی
گئے گزرے ہوؤں کے زخم کو مرہم نہیں ملتا
جگر کا درد بٹوا لینے کو ہمدم نہیں ملتا

بھٹکتا پھر رہا ہوں دشتِ غم میں بےکس و تنہا
جدا ہونے پہ مائل مجھ سے ہے سایہ تلک میرا
نگاہِ یاس میں تاریک ہے دنیا و ما فیہا
اب اس مایوس حالت میں بتا ڈھونڈوں میں کس کا

سمک سے تا سما فریاد رس کی جستجو میں ہیں
پلی پڑتی ہیں امیدیں تڑپتی آرزوئیں ہیں

تنِ مجروح ضبطِ درد کی طاقت نہیں رکھتا
ارادے تھک گئے کرنے کی کچھ ہمت نہیں رکھتا

دلِ وارفتہ عرضِ حال کی قوت نہیں رکھتا
مری افسردہ صورت سے کوئی الفت نہیں رکھتا

اُمنگوں میں ہوس باقی نہ تن میں جوش باقی ہی
یدو پا میں توانائی نہ سر میں ہوش باقی ہی

غرض کچھ بن نہیں پڑتا پریشانی سی رہتی ہے
محیطِ دیدۂ پرنم میں طغیانی سی رہتی ہے

امید و یاس کے جھگڑے میں حیرانی سی رہتی ہے
کبھی کچھ سوچ کر ہر دم پشیمانی سی رہتی ہے

اسی نامطمئن حالت میں تیرے در پہ آیا ہوں
دلِ مایوس کو کھینچے ہوئے ہمراہ لایا ہوں

نگاہِ رحم سے دیکھ اور وہ کر جو سب سے بہتر ہو
مجھے مطلب نہیں اس سے وہ کیا ہو اور کیونکر ہو

نیا ہو حکم یا پہلے سے قسمت میں مقدر ہو
یہاں مجھ سا طلبگار اور تجھ سا بندہ پرور ہو

وہاں گفت و شنید و این و آں چون و چرا کیسی
ادب سے بڑھ کے سرگرمی حضورِ کبریا کیسی

سوا تیرے کسی کی کیوں ترے سائل کو پروا ہو
کوئی اُس وقت دیکھے جب ترے ابوابِ کرم وا ہو

وہ کیا ہی جو ترے بندوں کو تجھ سے مل نہ سکتا ہو
کہ واں بسیار بخشی ہو یہاں جوشِ تمنا ہو

دیا جائے سبھی کچھ مجھ کو اور میں پھر لیے جاؤں
ادائے شکر کرتا جاؤں اور خواہش کیے جاؤں

تری قدرت ہر اک ساعت عجب صنعت دکھاتی ہی
کہیں پر وہ نئی بنیاد کا پتھر جماتی ہی

نئے سامان کرتی ہے نئے عالم بناتی ہی
کہیں تعمیر کرتی ہے کہیں کمرے سجاتی ہی

کہیں ایزاد کرتی ہے کہیں تخفیف کرتی ہے
جدا قانون ہر اک کے لئے تصنیف کرتی ہے

نئے عالم کو دیتی ہے نیا نیچر نئی فطرت
نرالے حس انوکھا علم طرفہ فن نئی حکمت
نئی قوت نئی ہمت نئی شوکت نئی عظمت
نئی مخلوق طرز نو نئی رسمیں نئی عادت

وہی ہوتا ہے جو جس کے لئے طرز عمل ڈالے
وہی مختار ہے جس وقت جو چاہے بدل ڈالے

نہ وہ عاجز بدلنے میں نہ کم ہمت بنانے میں
نہ اندیشہ گھٹانے میں نہ کچھ مشکل بڑھانے میں
نہ قایم رکھنے میں حیراں نہ درماندہ مٹانے میں
ارادہ ہوتے ہی سب کچھ ہے اس کے کارخانے میں

نہیں اسباب پر موقوف ہرگز اہتمام اس جا
فقط آہنگ قدرت سے ہوا کرتا ہے کام اس جا

تری قدرت کی حد یارب نہیں ممکن کوئی پائے
کسی کی کیا حقیقت ہے کہاں ڈھونڈھنے کہاں جائے
سمند فکر کو کیسے ہی چالاکی سے دوڑائے
کروڑوں سال میدان خلا میں ٹھوکریں کھائے

یہ وہ ابجد ہے جس میں لفظ پایاں آ نہیں سکتا
یہ وہ مشکل معما ہے کہ پایا جا نہیں سکتا

ہوں گرم عزم اگر ہم بہر سیر گلشن عالم
ازل سے تا ابد کوشش میں سرگرمی رہے ہردم
چلیں ہر پل میں لاکھوں میل لاکھوں سال تک پیہم
مگر ممکن نہیں حد تک کسی شی کی بھی پہونچیں ہم

تری خلقت کی کوئی شخص غایت پا نہیں سکتا
بدایت پا نہیں سکتا نہایت پا نہیں سکتا

تو ایسا ہے تری مدحت میں یارب کیا کہے کوئی
مقدس اور مطہر پاک اور اعلےٰ کہے کوئی
جو ہوں تشبیہ کی فکریں تو کس جیسا کہے کوئی
تری شان اس سے اعلیٰ تو ہے یارب کیا کہے کوئی

شناگستر کو یہاں کچھ استعارے مل نہیں سکتے
غریقِ بحرِ مدحت کو کنارے مل نہیں سکتے

جہاں اور سب یہاں والے زمین و آسماں والے — مکان و لامکاں والے یہاں والے وہاں والے
ذوی الحس اور جنہیں بے زباں ہوں یا زباں والے — مجرّد روح یا اجسام ہوں یا جسم و جاں والے

تجھی سے زیست پاتے ہیں تجھی سے رزق پاتے ہیں
تجھی کو یاد کرتے ہیں تری خوشیاں مناتے ہیں

یہاں دی جیسی حالت ویسے ہی پیدا کئے ساماں — رضیعوں کے لئے شیر اور چبانے والوں کو دنداں
سبک جسم اُن کو بخشے جو ہوا پر ہوتے ہیں پرّاں — نرالی ساخت کی اُن کی جو پانی میں رہیں ہر آں

قوی معدے کئے اُن سب کے جو منقار والے ہیں
سمجھ اور بوجھ دی اُن کو جو کاروبار والے ہیں

بری الذمہ ہیں جن کو فقط قوت طبیعی دی — وہی کر سکتے ہیں جو کچھ طبیعت اُن میں ہی رکھی
وہ طبعاً جو کریں اُس میں خطا اُن کی نہیں کچھ بھی — سزائے شکر و شکوہ کوئی بھی حالت نہیں اُن کی

ظہورِ فعلِ طبعی میں وہ خود مجبور ہوتے ہیں
نہ وہ مغموم ہوتے ہیں نہ کچھ مسرور ہوتے ہیں

عناصر اور جمادی اور نباتی جتنی ہیں اشیا — وہ ہیں اس حد میں داخل اور ذرا ذمہ نہیں اُن کا
کہ وہ طبعاً جو کرتے ہیں نتیجہ ہوگا کیا اُن کا — بلا سے اُن کی اچھا ہو نتیجہ یا بُرا پیدا

جو اُن سے کام طبعی لو وہ طبعاً کر گزرتی ہیں
نہ کچھ امید رکھتی ہیں نہ کچھ بھی خوف کرتی ہیں

مگر ہاں جن کو عقلی اور ارادی قوتیں دی ہیں — ہے اُس نسبت سے ذمہ اُن کا جس نسبت سے بخشی ہیں
بقدرِ علم اور قوت وہ جن کاموں میں ساعی ہیں — بھلا کرنے تک اچھی ہیں بُرا کرنے میں خاطی ہیں

وہ بار ذمہ داری سے کسی ڈھب بچ نہ جائیں گے
عمل جیسا کرینگے اُس کا پھل بے شبہہ پائیں گے

طبیعی قوتیں محکوم پائی جاتی ہیں ہر جا — ارادی قوتوں کو ہر جگہ فرماں روا دیکھا
جو اول قوتیں ہیں حکم کی تعمیل میں یکتا — تو بیشک دوسری فرماندہی میں اپنی بے ہمتا

طبیعی قوتیں اور مادہ سامان عالم ہیں
ارادی قوتیں سب نافذ فرمان عالم ہیں

ارادی قوتوں پر ہی حکومت اُن کے معطی کی — جہاں انصاف ہوتا ہی کمی بیشی نہیں چھپتی
بڑھی جو حد سے آگے اور ذرا بھی راہ سے بہکی — نتیجہ فعل کا پانے کی مستوجب وہیں ٹھہری

یہاں ہر فعل کی ہر وقت نگرانی برابر ہی
ہمہ بینی برابر ہے ہمہ دانی برابر ہی

قوے ہوں، مادہ ہو ہی تصرف سب میں قدرت کا — کرشمہ ہی یہ سب کچھ کبریا کی پاک قوت کا
وہی خالق وہی صانع وہی معطی ہی شوکت کا — مقر ہی ہر کوئی ذی عقل اُس کی شان عظمت کا

ہر اک شے بن کے مٹ جاتی ہی وہ قائم ہمیشہ ہی
وہی ہر شے کا خالق ہی وہی دائم ہمیشہ ہی

الٰہی احمدی حاضر ہی تیرے باب عالی پر — نگاہ رحم فرما اپنے دیرینہ سوالی پر
پہونچنے دے مری نظریں جمال لایزالی پر — عروج قرب کا مشتاق ہوں اس خستہ حالی پر

جدا کب تک رہوں اے خالق کون و مکاں تجھسے
تجھی کو چاہتا ہوں اے خداوند جہاں تجھسے

صدای دل

آج میں چند الفاظ اس باب میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ بنی نوع انسان مین تہذیب اخلاق کس قوم اور کس فریق میں زیادہ اور کس میں کم ہے۔ میرا خیال یہ ہی کہ جو فریق خالق کی ہستی کو مانتا اُس کے احکام کو متصرف فی الاشیا جانتا اور اُس کو اپنے اعمال کی جزا و سزا دینے والا تسلیم کرتا ہی وہی فریق اصلاح اخلاق کو ضروری سمجھتا ہی۔ اور جو فریق خداوند کی ہستی کا منکر یا ہستی کا مقر مگر متصرف فی الاشیا ہونے کا منکر ہی یا جو فریق اُس کے وجود با جود کو مشترک فی الاشیا سمجھتا ہی اُن کے خیالات کچھ اور ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ اب میں چار فریق فرض کر کے واسطے سہولت بحث کے اول نمبر پر فریق منکر کو قایم کر کے ادلۓ مطالب کرتا ہوں۔ میں فریق اول کے افراد کو منکرینِ ذات اور دوسرے فریق کے افراد کو منکرین صفات اور تیسرے فریق کے افراد کو معتقدینِ ذات ہمہ اوست اور چوتھے فریق کی افراد کو معتقدین ذات ہمہ از وست کے نام سے تعبیر کرتا ہوں اول میں افراد فریق اوّل جو ذاتِ باری جل جلالہٗ کے منکر ہیں اُن کی عقول کی رسائی صرف محسوسات ظاہری تک محدود ہی۔ وہ عالم اور موجودات عالم کی ترکیب میں مادہ اور اجزائے مادہ کو موجود پانے کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ مادہ اور اشیا ء مادی کے سوا جب کہ اندر کوئی قوت بظاہر محسوس نہیں تو ہم کیوں مانیں کہ عالم اور موجوداتِ عالم کا کوئی خالق بھی ہی۔ ان افراد کی غلط خیالی کے متعلق عقلا اور علمائے بہت کچھ لکھا ہی میں نے بھی اکثر مضامین اس کی بابت لکھی ہیں مگر مجھ کو اس وقت اُن مطالب پر بحث کی اس وجہ سے ضرورت نہیں کہ یہ مضمون جو میں لکھ رہا ہوں ثبوت ذات باری جل جلالہٗ کے متعلق نہیں ہی بلکہ اس باب میں ہی کہ ایسے عقیدے سے معتقدین عقیدہ کے اخلاق پر کیسا اثر پڑتا ہے۔ میں بطور کلیہ کے اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ اخلاق کی اصلی درستی صرف دو وجوہ کے ساتھ منحصر اور وابستہ ہی اگر وہ دونو وجوہ یا اُن میں ایک بھی نہ ہو تو اخلاقی حالت کی درستی ہرگز قایم نہیں رہ سکتی

اُن میں ایک کا نام امید اور دوسری کا خوف ہے۔ یہی وجوہ تو یہ ہیں جو انسان کو بڑے بڑے کاموں میں محنت بلکہ جانبازی کرنے پر آمادہ رکھتے ہیں اور ناجائز خواہشوں کے روکنے پر سدراہ ہوتے ہیں۔ اس امید اور خوف کے ساتھ لازمی شرط یہ بھی ہے کہ وہ ایک باطنی قوت کا خوف ہو دل سے ہو اور قطعی ہو جس دل کو یہ باطنی امید اور خوف لگا ہوتا ہے اُس کے افعال نہایت برگزیدہ ہوتے ہیں مگر جو دل کسی باطنی قوت سے امید اور خوف نہیں رکھتا اور صرف ظاہری دنیوی نفع و ضرر کے خیال سے اپنے اخلاق کی اصلاح کرتا ہے وہ خاص ضرورتوں کے وقت ایسے ناجائز افعال کے کرنے پر بھی مستعد ہو جاتا ہے جن کو سمجھتا ہے کہ دنیا کے لوگوں سے پوشیدہ رہ سکینگے۔ کیا معنی ایسی حالت میں اُس کو کسی باطنی قوت کے حاظر و ناظر ہونے کا خوف تو ہے ہی نہیں صرف ظاہری نفع نیک نامی و بدنامی کا خیال ہے تو اخفائے راز کے واسطے بہت سے مکر و فریب کر سکتا ہے۔ ابتدائے آفرنیش سے پیشوایان مذاہب نے عام اس سے کہ وہ کسی مذہب کے پیشوا ہوں امید اور خوف باطن کا جس قدر یقین اپنی پیروان مذہب کو دلایا اسی قدر پیروانِ مذہب کے اخلاق کی درستی ہوئی اور جس وقت تک اس امید اور خوف باطن کی بنیاد پیروان مذہب کے دلوں میں مستحکم رہی اسی وقت تک اخلاق کی درستی قایم رہی۔ جب جس قدر اس امید اور خوف باطن کے یقین میں نقصان آیا تذبذب پیدا ہوا اُسی وقت سے اور اُسی نسبت سے اخلاقی حالت میں نقصان آکر پیروان مذہب کو ارتکاب منہیات کی طرف میلان ہوتا گیا۔ میرے اس خیال کا سب مذاہب کی تاریخ سے ثبوت ملتا ہے۔ ایسی حالت میں جب کہ یہ کلیہ میں نے بیان کیا مسلم ہے تو پھر منکرین ذات بحالت اپنے منکر ہونے کے کس امید اور کس خوف سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر سکتے ہیں کیا معنی اخلاق کی اصلاح کچھ خوشگوار نفسانی حظ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی قید ہے جس کے ہونے سے ہم کو اُن افعال کی بجا آوری بھی کرنی پڑتی ہے جن میں ہم کو تکلیف ہوتی ہے۔ نیز اُن افعال سے بھی خود کو باز رکھنا پڑتا ہے جن کی طرف ہماری نفسانی قوتوں کو خاص میلان ہوتا ہے۔

اس موقع پر میں یہ چند الفاظ ضرور کہونگا کہ منکرین ذات بڑے نقصان میں ہیں نہ اس زندگی میں اُن کو اُن کے افعال ناجائز نذارک سے محفوظ رکھ سکتے ہیں نہ اُن کے دلوں کو پوری طمانیت ہو سکتی ہے۔ اور انجام کار اس غلط عقیدے کی بدولت جو کچھ اُن کو پیش آنی ہے وہ خود معلوم کر لینگے۔

دوسرے فریق کے افراد جو منکرین صفات خداوندی ہیں اُن کی اخلاقی حالت بھی کچھ بہتر نہیں ہو سکتی کیا معنی اگرچہ وہ ذات باری جل جلالہ کے قائل ہیں لیکن جب کہ وہ اُس کو اور اُس کے احکام کو متصرف فی الاشیاء نہیں سمجھتے تو ایسی حالت میں صرف ذات باری جل جلالہ کے اقرار سے اُن کی اخلاقی حالت کیونکر درست ہو سکتی ہی۔ کیا معنی اخلاقی حالت کی درستی کے واسطے تو وہی باطنی امید اور باطنی خوف شرط ہی۔ احکام الٰہی کو متصرف فی الاشیاء جاننے سے جب کہ اس فریق کے افراد خداوند کو ایک بیکار قوت سمجھتے ہیں تو پھر اُن کو کوئی امید یا کوئی خوف کس بنا پر ہوا اور وہ اصلاح اخلاق کی پروا کیوں کریں

میں اس فریق کے افراد کو قریب قریب افراد فریق اول کی حدود میں داخل سمجھتا ہوں میرا جو خیال فریق اول کی نسبت ہی وہی ان کی نسبت ہے۔ بدیں وجہ اس عقیدہ کے متعلق زیادہ صراحت کی ضرورت نہیں۔

اب میں فریق ثالث معتقدین ذات ہمہ اوست کے متعلق لکھتا ہوں

اُن میں زیادہ حضرات ایسے ہیں جو راز کے طور پر اس عقیدے کو اپنے معتقدین کے روبرو بیان کرتے ہیں علانیہ بیان نہیں کرتے اور جو حضرات علانیہ طور پر عقیدۂ ہمہ اوست کے قائل ہیں اور اپنی تصنیفات اور اشعار میں ایسے ہی مطالب ادا کرتے ہیں وہ بھی ایسے وجوہ شافی بیان نہیں کر سکتے جس سے ہر شخص کی سمجھ میں آجائے کہ ہمہ اوست کا عقیدہ درست ہی مجھ کو ادب کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہیئے کہ اکثر مذاہب میں اس عقیدے کا آغاز یا اس عقیدے کی ہدایت اُن خدا دوست بزرگواروں سے شروع ہوئی ہی جو صوفیان باصفا یا فقرائے کامل

ہوئے ہیں پھر اُن سے ہدایت پانے کے بعد اُن کے عام مریدین یا عام معتقدین بھی وہی کہنے
لگے ہیں جو اپنے پیر یا اپنے مرشد سے سُنا ہی۔ اس محل پر مجھ کو یہ بھی بیان کرنا چاہیے کہ اگرچہ
میں عقیدۂ ہمہ از اوست کا پابند ہوں لیکن میں اُن قابل تعظیم بزرگواروں کا دل سے معتقد
ہوں جو اپنی حالت خاص محویت کی وجہ سے ہمہ اوست کے قائل تھے۔ وہ عشق الٰہی میں محو
ہو کر ایسے اعلےٰ درجہ پر فائز ہو گئے تھے کہ اُن کو اُن کے عشق اور محو ہونے کی وجہ سے ہر
طرف جلوۂ ایزدی معلوم و محسوس ہونے لگا ہو گا جیسا قیس کی نسبت بیان کیا جاتا ہی کہ جب
لیلیٰ کا عشق انتہائی مرتبہ کو پہونچا تو اُس کو ہر طرف لیلیٰ نظر آنے لگی وہ خود کو بھی لیلیٰ سمجھنے لگا تھا
حالانکہ لیلےٰ کا ہر طرف نظر آنا یا اُس کا اپنی ذات خاص کو لیلےٰ سمجھنا محض خیال ہی خیال تھا
لیلیٰ جو تھی وہی تھی اور جہاں تھی وہیں تھی۔ اسی طرح پر اہل اللہ محویت تام کے سبب ہمہ اوست
کہنے پر مائل ہوئے ہوں اور اس کی وجہ اُن کی محویت اور عشق کامل اور استغراق تام ہو جو
اُن کو ان کی حالت کی وجہ سے حاصل تھا اور اُس حالت کے موجود ہوتے ہوئے وہ سوا اُس کے
جو انھوں نے کہا یا ہدایت کی اور کچھ بیان نہ کر سکے ہوں تو ان کی حالت محویت کے اعتبار سے
اُن پر حرف گیری نہیں ہو سکتی لیکن اُن کے ایسا کہنے یا ہدایت کرنے کی وجہ سے حقیقت حقہ
نہیں بدل سکتی۔ اُن کے تابعین کو جن پر وہ حالت بذات خاص طاری نہیں ہوئی شاید یہ دعوےٰ
مناسب نہ ہو کہ وہ صرف اپنے رہبر کی حالت محویت کے قول کو اپنے واسطے عقیدۂ مذہبی
کے طور پر بدون سمجھے بوجھے ماننے لگیں مجھ کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ مسئلہ ہمہ اوست یا وحدت الوجود
پر جن صوفیائے کرام اور حکمائے مستند و علمائے عظام نے عقلی دلائل پیش کئے ہیں۔ اُن دلائل کا
لب لباب یہ ہی کہ خداوند ازلی ابدی ہی۔ ازل سے کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ نہ تھی۔
پس عالم شہادت میں جو کچھ ظاہر ہوا اُسی کی ذات کا عین ظہور ہی۔ وہ متجزی نہیں ہو سکتا
اس لئے ہر ایک چیز جس کو ہم دیکھتے ہیں وہ عین خدا ہی۔ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں

فلولاہ ولولانا لما کان الذی کانا وانا عینہ حقا وان اللہ مولانا

ان مقدس و بزرگ حضرات نے اسی ضرورت سے مخلوق کے تمام رطب و یابس کو عین ذات باری جل جلالہ سمجھا کہ ہرگاہ ازل میں سوا خدا کے اور کوئی موجود نہ تھا اور بعد میں عالم شہود موجود ہو گیا تو بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہی کہ یہ سب کچھ عین ذات باری ہو کیونکہ ہرگاہ خداوند متجزی نہیں ہو سکتا اور دوسری مخلوق موجود ہو گئی تو بجز اس کے کہ اُس کو عین ذات باری جل جلالہ سمجھیں اور کوئی چارہ کار باقی نہیں ہی۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ ایسے برگزیدہ حضرات کے ان خیالات سے اتفاق نہیں کر سکتا کیونکہ میرا خیال ہی کہ خداوند جل جلالہ بے شک ازلی ابدی ہی ازل میں بیشک کوئی چیز اس کے سوا موجود نہیں تھی لیکن وہ قادر تھا اس کو قدرت کے اعتبار سے اس امر کی مجبوری لاحق نہ تھی کہ ضرورتاً اپنی ذات خاص کو افراد مخلوق میں پھیلائے اور اس طرح خالق کہلائے۔ وہ علیم و قدیر پوری اور کامل اور قطعی قدرت رکھتا تھا کہ عدم محض سے جو چاہے اور جس طرح چاہے مخلوق کا ظہور فرمائے اور اُس کا انتظام قایم فرمائے اُس نے محض اپنے عالی اقتدار اور ذی شان قدرت سے جو چاہا ظاہر فرمایا اور نوبت بنوبت ظاہر فرما رہا ہی۔ اگر اُس پاک ذات کو ایسا قادر نہیں مانا جائیگا کہ عدم محض سے جو چاہے ظاہر کر سکے اور دلیل یہ کی جائیگی کہ ہرگاہ ذات واحد کے سوا کچھ موجود نہ تھا تو وہ اپنے سوا دوسری شے کہاں سے پیدا کر سکتا تو قدم قدم پر مشکلات پیش آئینگی اس وجہ سے کہ عالم میں غیر متناہی اشیا اپنی حالتوں میں مختلف پائی جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں یا تو اختلاف اشیا سے انکار کرنا لازم آئیگا اور یہ انکار حقیقۃً غلط ہوگا۔ کیونکہ اختلاف اشیا صراحتہً ثابت ہے تجربہ اور مشاہدہ گواہان صادق ہیں یا یہ ماننا پڑیگا کہ اگرچہ ازل میں ذات باری خود ایک ذات تھا لیکن بالقویٰ اُس کی ذات خاص میں عینیت کے طور پر مختلف اشیا موجود تھیں۔ اس سے یہ تردد پیدا ہوگا کہ اگر مختلف اشیا اُس کی ذات خاص میں بالقویٰ موجود تھیں تو خداوند کی ذات ایک مجموعہ مرکب تھی اور اُس کی ذات خاص کو ایسی مجموعی حالت میں قرار دینا کیا کسی اور قوی قوت کا کام تھا۔ حالانکہ یہ ناممکن ہی جبکہ اختلاف اشیا مسلّم ہی تو پھر وہ کیا دلائل ہیں جن کے پیش ہونے سے ہم مان سکیں کہ گو اشیا میں باہم ہر طرح اختلاف ہی تاہم سب کچھ ایک ہی ہی۔ اگر اس

قسم کے دلائل پیش نہ کئے جا سکیں تو سمجھنا چاہیئے کہ اُس تنہا اور قادر ذات نے تمام اشیاء عالم کا مادہ یا اشیاء عالم کے پیدا ہونے کے علل و اسباب عدم محض سے پیدا کئے وہ ہماری طرح علل و اسباب کا محتاج نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بات نہیں کہ وہ سب کچھ کر چکا اب بے کار ہی بلکہ اب بھی ہر ایک منٹ اور ہر ایک سیکنڈ میں غیر متناہی عالم پیدا ہو رہے ہیں جہاں جہاں جس عالم کے پیدا ہونے کی تیاری ہو رہی ہی یا پیدا ہو رہا ہی وہ حالت اُس ہر ایک عالم کے واسطے اُس کی ازل ہی۔ فضائے محض غیر متناہی وسعت رکھتی ہی اور خداوند کی مرضی ارادے سے ذرّاتِ صغار اب بھی غیر متناہی تعداد کے ساتھ عدم محض سے پیدا ہو رہے ہیں اور جدید کائنات کی ساخت میں صرف ہو رہی ہیں جس طرح ہمارے عالم کا نظام موجود مع اپنی کرات اور کواکب اور عناصر کے ہماری نگاہوں کے روبرو ہی اس قسم کے یا مختلف اقسام کے لاکھوں کروروں بلکہ غیر متناہی نظام فضائے محض میں موجود ہیں اور اُن میں حدوث اور امتداد اور فنا کا انتظام جاری ہی۔ اگر ہم خدانخواستہ اس مقدس ذات کا ایسے سہل امر میں بھی عجز تسلیم کر لینگے کہ وہ تنہا ہونے کی حالت میں عدم محض سے کچھ پیدا نہیں کر سکتا اس واسطے وہ خود ہی سب کچھ ہی تو کیا اس سے یہ اعتراض پیدا نہ ہوگا کہ جب وہ تنہا ایک ذات تھی اور عالم شہود میں تعدّد موجود ہی پھر محض ایک شئے سے تعدّد کا ظہور کیونکر ممکن ہی نیز بحالت اُس کی تنہا ایک ذات ہونے کے یا تو اس میں صفات بالکل نہ ہونگے یا خاص صفات ہونگے ایسی حالت میں وہ عالمِ شہود کی متعدّد اور مختلف صفات کیونکر اور کہاں سے پیدا کر سکا میرا ایمان اور میرا الیقین یہ ہی کہ عدم محض سے معدوم کو موجود کر دینا اور موجود کو معدوم محض کر دینا اس کی بے مثل قدرت کے ادنےٰ کرشمے ہیں۔ وہ لوگ بھی محض غلطی پر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ تمام موجودات مادی معدوم محض نہیں ہو سکتے صرف اُن کی حالتیں بدل جاتی ہیں۔ میرا خیال یہ ہی کہ جس شئے اور جن اشیا کو خداوند موجود کرتا ہی اُن اشیا کے واسطے اُن کی عمر اور اُس مدت عمر کے واسطے حالتیں خاص اپنے پاک علم میں قرار دیتا ہی۔ بعض اشیا کی عمر بہت بڑی کروڑوں برس کی قرار دیتا ہی پھر اُن اشیا کو وہ اشخاص جن کی عمریں اُن سے کم ہوتی ہیں اور اُن کو صرف اُن کی حالتیں بدلنی

کے سوا اُن کی فنائیت دیکھنے کی نوبت نہیں آتی وہ قیاس کر لیتے ہیں کہ یہ اشیا ذاتی طور پر ابدی ہیں صرف حالتیں بدلتی ہیں حالانکہ اُن کا یہ خیال کرنا غلط ہوتا ہے جب ان اشیا کی عمریں پوری ہو چکتی ہیں وہ فنا ہو کر معدوم محض ہو جاتی ہیں۔ اس پاک ذات کے اقتدار میں یہ بھی ہے کہ پیدا کرنے کے بعد جن اشیا کو چاہے ابداً قائم رکھے۔ جو لوگ مادہ اور اشیاء مادی کی نسبت یہ استدلال کرتے ہیں کہ جس طرح تمام موجودات عالم جاہے اُن کے افراد ایک جنس کے ہوں یا اپنی حالتوں میں مختلف ہوں اُن سب کی ترکیب اور ساخت اور وجود میں جبکہ مادہ کو دخل ہے اور ہر محسوس شے مادی ہے اور ہر مادہ ہر جگہ ہے تو اُس کی نسبت ہم ہمہ اوست بے تکلف کہہ سکتے ہیں اُن کو خیال کرنا چاہئے کہ خداوند جل جلالہ جو خالق عالم ہے اس کی شان مقدس تو بجائے خود ہے میرے خیال میں ذات خاص مادہ کی نسبت بھی اس کے نام کے معانی سے دھوکا کھا کر اُس کو ہر جگہ یکساں حالت میں سمجھنا اور یکساں اثروں کے ساتھ موثر خیال کرنا فاش غلطی ہے۔ علمائے طبعی کی تعریف کے مطابق مادہ اُس کو کہتے ہیں جس کے اجزا جگہ کو گھیریں۔ اس عام تعریف سے گو یہ امر واجب التسلیم ہے کہ تمام وہ اشیا جو جگہ کو گھیرتی ہیں یا جسم رکھتی ہیں اُن کو مادی اشیا کہینگے لیکن اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آئیگا کہ اُن میں ہر شے کا مادہ یا ترکیب یا جسمانیت یا خواص یکساں ہوں جب کہ یہ نہیں تو ہمہ اوست کہاں رہا۔ اس کی مثال اس طرح سمجھنا چاہئے کہ حیوان کا لفظ باعتبار جیتی جان ہونے کے سب حیوانات پر صادق آتا ہے لیکن طاؤس اور کبوتر اور سانپ ایک نہیں ہیں۔ کبوتر پالے جاتے ہیں اُڑائے جاتے ہیں اُن کو ہاتھ میں لینے سے کسی قسم کا خطرہ نہیں لیکن کیا سانپ کو اُسی آسانی کے ساتھ ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ جبکہ مختلف اشیائے عالم کے مادوں کی مقداریں اور جسمانیت اور خواص یکساں نہیں تو کیا صرف مادے کے معنی کے مفہوم کے اعتبار سے ہر شے یکساں مانی جا سکتی ہے یا ہمہ اوست درست ہو سکتا ہے۔ ہوا کا مادہ اور جسمانیت جدا۔ پانی کا جدا ہر ایک شے کی جسمانیت جدا۔ مادہ جدا۔ پھر ہمہ اوست کا مفہوم کس بنا پر ہے۔ لوا کیونکر پانی ہے اور پانی کس طرح آگ ہے۔ اب ہم اس مسئلہ کو دوسرے پہلو سے دیکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ

دانشمند آدمیوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عقیدۂ مذہبی کے اختیار کرنے میں اس امر پر ضرور
خیال کرتے ہیں کہ وہ عقیدہ اُن کے ذہنوں میں سچا اور حق پایا جائے اور اس عقیدے کے قبول
کرنے میں کسی قسم کا نفع دینی یا دنیوی ملنے کی امید ہو۔ کیا معنی مذہبی طور پر تمام عبادتیں تمام ریاضتیں
تمام محنتیں اسی غرض سے کی جاتی ہیں کہ اُن کے عمدہ نتائج ہم کو ملیں۔ اگر کسی عبادت یا ریاضت یا محنت
سے کسی بہترین نتیجے کی امید نہ ہو تو کسی کو کچھ بھی محنت برداشت کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ بالایں
ہمہ عقیدۂ ہمہ اوست کے تسلیم کی یہ حقیقت ہے کہ اُس کے درست مان لینے کی حالت بھی ہم کو کوئی
نفع نہیں پہونچاتی۔ فرض کرو اگر ہم نے ہمہ اوست مان لیا اور اس مان لینے کے بعد ہم کو اپنی حالت
میں کوئی حقیقی تغیر ہوتا ہوا محسوس نہیں ہوا ہم اُسی عاجز حالت میں ہیں جس میں تھے۔ بھوک
پیاس اور تمام ضروریات انسانی جیسی ہم کو عارض تھیں ویسی ہی ہیں تو بیان کیا جائے اس تصور سے
ہم کو کیا فائدہ حاصل ہوا۔ دوم یہ کہ اس تصور اور تسلیم کے بعد جب کہ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ مادہ اور
مادی اشیا اپنی انھیں حالتوں میں ہیں جن میں تھیں ہمارے اس تصور اور تسلیم سے نہ کوئی ادنیٰ
شے اعلیٰ ہو سکی نہ کوئی کثیف شے لطیف۔ نہ پانی کو آگ کا درجہ نصیب ہوا نہ خاک کو ہوا کا۔ نہ
حنظل کی تلخی دور ہو سکی نہ شہد کی شیرینی میں کوئی تغیر ہوا۔ غرض نہ اشیاء عالم کو ہمارے اس تصور
اور تسلیم سے کوئی نفع پہونچا۔ اُن میں حقیقی تغیر محسوس نہ ہوا تو بجز اس کے کہ اس غیر ضروری تصور کی بدولت
واقعات حقہ کو اُن کی حالتوں کے خلاف تصور کر لینے سے اپنے خیال میں ہم غلطی پیدا کریں اور خیالی
طور پر خوش ہوں اور کیا نفع ہے۔ ہاں شاید یہ امر ممکن ہے کہ عقیدۂ ہمہ اوست کے ماننے والوں کے دلوں کو
دو خیال سے طمانیت ہوتی ہو۔ ایک یہ خیال کہ خدا کا نام اور خدا کی شان بہت اعلیٰ اور افضل ہے۔ اس عقیدۂ
ہمہ اوست کی بدولت ہم کو بھی اُس پاک ذات سے پہلو بہ پہلو ہونے کا خیالی درجہ تو حاصل ہوتا ہے۔
جب ہم خود بھی خدا یا خدا کا جزو ہو گئے تو ہماری عظمت خود مسلم ہو گئی۔ اس کی مثال پر مجھ کو ایک قصہ
یاد آیا جس کو ایک میرے دوست نے ایک پڑھے لکھے آدمی کا سنایا تھا جس کے دماغ میں کسی قدر خلل
آ گیا تھا۔ وہ باوصف نہایت مفلس اور فاقہ مست ہونے کے خود کو بادشاہ سمجھنے لگا تھا۔ وہ رات کو جب

اپنے مختصر جھونپڑے میں حقیر بستر پر لیٹتا تو خیالی ارکان دولت کو جو اُس کے خیال میں حاضر ہوتے تھے حکم دیتا کہ کل صبح ہم فلاں شکار گاہ کو جائینگے۔ فلاں فلاں ہاتھی اور گھوڑے اور فوجیں ہمراہی میں ہونگے صبح کو اپنی اُسی خیالی خوشی میں اُٹھا ضروریات سے فارغ ہوکر جھونپڑے سے بیرون در تک شاہانہ ناز و تبختر سے آہستہ آہستہ جاکر خیالی سواری پر سوار ہوکر روانہ ہوتا۔ اگرچہ جنگل میں پیادہ پا اپنے پاؤں سے جاتا لیکن خیال میں سمجھتا کہ بادشاہ کی سواری جا رہی ہے۔ وہ اپنی خیالی دھن میں پس و پیش کے ہمراہیانِ لشکر کو کوئی فرضی فروگزاشت ہوجانے پر تنبیہ اور تہدید بھی کرتا جنگل میں جاکر خیالی شکار فرض کرکے خیالی بندوقیں داغتا اور شام کو خیالی کامیابی کے ساتھ مراجعت کرکے اپنے جھونپڑے پر پہونچکر خیالی سلام لے کر اہل لشکر کو رخصت کرتا۔ آمدم بر سرِ مطلب اگر اسی قسم کی خیالی اور غلط عظمت ہمہ اوست کے ماننے والوں کو خوش رکھتی ہو تو وہ جانیں اُن کا کام جانے اس میں اُنھیں کا نقصان ہے اور جو لوگ ہمہ اوست کا عقیدہ اس غرض سے اختیار کرتے ہیں کہ ہرگاہ ہمہ اوست ہے تو سزا اور جزا دینے والا کون ہے جب کسی فعل کی بابت ہم سے کوئی مواخذہ کرنے والا حاکم یا قادر موجود ہی نہیں ہم خود بھی عین ذات ہیں تو پھر ہم کو اپنی دلی خواہشوں کے روکنے کی حاجت کیا ہے جس فعل کو ہمارا دل چاہے وہ ہم کیوں نہ کریں۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں جزا اور سزا کا پانا ایسا لازمی ہے کہ اُس میں شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں جزا و سزا کی تفصیلات نہ کی گئی ہوں۔ بعض مذاہب ذات باری جل جلالہٗ کے تو منکر ہوئے جو اُن کی محض غلط خیالی تھی لیکن جزا اور سزائے اعمال کے وہ بھی قائل ہوئے۔ ہمارے اعمال کے ساتھ جزا اور سزا کے لازمی ہونے کو خود ہماری عقل تسلیم کرتی ہے۔ ہم اپنے افعال سے جب کسی کو نفع پہونچاتے ہیں وہ شخص ہم سے خوش ہوکر نیک بدلا کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جب ہم کسی کو برائی پہونچاتے ہیں اُس کا نتیجہ برائی ہی دیکھتے ہیں۔ دنیا میں نہ شاہِ وقت کا قانون ہم کو بدلا دینے میں کوتاہی کرتا ہے نہ ہمارے روزانہ افعال نتائجِ عمل کو ہم سے روک سکتے ہیں نہ مذہبی احکام جزا و سزائے اعمال سے سبکدوش کرکے آزادی کی بشارت دیتے ہیں۔ بلکہ ہم جیسا کرتے ہیں ویسا پاتے ہیں۔ جو بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں

ہمارے اعمال کے نتائج ہم کو جلدی ملیں یا بدیر مگر ملنے ضرور ہیں۔ ایسی حالت میں ہمہ اوست کے خیال سے ہم کو کیا فائدہ حاصل ہوا۔ چوری کرنے کی حالت میں قید بھگتیں بچھو کا نیش چھونے سے مارے درد کے روئیں چلائیں مگر اس خیال کو دل میں رکھیں کہ ہمہ اوست کا خیال ہم کو کارآمد ہے۔ بعض صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ زمانہ حیات میں ہم اور تمام اشیا ذات باری سے جدا ہیں مگر مرنے کے بعد ہم ذات باری میں مل جائینگے اور عین ذات ہو جائینگے جس طرح قطرہ اُس وقت تک قطرہ کہلاتا ہے جب تک دریا سے جدا ہے جب دریا میں شامل ہو گیا عین دریا ہو گیا۔ میں نہیں جانتا یہ مثال ذاتِ پاک خداوند جلّ جلالہٗ کی نسبت کیونکر صادق آسکتی ہے۔ قطرہ اور دریا تو بحیثیت عنصر ہونے کے ایک جنس ہے۔ پانی کا لفظ دونوں پر صادق آتا ہے۔ تمام خاصیتوں میں دونوں ایک ہیں۔ صرف دونو کی مقدار میں کمی بیشی ہے۔ یہ مثال خالق اور مخلوق۔ صانع اور مصنوع کی نسبت کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے۔ ہم نہ باعتبار جسم کے قدیم ہیں نہ باعتبار روح کے۔ ایسی حالت میں فنا ہو جانے کے بعد ہم اُس ذات پاک جلّ جلالہٗ میں عینیت کے طور پر کیونکر شامل ہو سکتے ہیں جو کہ قدیم اور سب عالم کا خالق ہے۔ وہ تو وہ پاک ذات ہے کہ اگر تمام عالم کے سب افراد لاکھوں برس اپنی زبانیں مشک و گلاب اور اعلیٰ درجہ کے عطریات سے دھو کر اُس کا پاک نام لیں تب بھی ادب مناسب کی حد تک نہیں پہونچ سکتے ایسی حالت میں ہمہ اوست کے عقیدے پر یقین کرنا حقیقۃً اُس پاک جلّ جلالہٗ کی ایک قسم کی بے ادبی ہے ہم اور تمام افراد مخلوق کیا اور ہماری حقیقت کیا۔ اگر ہم کو ذرا بھی سمجھ ہے تو غور کرنا چاہئے کہ عالم میں بعض افراد مکرم اور بعض مجرم ہیں۔ پھر کیا ہم مجرمین کو بھی ذات پاک سمجھیں۔ اسی طرح عالم میں بعض اشیاء بسیط بعض مرکب ہیں۔ کیا خداوند جلّ جلالہٗ بھی ان قیود کا پابند ہے۔ اگر ہم اُس کو مرکب حالت میں تسلیم کریں تو کیا یہ تسلیم کرنا لازم نہ آئیگا کہ اُس کا ترکیب دینے والا کوئی اور ہو۔ کیا ذلیل تریں اشیاء اور زشت تریں افعال کو بھی جن سے ہم کو بالطبع نفرت ہوتی ہے اُس کی ذات مقدس کے ساتھ منسوب کریں۔ کیا ہم کو اس قدر بھی سمجھ نہیں کہ اشیائے عالم کی موجودہ حالتوں میں امتیاز کریں اور سمجھیں کہ ہر گاہ اشیائے عالم میں اعلیٰ اور ادنیٰ نیک اور بد گرم اور سرد۔ بڑا اور چھوٹا دور اور نزدیک

حاکم اور ماتحت ۔ شاہ اور رعایا ۔ سخت اور نرم ۔ مکرم اور مجرم ۔ محسن اور خاطی ۔ مالک اور مملوک عالم اور جاہل ۔ قادر اور محتاج ایک نہیں ہیں پھر وہ خالق عالم اور خالق الاشیا ہم ہیچ کاروں سے کیونکر متحد ذات ہو ۔ اُس بے مثل ذات اعلیٰ اور افضل کو ایسی کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنی شان خدائی اور خداوندی چھوڑ کر ادنیٰ حالت کو قبول فرمائے ۔ عقیدہ ہمہ اوست کے متعلق اس بیان پر بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ جس طرح لوہا آگ میں ڈالنے سے یا آگ کی قربت سے اثر پذیر ہو کر خود آگ ہو جاتا ہے اور اُس حالت کے موجود ہونے تک احراق کا کام اُسی طرح دیتا ہے جیسے خود آگ ۔ دیتی ہے ۔ اسی طرح اہل اللہ کو جب قُربِ ذات باری حاصل ہوتا ہے وہ اس قربِ خاص کی حالت تک اُسی قدرت کا اظہار کر سکتے ہیں جو خاص خداوند جلیل جل جلالہ سے مخصوص ہے ۔ میں نہیں جانتا ایسی مثالیں جن کا تعلق عناصر سے ہی خداوند کی ذاتِ پاک کے ساتھ کیسے مشابہ ہو سکتی ہیں ۔ خداوند نے جن اشیاء عالم میں باہم موثر اور متاثر ہونے کے خواص رکھے ہیں وہ ایک حدِ خاص تک باہم فعل و انفعال ہونے پر موثر اور متاثر ہوتی ہیں ۔ لوہا جیسے گرمی پا کر گرم ہوتا ہے اُسی طرح سردی پا کر سرد ہو جاتا ہے ۔ پارہ آگ میں قرار نہیں پکڑتا ۔ بارود آگ کے مس کو ذرا بھی برداشت نہیں کر سکتی ۔ یہ تو خواص اشیا ہیں ان کی مثالوں پر اس امر کے ثبوت کی کیا دلیل ہے کہ تصوّر کی محویت میں انسان یا ذکر کرتے کرتے ایک وقت خاص تک خود بھی عین خدا ہو جاتا ہے ۔ کیا خدا نخواستہ خدا کوئی عنصر ہے اور اُس کے خواص تجربہ میں آچکے ہیں یا وہ آگ کی طرح کوئی جسمانی شے ہے جس کو اپنے قریب لانا یا اُس کے قریب ہو جانا ہمارے اختیار میں ہو ۔ وہ تو وہ عالی ذات ہے جس کی مثال کسی شے سے نہیں دی جا سکتی ۔ حضرات صوفیہ کو تصوّر اور ذکر و فکر سے ہر شے اور ہر مطلوب کی عینیت حاصل کر لینے کا پورا یقین ہو تو اوّل اُن کو آگ کے ساتھ اپنی ذات خاص ذات خاص کا تجربہ کر کے اور خود میں قوتِ احراق پیدا کر کے اپنے جسم کے مَس سے کسی شے کو جلا کر یا پانی کے ساتھ تجربہ کر کے اپنے جسم میں پانی کی طرح مائیت پیدا کر کے دیکھ لینا چاہئے اگر وہ ان عناصر کے ساتھ بھی عینیت پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوں جن کے خواص بخوبی معلوم ہیں جن سے مقرر کام لے سکتے ہیں تو پھر اُن کو خیال کرنا چاہئے کہ اُس خداوند کی عینیت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے ۔ جو کہ جسمانی نہیں ۔ رنگ

ہو۔جیز۔صورت کا پابند نہیں۔زمان یا مکان یا خلا اس پر محیط نہیں۔یہ سب اُس کی مخلوق اور اُس کی قضائے قدرت میں ادنےٰ درجہ کہتے ہیں۔اُس خداوند کے ذکر فکر اور دھیان سے ہم کو مدارج خاص تو حاصل ہو سکتے ہیں اُس کی عینیت حاصل نہیں ہو سکتی۔اہل اللہ کی محویت کی حالت سُکر کی حالت کہلاتی جو دائمی اور حقیقی نہیں ہوتی۔اس حالت کے ہوتے ہوئے اُن کے تصور اور خیال میں چاہے جتنا تغیر پیدا ہو جاتا ہو اور وہ چاہے جو کچھ کہنے لگتے ہوں لیکن اُن کی محویت کی وجہ سے حقیقی حالتیں نہیں بدلتیں منصور نے انا الحق چاہے جس حالت محویت میں کہا ہو لیکن اُس کی ظاہری حالت اور افعالی حالت وہی تھی جو تھی اسی وجہ سے دار تک نوبت آئی۔اگر اُس کی حالت میں حقیقی تغیر اُس کے کہنے کے مطابق پیدا ہو گیا ہوتا تو دار کی مجال کیا تھی جو اُس کو چھو سکتی یا نقصان پہونچا سکتی۔بعض دوسرے اہل اللہ نے بھی حالت محویت میں خود کو خدا کہا ہے لیکن اُن میں کوئی بھی اُس ذات قدرت کا اظہار نہ کر سکے جو خداوند کی ذات خاص کے ساتھ مخصوص ہے۔وہ عدم محض سے نہ کوئی شے بنا سکے نہ کوئی ذی روح پیدا کر سکے تصور اور محویت کی قوت اور اُس کی حقیقی حالت کے متعلق تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اہل تصوف جو اپنے مریدوں کو چلہ کشی میں تصور بندھوا کر کسی خاص خیال کو مریدوں کے ذہنوں میں مستحکم کر دینا چاہتے ہیں یہ عمل بحالت حصول نتیجے کے بھی بے سود ہی۔کیونکہ چلہ کش نے جس شئے کا تصور کیا اور ایک مدت تک کامل تصور کرنے کے بعد یہ نتیجہ حاصل کیا کہ وہ شئے اُس کو تصور کے مطابق معلوم اور محسوس ہونے لگی۔تو یہ حالت جو پیدا ہوئی ہے حقیقی نہیں ہی بلکہ اُس کی لازمی مشق تصور سے پیدا ہو گئی ہی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس شئے کی اصلی ماہیت بھی منقلب ہو گئی ہو یا حالت دور ہونے کے تصور کرنے والے کے نزدیک خود آ گئی ہو مثلاً ہم نے اپنی ذہن میں ایک درخت کو انسان یا ایک دور دراز فاصلے پر رہنے والے انسان کو اپنے پاس یا اپنی آغوش میں تصور کرنے کی مشق کی اور ہمارے تصور کی مشق نے ہمارے خیال میں مطلوب کا عکس ڈال کر ہم کو یقین دلایا کہ وہ درخت انسان ہے یا وہ انسان ہمارے پاس یا ہماری آغوش میں ہی تو نتیجہ اس قدر محنت اور جانکاہی کے بعد بھی صحیح نہیں ہے کیا معنی وہ جس کا ہم نے تصور کیا ہے جہاں تھا وہیں ہے۔ایسی حالت

میں ہم کو لازم ہے کہ ہم حقیقت حقہ کی تلاش کریں نہ کہ اپنے مشق تصور سے مطلوبات کی فرضی حالت کو حقیقی خیال کر کے غیر واقعی حالت پر قانع ہوں۔ اگر مطلوب کو حقیقی طور پر حاصل کرنے کی پروا نہو بلکہ صرف خیال میں مطلوب کے خیالی عکس آجانے پر قناعت ہو تو خلوتوں کی جانکاہ تکلیفات برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہی۔ سیدھی طور پر علم مسمریزم کیوں نہ سیکھ لیں جو اس زمانہ میں بعض لوگوں میں رائج ہی۔ میں نے مسمریزم کا عمل ہوتے ہوئے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن میں نے سنا ہی کہ مسمریزم کا عامل اپنے معمولوں کے ذہنوں میں اپنے عمل سے ایسا تصرف کر سکتا ہے کہ اُس کی عملی حالت تک معمول سے جو کچھ وہ کہے معمول وہی سمجھنے لگتا ہے۔ نیز عامل جو حکم کرے اُس کی تعمیل کرتا ہے۔ مثلاً پیالے میں پانی بھر کر عامل اپنے معمول سے کہے کہ لو شراب پیو۔ عامل کے اس کہنے کے ساتھ ہی معمول اس کو شراب سمجھنے لگے گا اور اُس کے پینے میں تلخی محسوس کر کے اُسی طرح منہ بگاڑیگا گویا وہ حقیقۃً شراب پی رہا ہی۔ نیز عامل اُس کو جو حکم دیگا وہ اس کی فوراً تعمیل کرے گا۔ مگر جس وقت اُس عمل کا اثر جاتا رہے گا معمول پانی کو پانی سمجھیگا۔ عامل کے حکم کی تعمیل سے اُس کو کچھ غرض نہ ہوگی۔ اب مقامِ غور ہے کہ ایسی غیر حقیقی اور فرضی کارروائی یا عمل سے سچے طالب کو کیا نفع پہونچنے کی امید ہے۔ ہم کو کامل غور اور پوری توجہ سے سوچنا چاہئے کہ ہرگاہ ہمارا مقصود اپنے کسی مطلوب کے حصول کا ہو تو ہم کو ایسی کوششیں لازم ہیں جن سے فی الحقیقت وہ مطلوب حاصل ہو اور اُس کے حصول سے جن تمتعات پانے کی امیدیں کی گئی ہوں وہ ملیں ورنہ مطلوب کے حصول کی حقیقی کوششیں ترک کر کے صرف مطلوب کے تصور کی مشق سے فرضی طور پر مطلوب کا حصول سمجھ لینا ہم کو وہ حقیقی تمتعات کہاں سے بخشدیگا جن تمتعات کی آرزو نے مطلوب کے وصل کی کوشش پر ہم کو مجبور کیا ہے۔ مثلاً اگر ہم کو خداوند جلیل کی خاص رضامندی یا قرب یا تجلیات ممکنہ کی آرزو ہو تو ہم وہ عملی افعال اختیار کریں جن سے ان اُمور کے حصول کی امید ہو سکے۔ اُس کے ذوق و شوق میں خلوت بھی اختیار کریں تو اُس کی شیونِ قدرت پر غور و فکر کریں اُس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اپنی آرزوؤں کا اظہار مؤدب طریقے سے کریں۔ اِن اُمورِ مطلوب

کے حصول کے واسطے اگر کچھ خاص طریقے خاصانِ خدا نے مقرر کئے ہوں وہ بھی برتے جائیں۔ غرض حصول مطلب کی کوشش میں غور و فکر جد و جہد بندگانہ و مطیعانہ عبادت کرنے سے بہت کچھ کامیابی کی امیدیں ہیں مگر اُس کی ذات پاک میں شرکت یا عینیت کا تصوّر کرنے اور ہمہ اوست کے خیال میں محو ہونے کی حالت میں خلوت کچھ نفع بخش نہیں مجھ کو یہ بھی بیان کرنا ہی کہ اگرچہ عقیدۂ ہمہ اوست کی تعلیم کا زیادہ تر رواج حضراتِ صوفیہ میں ہی لیکن وہ اُن کے طرزِ عمل سے یہ امر خود ظاہر ہوتا ہے کہ دل سے شاید وہ اس عقیدے کو درست نہیں جانتے کیونکہ وہ اپنے مریدین کو پیر کے ادب کی تاکید کرتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں کہ پیر کے ادب میں اگر ذرا بھی کمی کروگے تو مردود ہو جاؤگے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ پیر کو لائق تعظیم اور مرید کو قابلِ خدمت سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت میں اُن کا ہمہ اوست کہنا یا اُس پر یقین کرنا کب قابلِ تسلیم رہا۔ کیا معنی جب ہمہ اوست ہو تو پیر کون اور مرید کیسا۔ اور اُن میں ایک واجب التعظیم اور دوسرا سزاوار خدمت کس بنا پر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عقیدۂ ہمہ اوست کے رمز کو معلوم کرنے کا درجہ مرید کو اُن مدارج کے طے ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے جو صوفیہ نے اس درجہ پر پہونچنے کے واسطے قرار دیئے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ریاضت کشوں اور عابدوں کے لئے منازلِ سلوک طے کرنے میں ایک حالت ایسی پیش آتی ہی جس کے ہوتے ہوئے معیّن اور محدود وقت تک وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمہ اوست ہی ورنہ حقیقۃً عقیدۂ ہمہ اوست کی اصلیت کچھ نہیں ہی۔ آمدم بر سرِ مطلب۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں صوفیۂ کرام کا گروہ ایک مقدس گروہ ہی یہ وہ لوگ ہیں جو خاص اللہ والے کہلاتے ہیں اور یہ اپنی زندگی کے تمام وقت یادِ الٰہی میں صرف کر کے خاصانِ خداوند کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ اُن کی ہدایت سے لازم یہ ہی کہ تابعین کے دلوں میں خداوند جلّ جلالہٗ کی عظمت و شان ہر وقت بڑھے اور وہ اُسی حالت میں ممکن ہی کہ خداوند کی حقیقی عظمتیں۔ اُس کا بے مثل ہونا۔ اور تمام ماسوائے اللہ کا اُس کی مخلوق اور مصنوع ہونا معتقدین کے دلوں میں جانشیں کریں حقوق خالق اور حقوق مخلوق کی تفصیلیں سکھائیں پورے طور پر اُن کے ذہن نشیں کر دیں کہ اعمال کی جزا اور سزا ضروری

ہے۔ اُن کو مستحقین کا حق ادا کرنا۔ ضعفا پر رحم کرنا۔ ذاتی محنت اور مشقت سے معیشت پیدا کرنا۔ غیر کے اندوختوں سے محترز رہنا بتاتے ہیں۔ تاکہ عند اللہ و عند الناس وہ ہر طرح نفع میں رہیں۔ ہمہ اوست کے مطالب تلقین کرنے سے تو اُن کا ہر طرح نقصان ہے۔ کیا معنی ایسا سمجھنے سے اپنی ذات خاص کی غلط وقعت خداوند جل جلالہٗ کی عظمت کے متعلق کمی اور غلط خیالی۔ جزا و سزائے اعمال کی امید اور خوف سے بے پروائی دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کی دنیوی مثال اس طرح پر ہے کہ اگر کسی عظیم الشان شہنشاہ کے چند مقربانِ خاص ہوں اور اُن کے ذریعے سے دوسرے وہ لوگ جو شہنشاہ کی حضوری کے خواہشمند ہوں اُن سے وہ اُمورِ تعلیم پانا چاہیں جن سے شہنشاہ کی حضوری اور قُرب اور درجاتِ خاص ملنا ممکن ہوں تو اُن مقربانِ خاص کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ شہنشاہ کی عظمت اور جلال کی تفصیلات۔ آداب شاہی کی صراحتیں۔ قوانینِ شاہی کے مقاصد اور عملدر آمد کے طریقے تعلیم کریں تاکہ ان طالبانِ صادق کو بھی ادب اور اطاعت اور تعمیلِ قانون سے درجاتِ قُرب حاصل ہوں نہ یہ کہ اُن کے کان میں کہدیا جائے کہ شہنشاہی درجے کا مستحق صرف شہنشاہ نہیں ہے تم بھی حقوق شہنشاہی میں شرکت کا حق حاصل رکھتے ہو۔ ایسا کہدینے سے تو بجائے اس کے کہ اُن کے اخلاق کی درستی ہوتی اُن کے دلوں میں باغیانہ خیالات ہمسری کا دعوئے اطاعت سے بے پروائی پیدا ہوگی اور آخر کار وہ اُس سزا پانے کے مستوجب ہو جائینگے جو کہ باغیوں۔ بے ادبوں۔ اور قانون کے خلاف ورزی کرنیوالوں کو ملتی ہے۔

اب میں معتقدین ذات ہمہ از وست گو کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو کہ سچا اور سیدھا مسلک ہے۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں تمام پیشوایانِ مذہب اسی عقیدۂ ہمہ از وست کے پابند تھے اور ہیں۔ ہر ایک مذہب میں جو شریعتیں پیشوایانِ مذہب نے قایم کی ہیں اُن تمام شریعتوں میں اوامر اور نواہی کی تفصیلیں۔ جزا اور سزائے اعمال کی صراحتیں موجود ہیں۔ اگر یہ مقدس اور ہادی لوگ ہمہ اوست کے قائل ہوتے تو شریعت قائم کرنے

اور احکامِ خالق اُس کے بندوں کو پہونچانے کی کچھ بھی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ جب ہمہ اوست ہو تو حکم اور حاکم اور محکوم کے حدود قایم کرنے کی کیا ضرورت ہو۔ مگر جب کہ تمام احکامِ مذہبی میں خالقِ کائنات کی عظمت اور جلال کو مسلّم مان کر ماسویٰ اللہ کو مخلوق مانا گیا ہے اور مخلوق میں ذی عقول افراد کو عبادت اور رضا جوئی خالق کی ہدایتیں کی گئی ہیں تو اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ تمام ادیانِ مذہب عقیدۂ ہمہ از وست کو ملنتے تھے۔ اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ خداوند جلیل جلّ جلالہٗ کے سوا جو کچھ ہے وہ سب اس کی مخلوق ہے ماسویٰ المعبود کے ابتدائی ترکیب کے واسطے خواہ اوّل ذرّاتِ صغار مادی پیدا کئے گئے ہوں یا سب سے اوّل عقل اول پیدا ہوئی ہو یا قوت یا سب کچھ یا ان کے سوا کچھ اور یا کچھ بھی پیدا نہ کیا گیا ہو محض لفظِ کُن یا قدرت سے سب اشیا ہویدا کی گئی ہوں لیکن ہر ایک حالت میں یہ امر قطعی مسلّم ہی کہ تمام کائنات اور تمام مخلوق کا خالق وہی ایک بے مثل و نظیر خداوند ہی جس نے تمام اشیائے عالم کو خلق فرما کر اُن میں ہر ایک کو محدود دیگر مختلف حالتیں باعتبار عمر و خواص و آثار کے عنایت فرمائیں اور اُن سب کو قانونِ قدرت کا متبع کیا۔ اُس نے زمین کی مخلوق کے لئے اجزائے غذائی زمین میں پیدا کئے۔ ہوائی مخلوق کے واسطے ہوا میں۔ غرض ہر ایک کو جو حالت عنایت کی اُسی کی مناسبت سے اُس کی ضروریات بقا مہیا فرمائیں۔ اُس خداوند کی کائنات ایسی وسیع اور کثیر ہے کہ اُس کی انتہائی حد خیال میں نہیں آسکتی۔ کراتِ عظیمہ اُس کی فضائے قدرت میں اپنی ضروریاتِ بقا اُسی طرح تلاش کرتے اور پاتے ہیں جس طرح ہم یا ایک پشّہ یا ایک چیونٹی اپنی ضروریات بقا اس زمین پر حاصل کرتے ہیں۔ اُس نے افراد مخلوق میں استعدادِ اعمال اور اعمال میں خواص خاص رکھے۔ اُس نے جس طرح اچھے اعمال کی عمدہ جزا دینے کے واسطے بڑے بڑے سامانِ عیش و آرام مہیا فرمائے اُسی طرح اعمالِ بد کی سزا دینے کے لئے مولم اور تکلیف دہ سامان بھی پیدا کئے۔ اُس نے اپنے خاص اشفاق سے اپنی مرضیات اور منشا اور احکام کی خاص ہدایتیں جس طریق سے مناسب سمجھا اپنے خاص علم یا خاص عقل یا خاص استعداد اپنی مرضیات کے سمجھنے کی عنایت کی تا کہ وہ دوسری عام افراد مخلوق

کو راہِ راست تبلائیں۔ اُس کو ہماری یا ہمارے افعال کی کچھ پروا نہیں اُس کی ذات یا عظمت و جلال میں کیا کمی ہے جو ہمارے کسی عمل یا فعل سے اُس میں ترقی ہو۔ ہمارے اعمال و افعال کی پسندیدگی یا اخلاق کی عمدگی ہمارے ہی واسطے مفید ہے۔ ہم کو سمجھنا چاہیئے کہ ہم اپنے پیدا ہونے سے پہلے اس دنیا میں نہ تھے۔ نیز ایک مدّتِ خاص کے بعد پھر نہ ہونگے ناگزیر چلا جانا ہوگا۔ ہماری کسی تدبیر سے وقت مقررہ پر یہاں سے چلا جانا رُک نہیں سکتا۔ اسی کے ساتھ یہ امر مسلّم ہے کہ ہمارا اور ہر فردِ مخلوق کا یہاں آنا اور یہاں سے جانا کسی ایسی غیبی قوت کے ہاتھ میں ہے جو افرادِ مخلوق میں سب پر حاکم ہے۔ افرادِ مخلوق سے میری مُراد محض افراد انسانی سے نہیں بلکہ عناصر یا زمان یا خلا یا اور کوئی شے چاہے وہ کیسی ہی عظیم کیسی ہی قوی یا کیسی ہی دیرپا ہو مگر اُس غیبی قوت کی قدرت کے آگے وہ ایسی ہی بے حقیقت اور ادنےٰ ہے جس طرح عظیم الشّان پہاڑ کے آگے ایک ذرّہ یا سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ ہوتا ہے۔ ہر شئے اُس کی مرضی سے پیدا ہوتی ہے۔ مقررہ وقت تک قایم رہتی ہے پھر اُسکی مرضی اور حُکم سے متغیر یا منتقل یا فنا ہو جاتی ہے۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اُس آنے والی حالت کے متعلق جو بعد اس زندگی کے آنے والی ہے ہم کو کچھ علم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئیگا۔ اس صورت میں جب کہ ہم اس محدود ناپائدار چندروزہ زندگی کے واسطے ہر وقت جانکاہ محنتیں کرتے ہیں اپنے سے مقتدر لوگوں کی خوشامدیں کرتے ہیں جن سے ذرا بھی ہمارے نفع یا نقصان کا تعلق ہوتا ہو اُس کے خوش رکھنے میں دل و جان سے کوشش کرتے ہیں۔ پھر اُس جلیل خداوند کی اطاعت کا ہم پر کس قدر بار ہونا چاہیئے جو پیش از حیات دنیا بھی ہمارا کفیل تھا اب بھی کفالت کرتا ہے۔ ہماری بقا کے واسطے پانی برساتا ہے۔ غلّہ جات۔ عمدہ پھل۔ لذیذ میوے پیدا کرتا ہے۔ اگر وہ پانی روک لے تو کون ایسا ہے جو برسا سکے۔ بعدِ مرگ بھی ہم پر وہی شفیق اور وہی ہمارا کفیل ہوگا۔ پھر کیا اُس کی مرضیات کے کام کرنے کی بابت ہم کو کچھ نہ کرنا چاہیئے۔ دنیا کے مقتدر یا حاکم جن کی رضاجوئی میں ہم مٹے ہوئے ہیں اکثر حالتوں میں ہماری طرح عاجز ہیں۔ اسی طرح پیدا ہوئے۔ امراض۔ افکار۔ حوادث سے اسی طرح اثر پذیر ہوتے ہیں۔ وقت مقررہ پر اسی طرح

عاجزانہ حالت میں مرجاتے ہیں جس طرح ہم یا سب مرجاتے ہیں۔ مگر وہ جو ہمارا اور ان سب کا اور
تمام کائنات کا خالق ہے جس کے ادنے آہنگِ قدرت سے مثل ہمارے اور ان مقتدرانِ عالم
کے اور مثل ان کواکب اور کُرات کے جو کہ اب موجود ہیں کروروں بلکہ غیر متناہی اجساد اور اجسام
بنے اور بگڑے قائم ہوئے اور مٹ گئے۔ وہ اپنی اُسی حالتِ خداوندی پر قایم ہی جس طرح تھا۔ ابدًا
اسی طرح قایم رہیگا۔ لاشک فیہ ولاریب فیہ۔ ایسی حالت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم اسی
بے مثل ازلی ابدی کی بندگی صداقت کے ساتھ کریں۔ اُس کو یگانہ بے مثل و نظیر مانیں۔ اُس کی مخلوق
کے ساتھ رحم ایانداری اور نفع رسانی کے ساتھ پیش آئیں۔ کسی کو نقصان نہ پہونچائیں بقدر امکان
ہر ایک کی مدد پر آمادہ رہیں۔ اور اپنا سچا نافع اور حقیقی مالک اُسی پاک ذات جلّ جلالہٗ کو سمجھیں۔ دنیا
کے کاموں میں ضرورتہً ہمتیں کریں مگر دل کو لَو اُسی ذات پاک کے رحم و فضل پر لگی رہے۔ جلّ جلالہٗ
اب میں چند اشعار پڑھتا ہوں ۵

خالق ابدیت کا خداوند ازل ہی — اس کا کوئی ہمسر نہ مقابل نہ بدل ہی
وہ طالبِ حیز ہے نہ جویائے محل ہی — اسباب کا پابند نہ محتاجِ علل ہی

خلاقِ جہاں خالقِ ادیان و ملل ہی
ہم مانیں اُسی ذات کو یہ حسنِ عمل ہی

اُس ذات کی غایت کو کوئی پا نہیں سکتا — کیسا ہے کہاں ہے کوئی بتلا نہیں سکتا
اوجِ نظر اُس نور کو دکھلا نہیں سکتا — آغوشِ تصوّر اُسے ٹھیرا نہیں سکتا

یہ علم اُسی ذات کو ہوگا کہ وہ کیا ہی
ہم صرف یہ سمجھے ہیں وہ بے مثل خدا ہی

یہ شانِ خدائی ازلی اور ابدی ہے — اس میں نہ تبدّل نہ تغیّر نہ کمی ہے
آغاز نہ انجام نہ حاجت طلبی ہے — بے حد ہے نہ غایت ہے نہ پایاں کبھی ہے

واللہ عجب شان کی ہے شانِ خدائی
جنبش نہ کرے گا کبھی ایوانِ خدائی

مخلوق ہے ہر چیز جو کچھ اُس کے سوا ہی
یہ سلسلۂ آمد و شد ایسا لگا ہی
آغاز میں ہے بود تو انجام فنا ہی
پائندہ نہیں کوئی جو آیا سو گیا ہی

حادث کی یہی شان ہی قائم نہیں رہتا
اِک حال کا پابند وہ دائم نہیں رہتا

جب ممکن و واجب کی برابر نہ ہو حالت
یاں رنگ بدل جانے سے ملتی نہ ہو مہلت
یاں ضعف و تغیّر ہو وہاں قوت قدرت
واں قائم و دائم وہی شوکت وہی عظمت

یاں ہیچ و درماندگی واں حکم روائی
یاں بندگی بیچارگی واں شانِ خدائی

پھر کون ہے جو دونوں کو یکرنگ بتائے
تحقیق میں افلاک سے اونچا کوئی جائے
کیوں عقل کو ظاہر نہ تفاوت نظر آئے
کوشش میں کسی درجہ کوئی جان کھپائے

عینیّتِ خالق میں رسا ہو نہیں سکتا
اور مشتق تصور سے خدا ہو نہیں سکتا

اندازہ سے ہمت کا بڑھانا نہیں ممکن
عینیتِ خالق میں سمانا نہیں ممکن
ادراک سے ہر جا پہ در آنا نہیں ممکن
اور ممکن و واجب کو ملانا نہیں ممکن

ہم بندے ہیں شک اس میں کچھ ای دوست نہیں ہے
وہ خالقِ عالم ہے ہمہ اوست نہیں ہے

یہ سچ ہے کہ خاصانِ خدا پاتی ہیں درجات
جز یادِ خدا اُن سے گزرتے نہیں اوقات
قدسی ہیں نفوس اُن کے مقرب ہیں وہ بالذات
جب محو وہ ہو جائیں تو چاہیں سو کہیں بات

پر اُن میں ہر اک بندہ ہی معبود نہیں ہے
ساجد تو کسی حال میں مسجود نہیں ہے

اس ذات مقدس کی ہر اک شان ہی عالی
ہر جا صفتِ قدرتِ خالق ہے نرالی
ہم بے کس و مجبور وہ ہم سب کا ہی والی
وہ ہستیِ جاوید ہے ہم نقشِ خیالی

جو کچھ ہے وہی ذات ہی ہم کون ہیں کیا ہیں
مٹنے کے لئے صورتِ نقشِ کفِ پا ہیں

جب تک وہ جہاں چاہے ہمیں رکھے برابر
اس کے کفِ قدرت میں ہی ہم سب کا مقدر
جب چاہے بدل ڈالے بدل جائیں وہیں پر
وہ پاک خداوند ہے ہم اُس کے ہیں چاکر

جب چاہے وہ جو کچھ کرے مجبور نہیں ہے
پابند کسی کا نہیں معذور نہیں ہے

آؤ کریں اس در پہ بہم ناصیہ سائی
چل دور ہو خود بینی الگ رہ من و مائی
پہونچائیگی مقصد کو اسی در کی گدائی
بندوں کو سزاوار ہے اقرارِ خدائی

دل صدقِ ارادت سے ہی معبود کے در پر
اور جان کھچی جاتی ہے مسجود کے در پر

اس راہ میں ہم جان لڑادیں تو روا ہی
خودداری بیجا کو مٹادیں تو روا ہی
اس دھیان میں سب عمر کھپادیں تو روا ہی
جاں بازی مردانہ دکھادیں تو روا ہی

جب کرنے پہ آجائیں تو کیا کر نہیں سکتے
کیا مال ہے جاں جس کو فدا کر نہیں سکتے

لیکن وہ نہیں چاہتا انداز سے بڑھ کر
احکام ہیں سب صاف ہدایات نکوتر
بے قاعدہ بار اُس نے نہیں ڈالا کسی پر
جس میں نہیں مجبور کوئی ذرہ برابر

ہر اک کے لئے حکم ہے حالت کے مناسب
جو بوجھ ہے جس سر پہ وہ قوت کے مناسب

اپنی ہی عبادت کا ہمیں حکم دیا ہے
وہ دل سے بجا لائیں تو پروا کسے کیا ہے

اغیار کے در کا نہیں محتاج کیا ہے
ہم شاد خداوند سے خوش ہم سے خدا ہے

آزاد ہیں عالم میں مطیعانِ الٰہی
بے فکر ہیں وابستۂ فرمانِ الٰہی

ہے حکم کہ بے وجہ کوئی دل نہ دکھائیں
پیدا جو مشقّت سے کریں کھائیں کھلائیں

حق غیر کا چھوڑنے کو دیدہ و پا نہ بڑھائیں
لیں اپنی کمائی کے عوض نیک دعائیں

جس جا رہیں خوبی سے ہر اک دل میں رسا ہوں
یاں خوش تو پس مرگ بھی مقبول خدا ہوں

اے ربِّ جہاں تو ہی معادن فقرا کا
مطلب ہی زمیں سے نہ ہمیں دھیان سما کا

تیرے ہی درِ فیض کو ہم سب نے ہے تاکا
یاں نازِ گدایانہ ہے اور فضل خدا کا

جب تو ہے تو کیا غم ترے دریوزہ گروں کو
اکلیلِ کرم چاہیئے شوریدہ سروں کو

ہم خاک سے بدتر ہیں مگر ہیں ترے در پر
بدہمّت و ابتر ہیں مگر ہیں ترے در پر

یا ہیچ سراسر ہیں مگر ہیں ترے در پر
اب کیا کہیں کیونکر ہیں مگر ہیں ترے در پر

اس در سے کبھی اٹھ کے نہیں جائینگے واللہ
جیتے ہیں یہیں پر یہیں مر جائینگے واللہ

دیرینہ گدا احمدی جو پائے کرم ہے
افسردہ سا رہتا ہے گرفتارِ الم ہے

اب اس میں وہ پہلا سا نہ کس بل ہی نہ دم ہے
یہ سر ہے اسی کا جو ترے سامنے خم ہے

وہ کر جو تری شان کو زیبا ہے الٰہی
جب تو ہے تو پھر کیا اُسے پروا ہی الٰہی

دوائے پیری

حضرات! میں آج حالتِ پیری اور اُس کے متعلقات پر غور کرنا چاہتا ہوں۔
پیری کا زمانہ حیات انسانی میں ایک تکلیف دہ زمانہ ہے اگرچہ ہر فردِ بشر کا زمانہ پیری یکساں نہیں کیونکہ قدرتی طور پر جس طرح افرادِ انسانی اپنی قوتِ جسمانی۔ حالتِ صحت۔ ترکیب اعضا۔ آب و ہوائے ملک و حالتِ تموّل و اسباب عیش و آرام میں مختلف درجات رکھتے ہیں اُسی طرح اُن کا زمانۂ پیری مختلف درجات رکھتا ہے۔ بوڑھاپے میں کسی کو کم تکلیف ہوتی ہے کسی کو زیادہ کسی کو بہت زیادہ نیز بوڑھاپے کی تکلیفات کو کم یا رفع کرنے کے واسطے کسی کو زیادہ ذرائع میسّر ہوتے ہیں کسی کو کم کسی کو بہت کم۔ ایسی صورت میں سب بوڑھوں کی حالت یکساں تکلیف دہ خیال کرنا ناممکن ہے۔ لیکن بہرحال عہد جوانی کے مقابلے میں بوڑھاپے کا زمانہ ہر اک کو ان حالتوں کی مناسبت کے ساتھ تکلیف رساں ہوتا ہے۔ قوے میں جس قدر کمی ہونے لگتی ہے اُسی قدر کاموں کے سرانجام کرنے میں فتور پڑنے لگتا ہے۔ آلات غذائی کے کم قوت ہو جانے سے غذا کم ہو جاتی ہے جس نسبت سے غذا گھٹتی ہے اُسی نسبت سے ضعف بڑھتا ہے۔ معدے کی گرانی امراض کا حدوث ہونے لگتا ہے۔ ابتدائی عمر کے دوست آشنا کچھ کم ہو جاتے ہیں۔ کچھ کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ قوت جس انداز سے کم ہوتی ہے اُسی اندازے سے اولوالعزمی اور امیدیں کم ہو کر یاس اُن کی قائم مقامی کرنے لگتی ہے۔ بغرض قوت حُسن۔ احباب۔ صحت۔ حوصلے۔ اولوالعزمی۔ خوشیاں کم ہو جاتی ہیں۔ اور سخت صدمے کی بات یہ ہے کہ اُن کے پھر عود کرنے کی امید نہیں ہوتی۔
چونکہ تمام عزتوں اور آسائشوں کی بنیاد قوت ہے عام اس سے کہ وہ قوت بدنی ہو یا مالی۔

علمی ہو یا عقلی۔ ہر ایک حالت میں اُس کا کم یا زائل ہو جانا اپنی مقدار کمی کی مناسبت کے ساتھ دل شکنی پیدا کرتا ہے۔

پس اس امر لازمی کو مسلم مانتے ہوئے کیا یہ بات ہمارے امکان میں ہے کہ بوڑھاپے کا زمانہ ہم ٹال دیں یا صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیں جب کہ نہیں تو کیا ہم اپنی ذات خاص کو بے کسانہ طور پر حوالۂ ضعف و یاس کر کے موجودہ زندگی کو پیش از مرگ تلخ کر دیں۔ میرے خیال میں ہم پر فرض ہے کہ خداوند کی مدد سے جب تک حیات مستعار کا ایک سانس بھی باقی ہو تب تک بقائی قوت اور تلافی مافات کی تدبیریں کر کے اپنی ذات خاص کی خدمتیں کرتے رہیں اور سمجھ لیں کہ ایام زیست بہر حال گزارنے ہونگے تو پھر سعی ممکنہ سے باز رہ کر شکار ضعف و امراض و آلام ہو جانے سے یہ ارادہ زیادہ تر پسندیدہ ہے کہ بعنایتہ تعالےٰ ہم مردانہ وار بقائے قوت کے واسطے گرم سعی ہوں۔ اگر احتیاط اور دانشمندی سے مردانہ اہتمام کر کے حیات بقیہ تک ہم کام کرنے کی قوت اور صحت قائم رکھ سکیں تب ہم کامیاب ہیں۔

ہم کو خداوند کے فضل سے اس کلیہ پر یقین ہے کہ جس وقت تک ہم کو حیات حاصل ہے اُس وقت تک کسی خاص مقدار کے ساتھ قوت بھی حاصل ہے۔ ایسی احتیاطیں اور تدبیریں اور ذرائع بھی موجود ہیں جن سے ہماری قوتِ حاصلہ کو ایک مقدارِ خاص تک ترقی کرنے یا قائم رہنے میں مدد مل سکتی ہے ہم کو لازم ہے کہ ان ذرائع سے فائدہ اُٹھانے کے واسطے جس قدر قوت اور علم ہم کو حاصل ہو اُس سے کام لے کر اپنی حالت میں ترقی کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا کرنے اور کامیاب ہونے پر ہم اُس ناامیدی محض سے اُس قدر نجات پا سکتے ہیں جس قدر حالت درست ہونے سے امید پیدا ہوئی ہے۔ ایسا سہارا بھی اُس یاس محض کی تکلیف کو کم کر سکتا ہے جس کی بھیانک صورت پیش از مرگ مارے ڈالتی ہے اور اگر اس کوشش میں خاطر خواہ ترقی ہو تو اس کے ساتھ ہی بہتیری اُمنگیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔

پس ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ اپنے زمانہ حیات میں افسردگی اور یاس کے حملوں پر غالب آکر

نیک کام کرنے اور آسائش پانے اور دوسروں کو نفع پہونچانے میں اُس وقت تک کامل کوشش کرنے کا ارادہ کریں جب کہ ہمارا طائرِ روح اس قفسِ عنصری سے اپنے خداوند کے ریاضِ رحمت کی طرف پرواز کر جائے۔

اس گزرنے والی زندگی میں جو اشیا ہم کو حاصل ہیں یا ہمارے گرد و پیش ہیں عام اس سے کہ وہ ہمارے اعضا یا قوے یا علوم ہوں یا اولاد عزیز اقربا دوست آشنا مال و دولت غرض وہ تمام اشیا جن سے ہمارے قریبی تعلقات ہیں۔ ان سب کی قربت اور اتصال سے ہمارے دامن میں آخر کار صرف وہ ذخیرے باقی رہ جائینگے جو ان کے ذریعے سے ہم حاصل کر سکیں جس کا دوسرا نام اجرِ عمل ہے۔

یہ امر تو قطعی مسلّم ہے کہ ان سب اشیا کو وقت خاص پر نوبت بہ نوبت ہم سے دوری ہوجانا لازمی ہی مگر موجودہ حالت سے ثابت ہوتا ہی کہ اشیا کا حصول اور قرب ہم کو کچھ حاصل کرنے کے واسطے ملا ہی۔ ایسی حالت میں ہمارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ جس شے کا قرب ہمارے حق میں مفید ہی اُس کے درست رکھنے اور اُس سے فائدہ حاصل کرنے میں کوشش کرکے فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ اگر وہ شے کسی زبردست کے حکم سے چھین لی جائے اور ہمارے امکان میں اُس کی قربت پھر ممکن نہ ہو تو بجائے اس کے کہ اُس کے افسوس میں وقت گزاریں کوئی دوسری ویسی ہی شے حاصل کرنے میں کوشش کریں اور اپنی بقیہ اشیا کی حفاظت اور اُن سے نفع حاصل کرنے میں مصروف ہوں۔ غرض جب تک جس قدر اشیا ہم کو حاصل ہوں یا باقی رہیں اُن کو درست رکھنے اور اُن سے فائدہ حاصل کرنے میں سرگرم رہیں اگر اُس میں غفلت ہوگی تو ایک وقت ایسا آئیگا کہ نوبت بہ نوبت بقیہ اشیا بھی ہم سے دور ہو کر ہم کو محض تنہائی سے کام پڑیگا اور ایسی حالت پیش آنے پر اگر ہم نے اشیا گزشتہ سے کچھ نفع حاصل کرکے ذخیرہ کر لیا ہی تو ہم کو سرور ورنہ حسرت و افسوس حاصل ہوگا۔

اب مجھ کو صرف یہ بیان کرنا باقی ہے کہ ہماری کوشش کا اندازہ کیا ہونا چاہئے۔ اُس کے

متعلق ہیں یہ کہتا ہوں کہ پیری کا زمانہ چونکہ ضعف اور انحطاط کا زمانہ ہے اس واسطے اس عمر کی کوشش اعتدال اور ملائمت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ایسی محنت شاقہ نہ ہونا چاہئے جس میں اصلی قوت تحلیل ہو جانے کا اندیشہ ہو غذا ہلکی سریع الہضم صالح الکیموس ہو۔ اعتدال کے ساتھ ریاضت بھی لازمی ہو۔ جائز دل خوش کن مشاغل بھی ہوں۔ مناسب وقتوں میں آرام اور سکون ہونا چاہئے۔

رہی یہ بات کہ کوشش کن امور کے حصول میں کرنا چاہئے اس کی بابت ہم کو اپنی حالتوں اور ضرورتوں سے سبق لینا چاہئے جس طرح گزشتہ زندگی میں ہم موجودہ ضرورتوں اور آئندہ آنے والی ضرورتوں پر نظر کر کے کوشش کرتے رہے ہیں وہی طریقہ اب لازم ہے۔

ظاہر ہے کہ لڑکپن کے زمانے میں ہر شخص کے لئے ایسی کوششیں مفید ہوتی ہیں جو اس کے لڑکپن کے زمانے اور جوانی کے زمانے میں کارآمد ہو سکیں جب جوانی آتی ہے تو وہ پھر کوششیں نافع ہوتی ہیں جن سے جوانی کی ضرورتیں بھی روا ہوں اور بڑھاپے کے وقت بھی کارآمد ہو سکیں اس تقلید پر بڑھاپے میں ہماری کوششیں ایسے مطالب کے حصول میں ہونا لازم ہیں جن سے ہمارا آخر زمانہ حیات خوش گزرے اور بعد مرگ فضل الٰہی کی بدولت ہم خاصان خداوند کے زمرے میں بشاش داخل ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن ثُمَّ اٰمِیْن۔ اب مناسب وقت چند اشعار سنئے

بوڑھاپے کا زمانہ زندگی میں اک مصیبت ہے	وہ جن نظروں سے دیکھا جائے ہر پہلو میں دقت ہے
جب آیا وقتِ پیری پھر نہ قوت ہے نہ ہمت ہے	نہ استقلال پہلا سا نہ پہلی سی شجاعت ہے

نہ سرگرمی امنگوں میں نہ سر میں ہوش پہلا سا
یدو پا میں توانائی نہ تن میں جوش پہلا سا

بدل جاتی ہیں اکثر آرزوئیں یاس و حسرت سے	زباں کو انس ہو جاتا ہے کم لطفِ ملاقات سے
تمنائیں اولجھنے لگتی ہیں ضعفِ طبیعت سے	ارادے پورے ہو سکتے نہیں فرطِ نقاہت سے

اولوالعزمانہ ہمت دل سے رخصت خواہ ہوتی ہے
عوض میں قہقہوں کے لب پہ اکثر آہ ہوتی ہے

وہی دل جس کو ہر اک آرزو میں لطف آتا تھا
وہی پا جو کہ مشکل معرکوں میں پہلے جاتا تھا
وہی تن جو ہر اچھی شے سے آسائش اُٹھاتا تھا
وہی دستِ قوی جو گرز دجمدھر کو اٹھاتا تھا
ادائے خدمتِ لازم سے اب سب جی چراتے ہیں
دلاؤ لاکھ ہمت پر وہ پیچھے ہٹتے جاتے ہیں

ارادے جن کے ہونے پر مدارِ زندگانی ہے
وہ لطفِ خاص جو لُبِّ لُبابِ نوجوانی ہے
قوی پر ناز اور فکرِ بقائے جاودانی ہے
دلوں میں جوش افزا جو خیالِ کامرانی ہے
نہیں رہتا ہے ان میں کوئی حسرت چھوڑ جاتی ہیں
خیالِ ناامیدی اور کُلفت چھوڑ جاتی ہیں

مگر جو کچھ ہو زندوں کو بوڑھاپا آنیوالا ہے
وہ ہم سب دیکھ لینگے بخت جو دکھلانیوالا ہے
یہ ہنگامِ بہارِ نوجوانی جانے والا ہے
دوائے ضعفِ پیری بھی کوئی بتلانے والا ہے
فقط رو کر نکمّے بیٹھ رہنے سے غرض کیا ہے
سمجھنا چاہئے ہم کو دوا کیا ہے مرض کیا ہے

مسلّم ہے کہ اب واپس جوانی آنہیں سکتی
نیاز و ناز کے جلسوں میں خوش بہلا نہیں سکتی
جوانا نہ بہارِ حُسن پھر دکھلا نہیں سکتی
اکھاڑوں میں بھری گدگدی سے دل بہلا نہیں سکتی
بڑھاپا آتے ہی عالم اومنگوں کا گیا گزرا
جوانی کیا گئی مت پوچھ ہم سے حال کیا گزرا

مگر جب جاچکی کیا نفع اُس کے یاد کرنے سے
شکارِ یاس ہو کر غم میں بستر پر ٹھٹھرنے سے
پریشاں ہر گھڑی رہنے سے پیش از مرگ مرنے سے
بقیہ وقت ہو کیوں رائگاں خالی گزرنے سے
گزشتہ صحبتوں کے دھیان سی کیا ہاتھ آتا ہے
جو کچھ موجود ہے وقتاً فوقتاً یہ بھی جاتا ہے

درستی چاہیئے اُس کی جو باقی وقت قوت ہے | زمانہ زیست کا جو کچھ رہا ہی وہ بھی نعمت ہے
بہت کچھ اب بھی ہو سکتا ہی گر مردانہ ہمت ہے | معطل رہنے سے کچھ کرتے رہنا پھر غنیمت ہے

جو گرمِ سعی ہیں ہم اُن کو مردِ راہ کہتے ہیں
معطل کو زمانے میں عدوُ اللہ کہتے ہیں

مناسب وقت کے جو سعی ممکن ہو بجا لائیں | جو اچھے کام ہم سے ہو سکیں پیہم کیے جائیں
ہماری کوششیں ہوں معتدل لیکن نہ گھبرائیں | کریں آرام بھی جب محنتِ پیہم سی تھک جائیں

مگر جو بن پڑے اُس کا کیے جانا ہی بہتر ہے
مقرر وقت میں ہر کام پر آنا ہی بہتر ہے

یہ پچھلا وقت ہی بالکل ہی اچھے کام کرنے کا | کبھی صرفِ ریاضت اور کبھی آرام کرنے کا
درونِ دل سے یادِ خالقِ علام کرنے کا | زباں سے ہاتھ سے سعیِ رفاہِ عام کرنے کا

خوشا اوقات جو گزریں رضائے ربِّ اکبر میں
تنِ خاکی سے پچھلا سانس نکلے یادِ داور میں

الٰہی احمدی کیا ہی جو کچھ کرنے کے قابل ہو | مگر ہاں جب کہ تیرا لطف میری ساتھ شامل ہو
تو پھر دیکھے کوئی کیسی مری ہمت ہو کیا دل ہو | ارادہ ہوتے ہی پھر کامیابی مجھ کو حاصل ہو

تری امداد پر ہے ٹکٹکی باندھے نظر میری
کسے اے کاش تیرے لطف کا پٹکا کمر میری

گذارشِ احمدی

حضرات میں نہایت ادب سے جس امر کی نسبت اس وقت سمع خراشی کرتا ہوں وہ اگرچہ میرا ذاتی خیال ہی مگر دیرینہ خیال ہے میں برسالہا سال سے اس کو بیان کرنے یا اس کے متعلق کچھ عملی کارروائی کرنے کی فکر میں تھا مگر اب میں ضروری جانتا ہوں کہ جن مطالب نے میرے دل میں خطور کیا ہی اُن کو بیان کروں اور دیکھوں کہ اُس کے متعلق کہاں کہاں سے صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہی میرا یہ پہلا مضمون اس وقت ایک عام تمہید اور تین گزارشوں اور ایک خاتمہ سے شامل ہی۔

عام تمہید

اس تمہید میں ایک ایسے قابل افسوس مرض کا دل شکن تذکرہ ہی جو بھلے چنگے ذی قوت انسانوں کو آن واحد میں بالکل نکمّا اور واجبُ الرّحم کر دیتا ہی اس مرض کے موجود ہوتے ہوتے مقتدرانِ روزگار کو لطفِ مقتدرت باقی نہیں رہتا پھر ادنیٰ درجہ کے لوگ کس شمار میں ہیں یہ ظالم مرض بینائی جاتی رہنا اور اندھا ہو جانا ہی اب فرض کیجئے اگر کوئی بادشاہ ذی جاہ بھی اندھا ہو جائے تو باوصف کلّی اقتدار کے وہ کس درجہ نکمّا ہوگا کاغذوں کو ملاحظہ نہیں کر سکتا اُن پر دستخط نہیں کر سکتا نگرانی نہیں کر سکتا پیاری اولاد کے تماشے دیکھنے کو جی چاہتا ہے مگر نہیں دیکھ سکتا میرے اس قول پر یہ اعتراض ہو سکتا ہی کہ زیادہ واجب الرحم ہونے میں اندھوں کی تخصیص کیا ہی دوسرے محتاج مریض لنگڑے لُولے لُنجے بہرے وغیرہ وغیرہ اسی طرح درماندہ اور واجب الرّحم ہیں تو میں جواب میں کہہ سکتا ہوں کہ امراض میں کوئی مرض اچھا نہیں اور ہر ایک محتاج اور مریض بقدر اپنی حالت مرض اور درماندگی کی مدد کا مستحق ہی لیکن سب امراض کی حالتیں یکساں نہیں ہیں اور میں جن اندھوں کی حالتِ زار کا بیان کرنے والا ہوں وہ حالت الاماں اور

الحفیظ پکارتی ہوئی خدا سے پناہ مانگنے کے قابل ہی چشم بینا چاہیئے جو دیکھے گوش شنوا چاہیئے جو سُنے غور فرمایئے بہرا ہونا بھی اگرچہ من وجہٍ محتاج ہونا ہے لیکن جہاں تک میرا تجربہ ہی بہرے آدمی گراں گوش یا زیادہ گراں گوش ہونے میں زیادہ زور سے آواز دینے پر یا آلہ کان میں لگانے پر سُن سکتے ہیں میں نے لنگڑے آدمیوں کو لکڑی کا پاؤں لگا کر چلتے ہوئے دیکھا ہے مگر کسی اندھے کو لکڑی کی عینک سے کام چلاتے نہیں دیکھا میں نے تماشہ گاہوں مجموں ہنگاموں میں ہر قسم کے مریضوں کو محض تماشہ دیکھنے کی غرض سے شامل ہوتے دیکھا ہی نیز شادیوں کے موقعوں پر جو دولھا دلہن کی سواریوں پر زر سُرخ وسفید شگوناً لٹایا اور خیرات کیا جاتا ہے اُس کے لوٹنے میں ہر قسم کے محتاجوں کو شریک ہوتے دیکھا ہی مگر کسی اندھے کو کبھی نہیں دیکھا دوسرے مریضوں اور محتاجوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کو اپنے گرد وپیش کی معمولی چیزوں کو بھی ٹٹولنے یا دوسروں سے پوچھنے کی ضرورت پڑے آنکھیں جاتی رہنا وہ ستم کا واقعہ ہے کہ اُس کے بعد نہ ہاتوں سے درست کام لئے جا سکتے ہیں نہ پاؤں سے انسانی ضروریات لازمی کے روا ہونے کے واسطے بھی دوسروں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہی اس عام درد انگیز حالت میں تو سب نابینا جب تک وہ اس حالت میں مُبتلا رہیں لایق ہمدردی ہیں لیکن مقتدر لوگ جب اُن کی بینائی جاتی رہے اپنے علاج میں کوشش کر سکتے ہیں صرف زر کر سکتے ہیں قسمت اچھّی ہو تو بینا ہو سکتے ہیں اور اگر علاج کامیاب نہ ہو تو معیشت موجود ہونے کی وجہ سے روزی اور ضروریات لازمی کی تکلیف سے محفوظ رہکر زندگی کے دن گزار سکتے ہیں میں اپنے اس وقت کے بیان میں اُن اندھوں کی حالت پر بھی بحث کرنا نہیں چاہتا جو کہ اگرچہ زیادہ صاحب مقدرت نہیں ہیں لیکن اپنے خرچ سے سرکاری شفاخانوں تک جا سکتے ہیں اور علاج کرا سکتے ہیں میرا دل تو اُن بدنصیب اندھوں کی زار حالت پر خون کے آنسو بہا رہا ہے جن کا کوئی سرپرست نہیں کہیں معاش کا ٹھکانا نہیں اس بدنصیب گروہ سے تو جنگل کے وحشی اور ہوا کے پرندے بہتر ہیں وہ آنکھوں کی بدولت اپنے قوتِ بازو سے اپنی روزی اور ضروریات زندگی کی تلاش

تو کر سکتے ہیں اس محروم گروہ کی عمریں دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرنے راستوں پر بھیک مانگنے اور
چلّائے جانے میں صرف ہو جاتی ہیں اور کوئی اُف نہیں کرتا شادیوں میں تہواروں میں رسوم
معینہ اور رسوم اعتقادی میں مقتدران روزگار لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف کرتے ہیں منتوں
مُرادوں کے واسطے بہت کچھ صَرف کیا جاتا ہی لیکن یہ واجب الرحم گروہ خصوصیت کے ساتھ
کس کو یاد ہی جو منتفع ہو سکے ان میں بوجہ ضعف جسمانی یا درازی عمر کے جو لوگ زیادہ کمزور ہیں
اُن کی افسوسناک حالت کا اندازہ تو وہی دل کر سکتا ہے جس میں پورا درد اور رحم ہو باقی وہ
افراد جو بحالت عمر کے جوان ہیں یا اُن میں ذاتی طور پر جسمانی قوت موجود ہی اُن کی زندگی بھی
مُصیبت ناک ہی کیا معنی کس کو غرض ہے کہ اُن کی حالت کے مناسب اُن کے لئے کوئی
شغل یا محنت کا کام ایسا تجویز کرے جس سے اُن کی معیشت میں مدد اور صحت میں خوشحالی پیدا
ہو ایسی حالت میں جب کہ سن رسیدہ اور کمزور اندھوں کو مدد پہونچانے اور قوت والے اندھوں کے
واسطے شغل پیدا کرنے کی کسی کو پروا نہیں تو پھر اُن بیکس محتاج غریب اندھے بچّوں پر کون متوجہ
ہو سکتا ہی جن کو اس دردناک حالت میں پوری عمر گزارنے کو باقی ہی ہائے ہم لوگوں کے
دل پتھر کے ہیں جو یہ سب بیکسانہ حالتیں کھُلی آنکھوں دیکھتے ہیں مگر کچھ کرنا نہیں چاہتے ہم صبح
اُٹھکر دیکھتے ہیں کہ ایسی زار حالت پر بھی ظالم پیٹ اُن کو اطمینان سے ایک جگہ پڑے رہنے کی
اجازت نہیں دیتا وہ لاچار بھیک مانگنے اُٹھتے ہیں کہیں ٹھوکر کھا کر گرتے ہیں کہیں کیچڑ میں پھنستے
راستہ چلتے مویشی سے ٹکراتے ہیں بیٹھے ہوئے کُتّے پر پاؤں پڑا اور کاٹ لئے گئے اُن کے
گرد آلود ننگے پاؤں کو سانپ کاٹے یا بچھّو وہ کب دیکھ سکتے ہیں بھیک کے ٹکڑے آدھے پیٹ
مل جانے اور کھا لینے کے بعد اگر اُن کو فطرتاً کوئی دم آسایش پانے کی آرزو دل میں پیدا ہو تو
آرام دینے والا گھر اور گھر میں خدمت کرنے اور راحت پہونچانے والی بی بی کہاں ہے جو
آسایش کا کوئی سانس لے سکیں پرندے جانور تک اپنے لئے جوڑا تلاش کرکے اپنا وقت خوش
گزارتے ہیں مگر اُن کو کون قبول کرے اور اگر کوئی اپنی ہی حالت کا جوڑا مل بھی جائے تو

کھانے کو کہاں سے آئے ۔

آمدم برسرِ مطلب یہ تو ظاہر ہے کہ کئی سال سے میرا دل اس واجب الرحم گروہ کی حالت پر دُکھتا تھا اس سال بشکر گوالیار سے جہاں کہ حضور مہاراجہ صاحب بہادر کی شاہانہ نظرِ عنایت کی وجہ سے زیادہ تر قیام میرا رہتا ہے فروری کے مہینہ میں علی گڑھ اپنے چھوٹے بیٹے آفتاب احمد خاں بیرسٹر ایٹ لا سلمہم اللہ تعالیٰ سے ملنے گیا وہاں کے قیام میں میرا ارادہ ہوا کہ میں کسی قدر عملی کارروائی کر کے اندازہ کروں کہ آیندہ مجھکو اس معاملہ میں کہاں تک کامیابی کی اُمید ہے اول میں نے اپنے اس ارادہ کی اطلاع جناب لفٹنٹ گورنر پنجاب کو دی اُن کے جواب میں جو خط مجھکو ملا وہ بہت دل بڑھانے والا تھا پھر میں ۱۵ مارچ ۱۸۹۹ء کو کرنال پہنچا مکنلی صاحب ڈپٹی کمشنر کرنال سے بھی اس امر میں مشورہ کیا اور اُن کو اپنے سے متفق الرائے پایا پھر میں قصبہ کنجپورہ میں گیا جو کہ میرا مولد اور اصلی وطن ہے یہ پنجاب میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے اور میں اسی ریاست کے خاندان میں ہوں بوجہ حبّ وطن یہیں سے میں نے اس کارروائی کا آغاز مناسب جانا یہ جگہ کرنال سے سات میل گوشہ شرق و شمال میں ہے اس قصبہ کی مردم شماری چار ہزار سے کچھ زیادہ ہے میں نے محتاج اندھوں کی تعداد کی تحقیقات کی تو وہ سب اندھے شمار میں اکیاسی تھے ان میں مرد عورت بچے ملا کر پینسٹھ اندھے تو ایسے پائے جن کی آنکھیں بالکل بیٹھ چکی تھی یا یہ کہیئے کہ بالکل بند تھیں اور سولہ اندھے ایسے پائے جن کی بصارت تو جاتی رہی تھی لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اس واسطے میں نے ان کھلی آنکھوں والے اندھوں کی جدی فہرست مرتب کی اور خیال کیا کہ ہرگاہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو ممکن ہے پردے یا ڈھیلے یا پتلی میں جو نقصان آگیا ہے وہ علاج ہونے سے صحت پذیر ہو جائے یہ خیال کرنے کے بعد میں نے اوّل الذکر پینسٹھ بند آنکھوں والے اندھوں کی فہرست بنام نہاد مایوس العلاج اور سولہ کھلے آنکھوں والے اندھوں کی فہرست بنام نہاد ممکن العلاج مرتب کی دونوں فہرستیں مرتب کرنے کے بعد میں نے اُن پینسٹھ مایوس العلاج اندھوں کے واسطے ایک خاص مناسب وقت انتظام کیا اور سولہ اندھوں

کے واسطے کرنال آکر صاحب ڈپٹی کمشنر اور سول سرجن صاحب کرنال سے گفتگو کرنے کے بعد یہ امر طے کیا کہ ۲۰ اپریل ۱۸۹۹ء کو ڈاکٹر صاحب کنجپورہ جاکر اُن سولہ اندھوں کا معائنہ کریں گے میں مطمئن ہوگیا اور وہاں سے روانہ ہوکر لشکر گوالیار میں آگیا گوالیار میں پہنچنے کے بعد کنجپورہ کی تحریر سے مجھکو معلوم ہوا کہ ۲۰ اپریل کو ڈاکٹر صاحب سول سرجن کرنال معہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کرنال کنجپورہ کو گئے معائنہ کے وقت صرف تیرہ اندھے حاضر اور تین غیر حاضر ملے اُن تیرہ کے آنکھیں دیکھنے کے بعد پانچ اندھوں کو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیدیا کہ اُن کی آنکھیں نہیں بن سکتیں اور آٹھ اندھوں کو اُمید دلائی کہ علاج ہونے پر اُن کی آنکھیں اچھی ہوجانے اور بصارت حاصل ہونے کی اُمید ہے اور شفاخانہ کرنال میں حاضر ہونے کا حکم دیا دوسری صبح کو میرے ملازمین موجودہ کنجپورہ نے ہر ایک اندھے کے گھر پر سواری موجود کردی تاکہ سوار ہوکر شفاخانہ کرنال میں پہونچ جائیں اُن میں چار اندھوں نے اپنی بدعقلی اور بدقسمتی سے پھر انکار کیا کہ ہم شفاخانہ کرنال میں نہیں جاتے باقی ماندہ چار اندھے سوار ہوکر شفاخانہ کرنال میں پہونچے اور اُن میں علاج ہونے پر تین اندھوں کی آنکھیں اچھی ہوکر وہ اپنے کاروبار میں مصروف ہوگئے اس مختصر تجربہ سے اگرچہ میرے خیال کو کسی قدر مدد ملی لیکن تاہم میں نے سمجھا کہ اس سے یہ لازم نہیں کہ مایوس العلاج اور ممکن العلاج اندھوں کی تعداد اسی نسبت سے ہر جگہ ہوگی کیا معنی ہر شہر ہر قصبہ ہر آبادی میں بوجہ اختلاف آب وہوائے ملک وطرز معاشرت باشندگان وصفائی وغیر صفائی مساکن حدوث امراض کے جداگانہ اسباب ہوتے ہیں لیکن اس امر پر غور کرنے کا موقع بہرحال مجھکو ملا کہ اس واجب الرحم گروہ میں اُن کی بدنصیبی یا ناداری یا بدعقلی کے سبب باہم لوگوں کی ناخداترسی اور بے پروائی کے باعث یا گورنمنٹ کی ناواقفیت کی وجہ سے ایک قابل لحاظ تعداد ایسے افراد کی بھی موجود ہے جن کی آنکھیں علاج ہونے پر اچھی ہوسکتی ہیں لیکن اس امر پر اب تک کسی نے توجہ نہیں کی نیز یہ امر بھی ثابت ہوا کہ جہالت اور بدعقلی کا خیالی خوف ایسے ضروری علاج سے بعضے بدنصیبوں کو باز رکھتا ہے

ان امور پر نظر کرتے ہوئے میں اس فکر میں پڑا کہ ایسے نادار اندھوں کی عام رفاہ و فلاح کے متعلق کس طریقہ سے کوشش کی جائے اور اُس کوشش میں کس کس کی شرکت کی ضرورت ہے اسی کے ساتھ میں اس امر میں متردد تھا کہ میں کوشش کرکے نمایاں نتائج حاصل نہ کرلوں تب تک گورنمنٹ میں اطلاع یا کسی امر کی تحریک کرنا یا رئیسانِ با اختیار سے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ظاہر کرنا بہتر نہیں نیز اس معاملہ کو پبلک کے روبرو پیش کرتے ہوئے یہ تذبذب تھا کہ یہ کسی مدرسے کے قایم کرنے کی کوشش نہیں جس کے واسطے کوئی خاص مقام ہیڈ کوارٹر قرار دیا جاکر رفتہ رفتہ تدریجی کوشش ہوتی رہے یہ کوئی ایسا کام بھی نہیں جس کی شرکت میں لوگوں کو اپنے کسی دنیوی نفع کی اُمید ہو یا نمایش یا شان و شوکت کے حصول کا احتمال ہو یہ کام تو محض خدا کی رضامندی اور ایک واجب الرحم گروہ کی ہمدردی اور رفاہ کا ہے جو کہ مختلف مقامات میں وہاں کی حالتوں پر نظر کرتے ہوئے انجام دیا جائے گا یہ مختلف خیالات میرے دماغ میں دَور کر رہے تھے کہ ایک زبردست ہاتھ نے میری ایسی مدد کی جس سے میرے ارادہ کے ڈگمگاتے ہوئے پاؤں مستقل جم گئے اور ایک دوسرے تجربہ کی اُمید نے میرے خیالات میں پوری اُمنگ پیدا کردی اس کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے اپنے گذشتہ کارروائی کی اطلاع اور اپنے آیندہ ارادہ کی نوعیت اپنے آقائے ولی نعمت حضور مہاراجہ مادھوراؤ صاحب بہادر سیندیا دام اقبالہٗ سے عرض کی اور ایک نمونہ فہرست کا پیش کیا حضور نے اُسی وقت کمال خوشی سے لے کر اُس نمونہ کے مطابق فہرستیں مُرتّب ہونے کے احکام جاری فرمائے اور فہرستیں مُرتّب ہوجانے پر وہ فہرستیں میرے پاس بھیجدیں ان فہرستوں سے واضح ہوا کہ خاص لشکر گوالیار میں جس کی مردم شماری کی تعداد ۳۴۵۵۸ ہے کل اندھوں کی تعداد مرد عورتیں بچے ملاکر ۳۹۷ ہے اُن میں ۱۶۷ کی آنکھیں بند تھیں اور ۲۳۰ اندھوں کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں یہ تعداد معلوم ہوجانے کے بعد کھلی آنکھوں والے اندھوں کی فراہمی کا انتظام کیا گیا اور میری موجودگی میں میرے شفیق ڈاکٹر کرافٹ صاحب معالج خاص حضور معلی و افسر اعلیٰ شفاخانہ جات ریاست گوالیار نے ہر ایک اندھے کا معائنہ

شروع کیا تین روز تک یہ کارروائی جاری رہی اس عرصہ میں ۱۱۸ اندھوں کا معائنہ ہوا کیونکہ ۳۰۲ میں سے ۲۴ بدنصیب اندھے باوصف فہمائش کے بھی اپنی بدعقلی اور خیالی خوف کی وجہ سے معائنہ کے لئے حاضر نہ ہوئے ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کے بعد اُن ۱۸۸ معائنہ شدہ اندھوں میں ۱۳۶ اندھوں کی آنکھیں ناقابل صحت قرار دیکر کہدیا کہ اُن کی آنکھیں نہیں بن سکیتں اور باقی اندھوں میں ۲۹ کی نسبت قطعی اُمید صحت اور ۲۳ کی نسبت احتمالی اُمید صحت قرار دے کر ۵۲ اندھوں کو قابل علاج انتخاب کیا جن کا علاج خدا کے فضل سے جلدی شروع ہوتا ہی نیز یہ امر بھی بیان کرنے کے لائق ہو کہ یہاں کی مجموعی تعداد ۳۰۹ اندھوں میں صرف ۹۰ اندھے ایسے ہیں جن کی معاش کا کہیں ٹھکانا نہیں پس اُن کی مدد کے واسطے بتوجہ حضور مہاراجہ صاحب بہادر مناسب تجویزیں زیر غور ہیں جن کا عمل درآمد بہت قریب ایک عام جلسہ کے بعد شروع ہوگا اُسی کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ مشقت جسمانی اور تعلیم کے کاموں پر بھی مناسب غور کے بعد کارروائی ہوگی غرض کیجپورہ کے تجربہ کے بعد لشکر گوالیار کے اس دوسرے تجربہ نے جو حضور اقدس مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہٗ کی مدد اور خاص عنایت کی وجہ سے مجھکو حاصل ہوا میرے ارادہ میں یہ وسعت پیدا کردی کہ اب میں بے تکلف گورنمنٹ ہند سے اور دوسرے رئیسان با اختیار سے اور پبلک سے جو کچھ گزارش کرنا ضرور سمجھوں وہ عرض کروں گورنمنٹ ہند سے مالی مدد کی خواہش بالکل نہیں ہو مالی مدد کے واسطے جو کچھ کہنا ہو وہ پبلک سے کہا جائے گا لیکن اُمور ذیل میں گورنمنٹ کی مدد کی البتہ ضرورت ہی۔

(۱) اندھوں کی تعداد معلوم کرنے کی غرض سے اہتمام کرنے اور فہرستیں مُرتّب کرا دینے میں۔

(۲) کھلی آنکھوں والے ممکن العلاج اندھوں کے علاج کے متعلق اہتمام کرنے میں۔

(۳) مایوس العلاج اندھوں کی منتظم کمیٹی کے کاروبار میں مدد دینے اور نگرانی کرنے میں۔

نظر بہ وجوہ بالا میں ایک گزارش گورنمنٹ کی خدمت میں اور دوسرے روساء باختیار
کی خدمت میں اور تیسری پبلک کی خدمت میں کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں ہر ایک
گزارش کے الفاظ سے خود واضح ہو جائے گا کہ میں کس سے کیا چاہتا ہوں۔

گذارش اوّل بخدمت گورنمنٹ عالیہ ہند

اے رحیم او منصف گورنمنٹ تیرا کروڑوں روپیہ رعایا کی رفاہ اور فلاح میں صرف ہو رہا
ہی پھر یہ بکیس افراد اس نفع سے کیوں محروم ہیں اگر یہ کہا جائے کہ گورنمنٹ نے شفا خانے
جاری کر رکھے ہیں اُن میں ڈاکٹر موجود ہیں جس مریض کو ضرورت ہو وہاں جائے علاج ہوگا ڈاکٹر
لوگ شفا خانوں کا کام چھوڑ کر شہروں کی سڑکوں پر یا قصبات و دیہات میں مریضوں کی تلاش
نہیں کر سکتے ہیں اس کے جواب میں نہایت ادب سے ضرور یہ عرض کروں گا کہ میں جن لاوارث
مفلس اندھوں کے متعلق عرض کر رہا ہوں وہ بیشک شفا خانوں تک نہیں جا سکتے کیوں کہ
نہ تو وہ اس قدر سمجھ رکھتے ہیں کہ ہماری آنکھیں قابل علاج ہیں یا نہیں اور نہ اُن کے پاس ایک
وقت کا کھانے کو ہے کہ وہ خود کو بھیک مانگنے سے ایک وقت بھی معاف کر کے شفا خانوں تک
جانے کا ارادہ کریں وہ اس قدر رقم ہی اپنی گرہ میں نہیں رکھتے کہ شفا خانوں تک پہنچانے
کو کسی مزدور کی مزدوری ادا کر سکیں جب کہ اُن کی بیکسی کا یہ حال ہے تو کیا سرکار کی خاص
توجہ فرمانے کے وہ مستحق نہیں ہیں در حالیکہ سرکار چیچک کے ٹیکہ کے واسطے لاکھوں روپیہ صرف
کرتی ہی ٹیکا لگانے والے قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں گھر گھر پھرتے ہیں تو اگر اسی طرح کوئی سہل سا طریقہ
اندھوں کی فہرستیں مُرتب کرنے اور اُن میں کھُلی آنکھوں والے اندھوں کے علاج کا مقرر فرمائے
تو تیری رعایا پروری سے کیا بعید ہی میونسپلٹیوں کی معرفت سے تحصیلداروں کی وساطت
نیز دوسرے ذرائع سے بہ سہولت یہ کارروائی ممکن ہی مایوس العلاج اندھوں کی مدد کے واسطے
ہم پبلک سے کہیں گے۔ لیکن ممکن العلاج اندھوں کے علاج میں تو مدد کر۔

گذارش دوم بخدمت والیان ریاستہا

اے فرماں روایان والاجاہ جس طرح اور جن لفظوں میں میں نے گورنمنٹ عالیہ ہند سے التماس کی ہی اُسی طرح اور اُنھیں الفاظ میں آپ سے عرض ہی کہ ہمدردی رعایا اور رضامندی خدائے جلیل جل جلالہ کے خیال سے اپنے اپنے ماتحت ممالک میں اگر مصرحہ بالا کارروائی اختیار کی جائے تو نہایت عمدہ ہی یہ میں جانتا ہوں کہ آپ کی ریاستوں میں اکثر صیغہ جات ایسے ہوں گے جن میں خیرات اور راحت رسانی غربا کی مدات وسعت سے قایم اور جاری ہوں گے اور اس بنا پر مجھکو اُمید کرنا چاہیئے کہ آپ اس امر پر بھی کسی وقت غور فرمائیں گے کہ واجب الامداد اندھوں کو بھی اُن مدات میں سے کبھی کسی قدر منتفع ہونے کا موقع مل سکے گا یا کیا۔ اور مؤثر تر خیرات فی الحقیقت کس قسم کی خیرات ہی۔

گذارش سیوم

اے سرداران وعہدہ داران وحضرات مقتدر اور اے عام بندگان الٰہی میری اس گذارش پر آپ صاحبوں نے توجہ فرمائی ہوگی کہ میں جس بیکس فریق کی پرورش اور دستگیری کے واسطے کچھ دیر سے عرض کر رہا ہوں وہ پوری مدد کا مستحق ہے اور اُس کی پوری کفالت اگر کر سکتی ہو تو صرف آپ لوگ کر سکتے ہو کوئی سلطنت یا کوئی حکومت ایسی عام اور وسیع ذمہ داریوں کی متحمل نہیں ہو سکتی سلطنت کے خزانہ کی معدود رقمیں خود اُس کی ضروریات سلطنت کو مشکل سے کافی ہوتی ہیں چہ جائے ایسے زیادہ اور عام مصارف لیکن میرے اس بیان سے یہ مُراد نہ لی جائے کہ میں آپ صاحبوں پر کوئی ایسا بار ڈالنا چاہتا ہوں جس کے آپ متحمل نہ ہو سکیں یا کچھ تکلیف اُٹھانا پڑے یا جس قدر رقمیں آپ اب خرچ کرتے ہیں اس زیادہ خرچ کرنے کی ضرورت ہو نہیں ہرگز نہیں بلکہ ایک ایسی بات عرض کرنا چاہتا ہوں جس سے بدون بڑھانے کسی زائد خرچ کے صرف طریق خرچ کی اصلاح کرنے پر خود بخود ایسی درستی ہو سکنا ممکن ہی جس کو ہم خرما وہم ثواب کہہ سکتے ہیں مجھکو کامل یقین

ہی کہ آپ صاحبوں نے اس امر پر ضرور غور کیا ہوگا کہ انسانوں کو خیرات کرنے کی ضرورت کیوں ہے اور سچی خیرات کیا ہی میرا اپنا خیال یہ ہی کہ انسان فطرۃً اپنی ذات خاص کا سب سے زیادہ خیر خواہ واقع ہوا ہی وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے یا کوشش کرتا ہی اُس خرچ اور کوشش سے مقصود فی الذہن اُس کا اپنی بہتری اور بھلائی ہوتی ہے خواہ اُس خرچ اور کوشش کا نتیجہ بالفعل یا قریب زمانہ میں ملنے کی اُمید ہو یا بعید زمانے اور بعید تر زمانہ میں یا بعد از مرگ ملنے کی اُمید ہو بہرحال جب اُس کو نتیجہ ملنے کا یقین ہوجاتا ہی تب وہ خرچ بھی کرتا ہے اور کوشش بھی عام اس سے کہ جس طریقہ کی پابندی کرنے کے متعلق اُس کو حصول نتیجہ کا یقین آیا ہی وہ بجائے خود صحیح ہو یا محض خیالی انسان حصول زر میں کوشش اس واسطے کرتا ہی کہ اُس کے اجتماع سے روائے حاجات میں سہولتیں ہوں گی آرام وعیش نصیب ہوگا اولاد کو اس واسطے چاہتا ہی کہ وہ بالفعل بھی اُس کے دیکھنے سے خوش ہوتا ہی اور ضرورت کے وقتوں میں اُس کو مددگا اور ہمدرد خیال کرتا ہے غرض وہ تجارت میں روپیہ لگائے یا نوکری اور مزدوری میں محنتیں کرے ہر ایک حالت میں اپنی ہی فلاح سے غرض رکھتا ہی مذہبی خدمات اور خدا کی عبادت بھی اسی اُمید پر کرتا ہے کہ مجھکو ان اعمال سے مدد اور آسایش ملے گی اسی اُمید پر محتاجوں کی مدد اور خیرات کرتا ہی کہ دنیا میں بھی میں اور میرے متعلقات محفوظ اور ترقی یاب حالت میں رہیں اور بعد از مرگ بھی یہاں کا دیا لیا وہاں کام آوے پس جب کہ یہ کلیہ مسلم ہوچکا کہ انسان کوشش اور خرچ محض اپنی بہتری اور بھلائی کے واسطے کرتا ہی تو اب اس امر پر غور کرنا لازم آیا کہ ہمارے خرچ اور ہماری کوشش کا نتیجہ کس طریق عمل سے ہم کو نفع بخش ہی اس باب میں جہانتک میں نے غور کیا ہی میں اس امر کو ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری خیرات کا چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی صرف محتاج کو ملنا چاہیئے اور اُس کی جانچ کرنے میں اعتقاد یا رعایت یا محبت یا عظمت نسبی کو کوئی دخل نہ ہو اور سمجھنا چاہیئے کہ محتاج حقیقی صرف وہ شخص ہی جو اشتداد امراض یا کسی عضو کے بیکار ہوجانے کے سبب سے اپنی معاش کے حصول میں کوشش نہ کرسکتا ہو اور اُس میں

کامیاب نہ ہو سکتا ہو محتاجگی کی یہ حالت درجات مختلف رکھتی ہو کوئی کم محتاج ہے کوئی زیادہ
اور کوئی بہت زیادہ پس کمال دانشمندی یہ ہے کہ ہماری جیبوں کی خیراتی رقمیں صرف انھیں
ہاتھوں میں پہونچیں جو محتاج ہیں اور اُسی قدر پہونچیں جس قدر محتاجگی ہے اور اُسی وقت تک
پہونچیں جب تک محتاجگی ہو اسی طرح صحیح لفظ خیرات کا اُس دینے یا خرچ کرنے پر صادق آتا ہو
جس کے معاوضہ میں دنیوی نفع یا اُخروی نتیجہ حاصل ہونے کی اُمید اُس غیبی قوت سے ہو
جس کا پاک اور مقدس نام ہر مذہب میں نرالے الفاظ اور نرالی شانِ تقدس میں ہے اور جو
فی الحقیقت ازلی ابدی علیم و قدیر اور متصرف فی العالم ہو سب کچھ جانتا ہے سب کچھ کرسکتا ہو
اُس کے نام پر اور اُس کی خوشنودی حاصل ہونے کی غرض سے ہم جو کچھ خرچ کریں گے اُس کا
بہتر معاوضہ بالیقین پائیں گے میں دیکھتا ہوں کہ سب لوگ اپنی ذاتی مصارف سے بچا کر جس قدر
رقمیں اپنے خیالوں میں بنام نہاد نیک کاموں کے خرچ کرتے ہیں وہ مفصلہ ذیل چار مدات میں
خرچ کی جاتی ہیں اوّل مقامات مذہبی و اعتقادی کی تعمیرات میں مرمتوں میں اُن کی حفاظت
اور آرائشوں میں اُن کے خادموں اور مہتمموں کی تنخواہوں اور مصارف میں خرچ کی جاتی ہے
اور اس میں صرف کرنا ایک حد خاص تک بیشک درست ہو۔ خیرات کی رقمیں جس دوسری مد میں
صرف ہوتی ہیں وہ بھی من وجہٍ درست ہو لیکن اُس میں اصلاح کی البتہ ضرورت ہو وہ یہ کہ
جو رقمیں ہم اُن بزرگوں یا بزرگ زادوں کو دیتے ہیں جن سے ہم کو یا ہمارے بزرگوں کو
اعتقاد تھا یا ہے تو ایسی ہر ایک حالت میں ہم کو یہ ضرور غور کرلینا چاہیے کہ آیا وہ حقیقی طور پر
خیراتی رقم پانے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں اور ہمیں کس قدر رقم اُن کو پیش کرنا چاہیے۔ تیسری
مد جس میں خیرات کی رقوم کا ایک قابلِ غور حصّہ برباد جاتا ہو پوری توجہ اور اصلاح کے قابل ہو
یہ وہ رقم ہو جو بنام نہاد خیرات موٹے مُسٹنڈے پیشہ ور دُھوکے باز سائلوں کی جیبوں میں
ناحق جاتی ہو ان سائلوں نے زر جمع کرنے کے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں اُن میں بعض
سائل زیارت گاہوں اور پرستش گاہوں تک پہونچنے کے نام سے سوال کرتے ہیں بعض سائل

مسجد یا مندر یا کنواں بنانے کے حیلہ سے مانگتے ہیں کہیں نجومی بن کر رمال ہو کر کراماتی کرشموں کی مدعی ہو کر جس سے جو کچھ مل سکنا ممکن ہوتا ہے وصول کرتے ہیں اس قسم کے غیر مستحق سائلوں کو ایک حبہ دینا بھی مناسب نہیں۔ باقی رہی چوتھی مد خیرات کی یعنی محتاجین حقیقی کو دینا پس اس میں جس قدر اہتمام کیا جائے وہ سب حق بجانب ہے صرف اس قدر غور کرنا ضرور ہے کہ اُن محتاجوں میں جن محتاجوں کی درماندگی دیرپا اور مستقل ہو اُن کی مدد کے لئے خرچ اور اہتمام بھی دیرپا اور مستقل ہونا چاہیئے پھر اُن میں جو محتاج جس قدر بہتری کی طرف عود یا ترقی کرے اُسی قدر ہم اپنی رقم بچا کر دوسرے حقیقی محتاجوں پر صرف کریں میرا خیال ہے کہ محتاجین واجب الرحم کی مدد کے واسطے رقوم کی کافی فراہمی میں صرف اُس وقت تک مشکلات ہیں جب تک لوگوں نے حقیقت واقعی پر توجہ نہیں فرمائی جب سب لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ ہم جس قدر رقمیں اپنے ذاتی مصارف سے بچا کر دوسرے نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں وہ بارآور طریقہ سے صرف ہوں اور ان میں سچی برکتیں شامل ہوں تو یہ رقمیں بہت ترقی کریں گی کیوں کہ ہندوستان میں جس قدر رقمیں بنام نہاد خیرات صرف ہوتی ہیں وہ کچھ کم نہیں ہیں ہر درجہ کے آدمی کچھ نہ کچھ خیرات ضرور کرتے ہیں اور یہ سلسلہ کچھ بڑے مقتدر لوگوں تک محدود نہیں ہے بلکہ غریب پیشہ ور اور مزدور بھی اس میں اچھی ہمت کرتے ہیں اور اُن کے اپنے خیالوں میں خیرات کرنے کے مقاصد البتہ مختلف ہوتے ہیں اولاد کی آرزو اولاد کی صحت اُن کی شادی بیاہ اپنی خوش حالی وغیرہ وغیرہ کے واسطے جہاں سے حصول مقصد کی اُمید رکھتے ہیں اُس کے نام کچھ دیتے ہیں یا ایک مدت خاص کا وعدہ کرتے ہیں اور وعدہ پر دیتے ہیں اور مقصود فی الذہن اُن کا اُس اُمید بر لانے والے کی خوشنودی ہوتی ہے وہ اپنی معمولی سمجھ کی وجہ سے خدا کے سوا دوسرے ذریعوں کو بھی مدد دینے والا اور اُمید بر لانے والا خیال کرتے ہیں لیکن اُن کے خیالات کی نوعیت پر بحث نہ کرتے ہوئے اگر اُن کے ذہنوں میں یہ امر راسخ کر دیا جائے کہ پیر یا ولی یا شہید یا دیبی یا دیو یا جس کے خوش کرنے کی غرض سے تم یہ صرف کرنا چاہتے ہو

وہ اس میں زیادہ خوش ہوں گے کہ اُن کے نام کی خیرات بجائے اور کسی تندرست خوش حال کو دینے کے ان مجبور حقیقی محتاجوں کو دو جن کی آنکھیں نہیں ہیں تو وہ خوشی سے دیں گے مجھکو یہ بھی معلوم ہی کہ بعض غریب آدمیوں کے خیرات کرنے کا طریقہ یہ ہی کہ ہر صبح کو روٹی پکانیکی غرض سے جب آٹا گوندھنا چاہتے ہیں اُس وقت ایک چٹکی آٹا کسی برتن میں ڈال دیتے ہیں جو اسی کام کے واسطے رکھا رہتا ہی جب چند روز میں اُس آٹے کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہی تب خیرات کر دیتے ہیں اسی طرح بعض لوگ کسی برتن میں کوڑیاں یا پیسے ڈالتے رہ کر زیادہ ہو جانے پر خیرات کر دیتے ہیں بعض لوگ اپنے اور اپنی اولاد کے واسطے جب نئے کپڑے قطع کراتے ہیں یا نئے خریدے ہوئے پہنتے پہناتے ہیں اُس وقت حصول برکت اور مُبارک ہونے کی آرزو میں کپڑے کا کوئی جزو یا قیمت کا کچھ حصّہ خواہ وہ بہت قلیل ہو خیرات کر دیتے ہیں نیز جب سفر کو جاتے ہیں یا سفر سے واپس آتے ہیں اُن حالتوں میں بھی کچھ نہ کچھ خیرات کرتے ہیں کسان لوگ کھلیان تیار ہونے پر پیداواروں میں سے ایک حصّہ خیرات کا ضرور نکالتے ہیں اور سائلوں کو دیتے رہتے ہیں پس اس قسم کی مقداریں یا رقمیں اگر اس مجبور گروہ کو ملنے لگیں یا ان کے واسطے جمع ہونے کا انتظام ہو جائے تو یہ مجموعی خیراتیں مِل جل کر ایسی قابل اطمینان تعداد جمع ہو سکتی ہی کہ پھر ان سچے محتاجوں میں کوئی بھوکا اور درماندہ نہ رہی اور دینے والوں کو اپنی خیرات دینے کا سچّا اور عمدہ ثمرہ نصیب ہو امُور بالا پر نظر کرنے کے بعد جو کچھ میں اس گذارش کے خاتمہ پر عرض کرنے کو ہوں اُس پر توجہ فرمایئے۔

خاتمہ

اے خدا دوست حضرات اور اے سرگروہان قوم جہاں جہاں جس طریقہ سے ممکن ہو بطور کمیٹی یا مجلس یا پنچایت یا دوسرے کسی مناسب نام سے موسوم کرکے مشورت گاہیں قایم کرو اور اُن میں مشوروں کے باقاعدہ طریقے اختیار کرو نام ایسے ہر ایک جلسہ کا معین الاعمیٰ ہوگا آغاز کار اس طرح ہوگا کہ وہ جلسہ حکام مقامی کو اطلاع دینے کے بعد اُن کی مدد اور اپنی کوشش سے اندھوں کی فہرستیں مُرتب کرے ممکن العلاج یعنی کھُلی آنکھوں والوں کی جُدا اور مایوس العلاج بند آنکھوں والوں کی جُدا فہرست مُرتب ہو بعد ترتیب فہرستوں کے ممکن العلاج اندھوں کے لئے ڈاکٹر کا معائنہ ہونے کی تدبیرات کی جائیں اور پھر اُن مابقی اندھوں کی جن کی آنکھیں بیٹھی ہوئی یا بند ہیں یا جو بعد معائنہ ڈاکٹر کے مایوس العلاج قرار پائے ہوں فہرست مرتب ہونے کے بعد اُن میں واجب الامداد اندھوں کا انتخاب کیا جائے جن کی معاش کا کہیں ٹھکانا نہ ہو اور پھر اُمور مفصلۂ ذیل میں یا ان سے بہتر اُمور میں مشورتیں ہوکر فراہمی رقوم کی فکریں کی جائیں۔

(۱) شادیوں کے مصارف میں تعداد مصارف پر کسی قدر حصّہ اُس کار خیر میں قرار دینے کا مشورہ کیا جائے۔

(۲) ہندو مسلمانوں کے مذہبی تہواروں اعتقادی مجلسوں اور خیراتی کاموں میں بہ اتفاق باہمی کسی قدر رقم اس واجب الرحم گروہ کے لئے مقرر کی جائے۔

(۳) مسلمانوں کی زکوٰۃ اور ہندوؤں کے دان پُن کی رقموں میں سے بھی کسی قدر حصّہ ان عاجزوں کا قرار دیا جائے۔

(۴) جہاں جہاں موقع ہو صندوق خیرات کے رکھوائے جائیں۔

(۵) دوسرے جو تدبیریں زیادہ تر مؤثر ہوں اختیار کی جائیں۔

(۶) رقوم کی فراہمی اور صرف کے لئے مناسب قاعدے اور کارپرداز اور طریق عمل مقرر

ہوں اور مناسب رقم جمع ہو جانے پر اندھوں کے درجات قایم ہو کر رفاہ کی تجویزیں اُن کی حالتوں
کے مناسب حسب ذیل یا اس سے بہتر ہونا چاہئیں۔

(الف) جو اندھے محض کمزور اور بالکل محتاج ہوں اُن کے واسطے مناسب حال اعانت
اُس رقم میں سے کی جائے اور کی جاتی رہے۔

(ب) زیادہ رقم جمع ہونے پر قوت والے محتاج اندھوں کے واسطے خاص مشقت کے کام تجویز
کئے جائیں کوئی مقام مشقت گاہ تجویز کیا جائے مشقت کا کام سکھلانے والے اور کام لینے والے مقرر
کئے جائیں اور وہ تمام ضروری چیزیں اور آلات بہم پہونچائے جائیں جن کی ضرورت ہو جس سے
اُن کی صحت بھی درست رہے اور نفع بھی ہو میں نے سُنا ہے انگلستان کی مشقت گاہوں میں وہاں کے اندھے
ایسے ایسے کام بناتے ہیں کہ اُن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں بہت قیمتوں سے بکتی ہیں اور خرچ سے
نفع زیادہ ہوتا ہے یہاں وہ حالت اگرچہ یسر دست حاصل ہونا محال ہو لیکن کوشش سے بہت کچھ ہو سکتا ہے

(ج) ذہین اور شریف اندھے بچوں کے واسطے تعلیم کی فکر کی جائے ابتدا میں صرف اُن کی
قوت حافظہ سے کام لیا جائے اُن کی طبیعتوں کی مناسبت کے لحاظ سے مذہبی کتابیں اخلاقی کتابیں
اخلاقی نظم و نثر یاد کرانے کا اہتمام کیا جائے نیز موسیقی کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور پھر رفتہ
رفتہ مناسب حالت ترقی تعلیم کی فکریں کیجائیں میں نے سُنا ہے انگلستان میں لوہے کے حروف کو
انگلیوں سے ٹٹول کر اندھے تعلیم پاتے ہیں نیز وہاں اُبھرے ہوئے حروف کی کتابیں طبع ہوتی ہیں
اُن کے صفحات اور سطور پر اندھے عجلت کے ساتھ اُنگلیاں پھراتے اور بے تکلف پڑھتے پڑھاتے ہیں
غرض مفصلہ بالا طریقوں سے اندھوں کو مدد پہونچانے کا کام میرے خیال میں تمام خیراتوں سے اعلیٰ
اور افضل ہے اور بحالت حاصل ہونے نتایج کے فی الحقیقت مُردوں کو زندہ کرنے کی کوشش کرنا ہے
میں نے اپنی فرصت کے وقتوں کا کسی قدر حصہ اس نیک کام کی نذر کیا ہے اور یہ میری پہلی گزارش ہے اگر
گورنمنٹ ہند اور روساء اور ملک نے اس پر توجہ فرمائی تو میں خدا کے فضل سے اکثر مقامات میں بذات
خاص پہونچکر اس نیک کام میں مزید عملی کارروائی کرسکوں گا۔

نظم

بصارت جاتی رہنا زندگی میں اک مصیبت ہی
نہ عزت ملنے والوں میں نہ ہمچشموں میں شوکت ہی
جب اندھا ہو گیا انساں نہ عشرت ہی نہ راحت ہی
نہ جلسوں کی تمنائیں نہ باقی لطفِ صحبت ہی

نظر آتا ہے اِک عالم کا عالم صاف ویرانہ
کہاں پھر مطرب و ساقی کہاں پھر جام و پیمانہ

ترو تازہ چمن ہی پر نہ ہوں آنکھیں تو کیا کیجے
اشاروں سے نثارِ بادہ و ساغر ہوا کیجے
لب جو دور ہے کان سے قلقل سنا کیجے
بس اس ذلت سے اُٹھیے اور ترکِ مدعا کیجے

کہاں آنکھیں ہیں جن میں نشہ سے کیفِ سرور آئے
نظر میں کس نمط نظارۂ ساقی سے نور آئے

یہ حالت اُن کی ہی جو مقتدر ہیں بزمِ عالم میں
مگر ہی جن کی حالت زار دم اُن کے نہیں دم میں
بحسرت خوں کے آنسو روئیے اُن کے بھی ماتم میں
اچنبھا ہی وہ کیوں کر جیتے ہیں اس درد اور غم میں

رضائے قدرتِ خالق سے وہ کچھ کر نہیں سکتے
مقدر جب تلک ہے زندگانی مر نہیں سکتے

مگر کیا زندگی جب وہ نہیں کچھ کام کے قابل
نہ ہیں داد و ستد والے نہ قرض و وام کے قابل
نہ وہ محنت کشایاں ہیں نہ وہ آرام کے قابل
صلہ پائیں کہاں سے جب نہ ہوں انعام کے قابل

نکمے ہیں سراسر ہاں مگر جینے کو جیتے ہیں
غمِ حرمان کھاتے ہیں جگر کا خون پیتے ہیں

غرض ہی کس کو ان کو بہرِ مزدوری ہی بلوائے
پہنچ جائیں کسی صورت تو واپس کون پھر لائے
کسی کو کیا پڑی ہی ان کو تا مکتب جا کے پہنچائے
خدا ایسی مصیبت دشمنوں کو بھی نہ دکھلائے

کرے فکرِ معیشت کون ان کی کس کو پروا ہی
کہاں تعلیم پائیں وہ نہ مکتب ہی نہ مُلا ہے

کہیں چاہت نہو جن کی کہو وہ کس جگہ جائیں
کہیں ہو عام دعوت بھی تو یہ کیوں کر پہنچ پائیں
کہاں ہیں اہل دل جو ایسے مجبوروں کو بلوائیں
یہ کہنے کو تو ہیں۔ اندھے کو مت نیوتو کہ دو آئیں
بھلا پھر کس طرح ان بیکسوں کا پار بیڑا ہو
یہ عمریں کس نمط پوری کریں کیوں کر نبیڑا ہو

وہ دھیرے دھیرے کون آتا ہی لکڑی ٹیکنے والا
یہ کیسی سستی رفتار ہے شاید ہے متوالا
نہیں دیکھا ابھی اُس نے میانِ راہ کا نالا
ذری سائیں جا۔ یا بو پرا پنے اُس کو بھلا لا
ارے وہ لڑکھڑایا دفعتہً کیا ہو گیا کیا تھا
وہ دھم سے گر گیا اندھی کنوئیں میں ہائے اندھا تھا

اُٹھو لے رحم والو آؤ دیکھو ان کی حیرانی
لباسِ فاخرہ ہی جن کے تن پر صرفِ عریانی
نہ کھانے کے لئے روٹی نہ پینے کے لئے پانی
ہر اک جانب مقدر میں لکھی ہیں ٹھوکریں کھانی
خدا کے واسطے ان بیکسوں کی صورتیں دیکھو
یہ گرد آلود دیکھو جسم اور یہ مورتیں دیکھو

اگر ہی مقتضی کچھ رحم تو ان کی کفالت ہو
جہاں میں کچھ تو ان کے واسطے سامانِ راحت ہو
کسی صورت تو ایسے بیکسوں کی رفع کلفت ہو
کہیں دور ایسے گرد آلو دشیشوں کی کدورت ہو
کسی ڈھب سے تو یہ مایوس دل کا مدعا پائیں
یہ زردتی صورتیں بھی خندۂ دنداں نما پائیں

مرادیں ہوں گی سب حاصل مرادیں ان کی بر لاؤ
خدا سے نفع پانا ہو تو ان کو نفع پہونچاؤ
تمہارے ساتھ حاضر احمدی ہی تم بھی سب آؤ
غرض دامے ودرمے ہو سکے جو کچھ وہی لاؤ
خدا کے فضل سے تم لطفِ آب و دانہ رکھتے ہو
بڑھو آگے اگر کچھ ہمتِ مردانہ رکھتے ہو

بالخیر